احمد خلیل

تالیف:

محترمہ مریم جمیلہ

مترجم:

پروفیسر محمد اسلم اعوان

81071

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ناشر : محمد سعید اللہ صدیق

مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور

مطبع : عرفان افضل پرنٹرز، لاہور

سن اشاعت: 2006ء

قیمت : 250 روپے

Marfat.com

☆

ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ حُبُّ الْمَسَاكِينِ وَالْفُقَرَاءِ

''غریبوں کی محبت جنت کی چابی ہے''

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِیْ مِسْكِيناً وَاَمِتْنِی مِسْكِيناً وَاحْشُرْنِی فِی زُمْرَةِ الْمَسَاكِين .

''اے اللہ! مجھ کو غریب بنا کر زندہ رکھ' غریبوں میں موت دے اور غریبوں کے ساتھ ہی میں قیامت میں .بارہ اُٹھایا جاؤں۔

Marfat.com

☆

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے
ہر ملت مظلوم کا یورپ ہے خریدار
جلتا ہے مگر شام و فلسطین پر مرا دل
تدبیر سے کھلتا نہیں یہ عقدۂ دشوار

....

ہے خاکِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا
(اقبال)

Marfat.com

اِنتساب

مفتی اعظم یروشلم

الحاج امین الحسینی مرحوم

کی یاد میں

۱۔ ۱۸۹۵ء۔۱۹۷۴ء

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

دیباچہ	عمر فاروق خان	09
پیش لفظ	محمد اسلم اعوان	11
کردار		13
پہلا باب	میرا گاؤں میری جنت	15
دوسرا باب	بچپن کی یادیں	20
تیسرا باب	شیخ اسحٰق بن ابراہیم	30
چوتھا باب	ماضی کی سہانی یادیں	41
پانچواں باب	چھوٹے بھائی کی ولادت	47
چھٹا باب	ممتا کی آخری بہاریں	53
ساتواں باب	خدیجہ کی وفات	59
آٹھواں باب	یہودیوں کی بستی	65
نواں باب	خوشیوں بھرے دن	75
دسواں باب	انوکھی امانت	77
گیارھواں باب	مستقبل کے خواب	80
بارھواں باب	نئی مصیبت	85
تیرھواں باب	غلامی کے شب و روز	92
چودھواں باب	پھر وہی کنج قفس	96
پندرھواں باب	قید سے رہائی	102
سولہواں باب	گھر واپسی	108

Marfat.com

سترہواں باب	آخری معرکہ	121
اٹھارہواں باب	اسماء سے شادی اور آزمائش	127
انیسواں باب	خوش نصیب مسافر	172
انیسواں باب	منزلِ مراد	190
بائیسواں باب	غلافِ کعبہ کی تیاری	216
تیئسواں باب	رُوسی دُلہن	223
چوبیسواں باب	نئی تہذیب	228
چھبیسواں باب	مجھے یاد آنے والے	242
ستائیسواں باب	نئی اُمیدیں	252
اٹھائیسواں باب	بےنور آنکھوں والا	258
انتیسواں باب	بےبسی کی موت	260
تیسواں باب	ہسپتال یا بوچڑ خانہ	268
اکتیسواں باب	انوکھا شاعر	281
بتیسواں باب	فریب خوردہ شاہین	296
اختتام	دمِ واپسیں	316

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

مریم جمیلہ (سابقہ مارگریٹ مارکس) کا آبائی تعلق ایک جرمن یہودی خاندان سے ہے۔ اور اس وقت امریکہ میں ان کے خاندان کی چوتھی پشت قیام پذیر ہے۔ وہ نیویارک میں ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئیں...... ان کے بچپن اور لڑکپن کی عمر میں فلسطین کا ہنگامہ خیز تنازعہ پورے زوروں پر تھا اور اقوام متحدہ کے ذریعے ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو فلسطین کی تقسیم اور ۱۰ مئی ۱۹۴۸ء کو قیام اسرائیل کے واقعات نے نیویارک میں ایک ہیجان خیز صورت حال پیدا کر دی تھی۔ وہ صہیونیت کے اس ظلم سے جذباتی طور پر اتنی متاثر ہوئیں کہ اندرونی طور پر ٹوٹ پھوٹ گئیں...... اور ۱۴ سال کی عمر میں جب وہ محض اسکول کی طالبہ تھیں۔ انہوں نے اپنی صہیونی سہیلیوں اور خاندان سے احتجاج کے طور پر یہ ناول لکھنا شروع کیا (اور ادبی محاذ پر یہی اُن کی اکلوتی کاوش ہے!) کہ فلسطینی کسانوں کی نام نہاد ''پسماندگی'' صہیونیوں لئے قطعی طور پر اس امر کا کوئی جواز مہیا نہیں کرتی کہ ایک پوری قوم کو انسانی حقوق سے کلی طور پر محروم کرتے ہوئے اُن کا وطن ہی اُن سے چھین لیا جائے...... کتاب کا آخری حصہ اُنہوں نے بیس سال کی عمر کے بعد کے ابتدائی سالوں میں تحریر کیا اور ان دنوں وہ نیویارک یونیورسٹی کی طالبہ تھیں...... اور اس آخری حصہ میں اسلام، اسلامی تہذیب اور اسلام کے نصب العین سے اُن کے بڑھتے ہوئے لگاؤ کی جھلک واضح نظر آتی ہے...... باقاعدہ قبول اسلام (۲۴ مئی ۱۹۶۱ء) سے کئی ماہ قبل بروکلین نیویارک ہی میں اُنہوں نے کتاب میں اختتامی ابواب کا اضافہ کیا۔ اگرچہ لاہور اور پاکستان کی جانب ہجرت (۱۹۶۲ء) تک۔ انہوں نے ناول میں بہت سی تفصیلات کا اضافہ کیا۔ لیکن اس سب کے باوجود کہانی کا مرکزی خیال اور اس کے کردار حسب سابق وہی رہے......

یہ بات نظر میں رہنی چاہیے کہ یہ کتاب اُن کے قبولِ اسلام سے قبل کے دورِ زندگی کی تحریر کردہ ہے۔ وہ اپنے وطن امریکہ سے باہر کبھی نہیں گئی تھیں اور نہ اُنھیں فلسطینی عربوں کے بارے میں کوئی براہِ راست معلومات ہی حاصل تھیں۔ ویسٹ چیسٹر کنٹری کے

Marfat.com

جس نواحی علاقہ میں وہ رہائش پذیر تھیں۔ وہ امریکہ کی نوجوان نسل کے تھے تمام آسائشات وتعیشات سے بھرپور تھا اور جس غربت مصائب، اور ظلم کا نقشہ اس کتاب میں انہوں نے کھینچا ہے۔ اس سے انہیں ذاتی طور پر کبھی واسطہ نہیں پڑا...... لہٰذا واقعاتی اور ادبی فروگذاشتیں ناگزیر تھیں...... لیکن وہ بھرپور انداز میں صرف ایک ہی توقع رکھتی ہیں کہ یہ فروگذاشتیں اُن کے ناول کا تاثر خراب کرنے پر اثرانداز نہیں ہوسکتیں...... اور وہ اس لئے کہ اس امر میں کوئی شبہ نہیں احمد خلیل سے برسوں تک حسنِ ظن رکھنے کے سبب مریم جمیلہ بہت پہلے ہی اسلام قبول کر چکی تھیں...... یہ ناول اُنہوں نے ۱۹۴۸ء میں ایک ملحدہ کی حیثیت سے لکھنا شروع کیا، اور ۱۹۶۱ء تک احمد خلیل اور اُس کے خاندان کے ساتھ ان کی قلبی ہم آہنگی اتنی گہری ہو چکی تھی کہ نام کے سوا وہ ایک پرجوش مسلمان بن چکی تھیں......!

احمد خلیل فلسطینیوں کی اُس پُرانی نسل کا آخری فرد ہے جو دیہی بستی کی دہقانی روایتوں پر بڑی مضبوطی سے قائم ہے۔ مصنفہ نے جس طرزِ زندگی کا نقشہ اس ناول میں کھینچا ہے۔ وہ آج کے دور کے آزاد خیال اور فیشن زدہ عربوں سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا...... اور نہ اس میں متوسط طبقہ کے اُن فلسطینیوں ہی کا عکس ملے گا جو مذہبی اعتبار سے بالکل بے نیاز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے فلسطینی کسی طور بھی احمد خلیل' خلیفہ اور رشید سے مطابقت نہیں رکھتے، جن کی تصویر کشی اس کتاب میں کی گئی ہے......! وہ برملا طور پر عربوں کی حد سے بڑھی ہوئی مادہ پرستی اور نام نہاد ''ترقی پسندی'' سے کھل کر نفرت اور برہمی کا اظہار کرتی ہیں۔ اُن کا یہ انداز اُس احساسِ زیاں کو اُجاگر کرتا ہے، جو عربوں کی متاعِ دین و دانش لٹ جانے کی صورتِ حال پر ہر ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے......

عمر فاروق خاں

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب محترمہ مریم جمیلہ صاحبہ کے انگریزی ناول ''احمد خلیل'' (AHMAD KHLIL) کا اُردو ترجمہ ہے۔ جس میں ایک فلسطینی مہاجر کی رُوداد بیان کی گئی ہے۔

اپنے عقیدہ و ایمان کے تحفظ کے لئے ہجرت سُنّتِ نبویؐ ہے۔ بقولِ اقبال

ہے ترکِ وطن سُنّتِ محبوبؐ اِلٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا اوّلین ہے تو مصطفویؐ ہے

''احمد خلیل'' کی داستان صرف فلسطینی مسلمانوں کا المیہ نہیں بلکہ یہ بیسویں صدی اور اب اکیسویں صدی میں سُرخ وسفید سامراج اور صیہونی، برہمنی اور صلیبی ظالموں کے ستائے ہوئے ہر افغانی، کشمیری، بہاری، برمی، قبرصی، فلپائنی اور بوسینا، ہندوستان اور اب عراق کے مسلمانوں کی غرضیکہ ہر مظلوم مسلمان کی داستان ہے جس پر ''اللہ کا نام لینے کے جُرم'' میں عرصہء حیات تنگ کر دیا گیا ہے...... لیکن احمد خلیل کے گھر سے بے گھر اور مفلس و قلاش ہونے کے باوجود اس کے دل ونظر کی دنیا پوری طرح آباد ہے۔ اور وہ مادیت، الحاد اور نام نہاد ماڈرن ازم کے زوردار جھکڑوں اور آندھیوں میں بھی شمع ایمان کو پوری آب و تاب سے فروزاں کیے ہوئے ہے کہ اس کے قامت پر اقبال کا یہ مصرع پُوری طرح صادق آتا ہے ؏ زندہ ہے ملّتِ بیضا غرباء کے دم سے......!

اور اس کا بیان جس ایمان افروز انداز میں محترمہ مریم جمیلہ صاحبہ نے کیا ہے وہ

Marfat.com

انہی کا حصہ ہے......!

جہاں تک ترجمے کا تعلق ہے میں نے کوشش کی ہے کہ اصل کتاب کا جوش و ولولہ اور زور بیان برقرار رہے۔ اس کوشش میں' میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ اس نظر ہی کر سکتے ہیں۔

برادرم سعید اللہ صدیق صاحب (مکتبہء تعمیر انسانیت) کا دلی شکریہ مجھ پر واجب ہے کہ انہوں نے میری پہلی درخواست پر اس ناول کی اشاعت کا فوری طور پر اہتمام فرمایا۔ گلیمر پر مبنی کتابوں کی مارکیٹ ویلیو کے اس دور کے باوجود برادرم محمد سعید اللہ صدیق صاحب' مقصدی کتابوں کی اشاعت کے لیے جس طرح ہر وقت جویا اور مستعد رہتے ہیں...... وہ انہی کا حصہ ہے......

میری دِلی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا حسنِ نیت قبول فرمائے...... اور ان کا عالمی اشاعتی اداروں کی صف میں جگمگاتا نظر آئے (آمین) کہ اُردو زبان میں سب سے زیادہ شائع ہونے والی شہرہ آفاق تفسیر ''تفہیم القرآن'' کے اوّلین اور بانی ناشر ہونے کا شرف' انہی کے ادارہ' مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور کو حاصل ہے۔ یہ ادارہ آج سے پون صدی قبل کے لگ بھگ اپنے قیام سے لے کر آج تک اپنے بانی شیخ قمرالدین مرحوم (وفات ۴ اپریل ۱۹۶۸ء) کے بعد اُن کے فرزند کے زیر انتظام آج بھی اپنے بانی کے قائم کردہ تعمیری نقوشِ راہ پر ثابت قدمی سے رواں دواں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس استقامت میں دوام عطا فرمائے۔ (آمین)

آخر میں ایک اہم بات کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں کہ احمد خلیل (ناول) کا اوّلین انگریزی ایڈیشن مجھے اپنے گاؤں موضع ارُوپ اور بچپن کے گہرے دوست اور سکول' کالج فیلو پروفیسر محمد عاشق نوید مرحوم (سابق صدر شعبہء عمرانیات گورنمنٹ کالج سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ) سے دورانِ طالب علمی بطورِ تحفہ موصول ہوا تھا......!

آہ! آج جب یہ ترجمہ تکمیل کے بعد اشاعت پذیر ہوا تو میرا شکریہ وصول کرنے کے لیے وہ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں......! مجھے یقین ہے کہ اس کام کی تکمیل پر ان کی روح ضرور مسرت اندوز ہوئی ہوگی۔

محمد اسلم اعوان

Marfat.com

کردار

احمد خلیل: داستان کا مرکزی کردار

خلیفہ: احمد خلیل کا بھائی

رشید: احمد خلیل کا چچا زاد بھائی

ملک وہاب: احمد خلیل کا باپ

خدیجہ: احمد خلیل کی ماں

اسماء: احمد خلیل کی ماموں زاد اور اس کی بیوی

عبدالعزیز: اسماء کا بھائی، احمد خلیل اور خلیفہ کا ماموں زاد بھائی

یوسف ملک: عبدالعزیز اور اسماء کا باپ، احمد خلیل کا ماموں
اپنے باپ کے بعد اُس کا جانشین اور اپنے قبیلے کا سردار

شیخ اسحٰق بن ابراہیم: احمد خلیل کا نانا، اپنے قبیلے کا شیخ اور اپنے گاؤں کا سردار

مصطفٰے آفندی: احمد خلیل کے دادا کا بھائی اور اس کے گاؤں کا جاگیردار

منصور: ملک وہاب کا بھائی، رشید کا باپ اور احمد خلیل کا چچا

حلیمہ: منصور کی بیوی اور احمد خلیل کی چچی

Marfat.com

اسمٰعیل: احمد خلیل کا بیٹا
عبدالرزاق: احمد خلیل کا متبنیٰ
صفیہ: خلیفہ کی بیوی
رفیق: خلیفہ کا بیٹا
میمونہ: رشید کی بیوی
عبدالرحمٰن: احمد خلیل کا پاکستانی دوست
انعام اللہ: احمد خلیل کا انڈونیشی دوست
کریم: انعام اللہ کا بیٹا اور عبدالرزاق کا دوست

Marfat.com

پہلا باب

میرا گاؤں میری جنت

ڈوبتے سورج کی کرنوں سے جگمگاتے ہوئے اُفق پر احمد خلیل نے نظر دوڑائی تو حدِ نگاہ تک گندم کی پکی ہوئی فصلیں قطار در قطار کٹائی کے لئے تیار کھڑی نظر آ رہی تھیں۔ ہر روز وہ کئی کئی گھنٹے اپنی زمین کے ان کھیتوں کو دیکھنے میں محور رہتا اور اُسے قرآن پاک کی یہ آیات یاد آ جاتیں۔

("اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے، پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا۔ وہ پھبک اُٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اُگلنی شروع کر دی۔") (سورہ الحج۔ ۵)

ہر سال اللہ تعالیٰ کی جانب سے نباتات کے دوبارہ جی اُٹھنے کا معجزہ اُس کی آنکھوں کے سامنے رُونما ہوتا۔ وہ دیکھتا کہ سردیوں کی بارش کے بعد بنجر زمین سے نازک کونپلیں پھوٹتیں اور حیرت انگیز نشوونما سے کھیت سنہری خوشوں سے چمکتے ہوئے لہلہانے لگتے...... یہ نظارہ خالص سونے چاندی سے بھی زیادہ گراں قدر تھا کہ یہ لہلہاتے کھیت ہی ان کی زندگی تھے...... گزشتہ سالوں میں اس نے اپنے بھائی' چچا زاد اور دوسرے کسانوں کے ہمراہ اندھیرے کی سیاہ چادر کی آڑ میں فصل کاٹنے کے لئے سرحد عبور کی ہی تھی کہ ایک رات سپاہیوں کو ان کے بارے میں معلوم ہو گیا...... جنہوں نے مشین گنوں کی گولیوں اور دھماکہ خیز دستی بموں کی بوچھاڑ میں انہیں گھیرے میں لے لیا۔ انہیں زمین کے اس چھوٹے سے قطعے سے کتنا لگاؤ تھا کہ جس پر پشت ہاپشت سے ان کے قبیلے کی زندگی کا انحصار تھا۔

Marfat.com

اس کو اپنی زمین کے اس ٹکڑے سے جتنی محبت تھی ایک اجنبی اس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا!

اگرچہ اندھیرا مسلسل چھا رہا تھا لیکن احمد خلیل اپنے ماضی میں کھویا ہوا رہتی جگہ پر جما کھڑا رہا...... گزرے ہوئے واقعات کو یاد کرتے کرتے ماضی میں وہ بہت دور نکل گیا...... اس کی سترہ سالہ زندگی کی مختصر سے عرصہ سے اس کے قبیلہ کے تین سو سے زائد افراد کو قتل کر دیا گیا تھا...... اور اب تو باقی ماندہ افراد خاندان میں صرف اس کا بھائی، باپ، چچا، چچی، چھوٹا چچا زاد بھائی رشید اور ماموں زاد اسماء ہی زندہ رہ گئی تھی...... صحرا میں حدّ نگاہ تک گنجان اور ایک دوسری سے پیوستہ چپٹی چھت والی جھونپڑیاں دُھندلی دُھندلی سی نظر آ رہی تھیں...... سر چھپانے کی غرض سے تعمیر شدہ یہ جھونپڑیاں بالکل اس کے تباہ شدہ گاؤں سے مشابہت رکھتی تھیں...... اور یہ بے آب و گیاہ سنگلاخ خشک زمین سے اتنی زیادہ ہم آہنگ تھیں کہ اتنی دور سے دیکھنے پر یہ بمشکل ہی نظر آتی تھیں۔ سرسبز و شاداب کھیتوں سے پار بہت دُور نجبا کے بنجر ویرانے پھیلے ہوئے تھے...... موسم گرما کے بے رحم سورج تلے کھردری ریت اور نوکیلی چٹانوں کے اس علاقے میں کسی سبزہ حتیٰ کہ گھاس کی ایک پتی کا بھی نام و نشان تک نہ تھا...... یہ ویرانہ شمالی خِطہ کے معتدل آب و ہوا اور زرخیز علاقہ سے بالکل متضاد تھا...... نجبا کے جنوب میں نیفود کا وسیع و عریض صحرا پھیلا ہوا تھا' جو اس کے آباؤ اجداد کا وطن تھا' جہاں سے وہ اسلام کی عظیم فتوحات کے زمانے میں تیرہ سو سال سے بھی زائد عرصہ قبل وسطی عرب سے ہجرت کے بعد یہاں فلسطین میں آ کر آباد ہوئے تھے...... اُن کی آمد کے وقت بہت سے رُومی عیسائیوں نے اسلام قبول کیا...... اور بعد کے زمانے میں بے شمار عیسائی صلیبی جنگجو' جنہوں نے شکست کھانے کے بعد بھی اسی علاقے کو اپنا وطن بنا لیا تھا' آخر کار آہستہ آہستہ مشرف بہ اسلام ہو کر ان کے ساتھ ہی ایک قوم میں مدغم ہو گئے تھے......

اگرچہ اُس کا قبیلہ مدتوں سے یہاں کسانوں کی حیثیت سے آباد تھا' صدیوں سے یہاں رہنے کے سبب وہ اس علاقے میں بہت مستحکم حیثیت کے مالک تھے...... لیکن اس کے باوجود صحرا اور شہر کے رہنے والے دونوں قسم کے لوگ اس کے خاندان اور قبیلہ کو بہت حقیر سمجھتے...... کیونکہ کھیتی باڑی کرنے کے سبب ان کے ہاتھ بہت سخت تھے...... ان کی شکل و شبہات' لباس' وضع قطع' آزادی کے لئے نمایاں مجاہدانہ ولولہ رکھنے کی وجہ سے اب

Marfat.com

کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ ان کے آباد اجداد بدوی لوگ تھے......! برطانوی عہد حکومت اور اس سے پہلے ترکوں کے دور میں بھی کسی نے ان کے علاقہ پر پولیس کے ذریعے چڑھائی نہ کی تھی...... وہ قبائلی انداز کی خود مختاری کے ساتھ اپنے علاقہ میں آزادانہ طور پر خود ہی حکمران تھے......لڑائی کے فن میں ماہر ہونے کے سبب آئے دن ہونے والے حملوں میں وہ نہ صرف اپنا دفاع کرتے بلکہ اپنی فصلوں' بھیڑ بکریوں کے گلوں اور اونٹوں کے ریوڑوں کی حفاظت بھی خود ہی کرتے تھے......!

انہی خیالوں میں کھوئے ہوئے' اپنی جگہ پر ساکت و صامت کھڑے ہوئے احمد خلیل کو گندم اور جو کی اُگی ہوئی فصلوں' مسور پیاز اور ککڑی کی کیاریوں اور کھیتوں کی بے مثال خوبصورتی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا...... اُس نے اپنے گھر والوں سے سن رکھا تھا کہ انہی کھیتوں کی کیاریوں میں سبزیوں اور ترکاریوں کی چنائی کے کام کے دوران میں اُس کی ماں بیٹھ گئی تھی اور چچی کی مدد سے اُس نے احمد خلیل کو جنم دیا تھا...... اُس نے اپنی امی کو یاد کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اس کے چہرے کی جھلک یا اس کی آواز کی بازگشت کو اپنی یادداشت میں تلاش نہ کر سکا...... اُسے اپنی والدہ کی لازوال پر شکوہ اور ملکوتی لیکن مدھم سی شبیہہ یاد آئی۔ جس میں وہ اسے اپنے سر پر سبزی وغیرہ کی ٹوکری اُٹھائے ہوئے صرف جھلک کی حد تک دیکھ سکا...... اور پھر اُس نے ایک دُوسری ہستی کا تصور کیا جس کا نام نامی بھی خدیجہؓ تھا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی اور سب سے چہیتی بیوی......! یہ خیال آتے ہی اُس کے رگ و پے میں فخر و انبساط کی ایک لہر دوڑ جاتی کہ اُس کی امی کا نام ایک عظیم ہستی کے نام پر رکھا گیا تھا...... جب اُس نے اپنی اوائل عمر کے ایام کا تصور کیا تو اُسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے اُس کی امی ہمیشہ اس کے ساتھ ہی رہی تھی...... وہ جہاں جاتی اُسے ساتھ اُٹھائے پھرتی۔ پہلے پہل پیشانی سے باندھے ہوئے' ایک پٹی دار جھولے میں اور بعد میں اپنے کندھوں پر وہ اُسے ہر وقت اُٹھائے رکھتی حتیٰ کہ جب وہ اپنی دستی کھڈی پر خوشنما کپڑا بننے میں مصروف ہوتی تو بھی اُسے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتی۔ اسی کپڑے کے عوض وہ مبادلہ کے طور پر ضروریات زندگی مثلاً ماچسیں' نمک' خام مصری کپاس' سینے پرونے کی سوئیاں اور احمد خلیل کے والد کی رائفل کی گولیاں غزیٰ شہر سے لاتی۔ جب کبھی وہ چلانا شروع کرتا تو وہ فوری طور پر اپنا کام روک دیتی اور اسے اپنے بازوؤں میں لے کر دودھ سے بھرے ہوئے گرم سینے سے لگا کر دودھ پلاتی' بازوؤں میں

Marfat.com

جُھلاتے ہوئے کلمہء طیبہ کی لوری سے اسے بہلاتی حتیٰ کہ وہ سو جاتا۔ جب وہ اپنی امی کی گود میں نہ ہوتا تو اس کا باپ' دادا' دادی' چچا' چچیاں' ماموں' ممانیاں اُسے اُٹھائے اُٹھائے پھرتے۔

لیکن جب وہ دو سال کی عمر کو پہنچا تو اس پر انکشاف ہوا کہ ماں کی چھاتیوں میں اس کے لئے دودھ نہیں رہا۔ وہ کھیتوں میں زور زور سے چیختا چلاتا لیکن خدیجہ کہیں بھی نظر نہ آتی۔ ایسے میں پاس سے گزرتی ہوئی اُس کی امی کی کوئی سہیلی کبھی اُسے زمین سے اُٹھا کر اس کے منہ میں اپنی چھاتی دے دیتی۔ ورنہ بھوک کی شدید لہر ہر وقت اس پر طاری رہتی۔ جب پہلے پہل اُس کی امی نے دودھ چھڑایا تو مایوسی کے عالم میں وہ زور زور سے چیختا رہا۔ لیکن پھر جلد ہی وہ زیتون کے تیل میں بھگوئے ہوئے روٹی کے ٹکڑوں' اُبلے ہوئے پیاز، یا ایک بڑی سبز ککڑی کے ساتھ' روٹی کے ٹکڑے کترنے کے کام سے مانوس ہو گیا......

اکثر اوقات جب کبھی خدیجہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ مل بیٹھتی تو وہ اسے اپنے پاؤں پر کھڑا کرتے ہوئے اسے پیدل چلانے کی کوشش کرتی۔ لیکن اس کی تکلے جیسی پتلی ٹانگیں اسے کھڑا کرنے اور پیدل چلانے کی کوششوں سے قبل ہی لچک جاتیں۔ دوسری عورتیں آپس ہی آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے سر ہلاتیں اور خدیجہ کے بچے کو رحم بھری نگاہوں سے دیکھتیں۔ خدیجہ ٹوکری کو سر پر رکھ لیتی جس میں اس کا ننھا سا بچہ سمٹ سمٹا کر اکٹھا ہو کر سویا ہوا ہوتا اور پھر وہ اکٹھی خاموشی سے گھر کی طرف روانہ ہو جاتیں...... جونہی ملک وہاب گھر کے بیرونی دروازے سے اندر آتے ہوئے نمودار ہوتا' احمد خلیل کسی نہ کسی طرح اپنی قوت مجتمع کرتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھ جاتا۔ خوشی سے ابا ابا کہتے ہوئے بچے کی انتہائی سیاہ آنکھیں خوشی سے ناچنے لگتیں۔ وہ اپنے سیاہ' فربہ اور مہیب چہرہ کو اٹھا کر اپنے والد کی طرف دیکھتا رہتا...... اس کے چہرے کے بھدّے نقوش میں اگر کوئی چیز دل کش تھی تو وہ اس کے انتہائی سفید دانت اور دل میں اُتر جانے والی آنکھوں کی ذہانت تھی...... اس کی دل کشی اور خوبصورتی کا باعث اس کی جسمانی صحت تھی اور اسی صحت پر مبنی حسن کی بناء پر وہ دوسروں کی نگاہوں کا مرکز بنا رہتا۔ خوراک کی شدید قلت کے دِنوں میں اس کی عمدہ صحت میں کچھ فرق نہ آیا۔ بچوں سے بھری ہوئی اس دنیا میں اُسے اللہ تعالیٰ نے سب بچوں سے زیادہ توانا بنایا تھا۔

Marfat.com

ڈبلے پتلے نمایاں ہڈیوں والے بازوؤں اور پنجوں جیسے ننھے منے ہاتھ پھیلائے احمد خلیل اپنی معصوم حرکات کی زبان میں باپ سے درخواست کرتا کہ وہ اُسے گود میں اٹھائے...... اور ملک وہاب ایک ذہنی کشمکش کے عالم میں اسے گرم جسم سے بھینچ لیتا...... اور بڑے پیار سے اس کے پریشان اُلجھے ہوئے کھردرے بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے وہ خود بھی ایک تذبذب کے سے عالم میں ہوتا کہ آیا وہ واقعی اس بچے سے پیار کرتا ہے یا محض اس پر ترس کھاتا ہے......!

☆......☆......☆

Marfat.com

دوسرا باب

بچپن کی یادیں

احمد خلیل کے بارے میں اس کے اہل خاندان کی رائے تھی کہ یہ بچہ بھی شاید ہی زندہ بچ سکے کیونکہ اس سے قبل اس کے تین بڑے بھائی۔ ایک بڑی بہن اور اس سے ایک چھوٹا بھائی اور چھوٹی بہن شیر خوارگی کے عالم میں ہی فوت ہو چکے تھے...... وہ ابھی تک پیدل چلنے کے قابل تو نہیں ہوا تھا لیکن اس میں کم از کم اتنا دم خم ضرور آ گیا تھا کہ وہ اپنے بھرے پُرے کمرے میں گھٹنوں کے بل رینگتا پھرتا...... یہ کمرہ دادا' چچا اور چچی کے ساتھ گھر کی تقسیم کے وقت اس کے والدین کے حصہ میں آیا تھا اور اب اس کی چچی اُمید سے تھیں۔ وہ اب کئی مہینوں سے باتیں کرنے کے قابل ہو چلا تھا اور اپنے من کی موج میں آ کر عربی شاعری کے طویل اقتباسات کو پڑھنے کی نقل اُتارنے کی کوشش کرتے ہوئے لگاتار کئی گھنٹے اسی طرح مگن رہتا۔ یہ شاعری اُس نے اپنے نانا اور امی کی زبانی سنی ہوئی تھی۔ جو اس شاعری کو عربی زبان کے بھاری بھرکم لحن اور آواز کے ساتھ لے میں پڑھتے۔ اس کوشش میں وہ خود ہی خوش ہو لیتا۔ اب اس کی امی کے پاس اس کے لئے پہلے کی طرح وقت نہیں تھا۔ اور وہ خود بھی ابھی اپنی کم عمری کی وجہ سے اس قابل نہیں ہوا تھا کہ کھیتوں کے کام میں والدین کی مدد کر سکے۔ بسااوقات اُسے گھر میں اکیلا اور بغیر نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے چھوڑ دیا جاتا۔ جہاں وہ بھوک اور پیاس سے چلاتے ہوئے تھک ہار کر رہ جاتا اور وہاں اس کی فریاد سننے والا کوئی متنفس نہ ہوتا۔

بادی النظر میں وہ کمرہ بالکل خالی اور کسی دلچسپی کے سامان سے بالکل عاری نظر آتا لیکن احمد خلیل نے اپنی مصروفیت کے لئے وہاں بہت کچھ پا لیا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل

Marfat.com

کچے فرش پر رینگتا جہاں بچھی ہوئی چٹائی پر اہل خانہ دن کو کھانا کھاتے اور رات کو اسی پر سو رہتے۔ باقی اوقات میں وہ ان دیوقامت مٹی کے باسنوں' برتنوں کے پیچھے آنکھ مچولی کھیلتا جو دیورا کے ساتھ ایک قطار میں ترتیب کے ساتھ لگے ہوئے تھے' جن میں اس کی امی اور چچی پانی اور اناج وغیرہ کا ذخیرہ رکھتی تھیں۔ اپنی ماں کی دستی کھڈی کے پاس کھڑے ہو کر وہ اس خوبصورت کپڑے کو بغور دیکھتا رہتا' جسے وہ بازار میں فروخت کرنے کے لئے بنتی تھی۔ اتنے خوش نما رنگوں والا کپڑا اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کمرے کے وسط میں بجھے ہوئے چولہے پر کھانا وغیرہ پکانے کا بڑا برتن پڑا ہوتا جو مدّتوں سے کثرتِ استعمال کے سبب سیاہ پڑ چکا تھا۔ نمعلوم یہ برتن کب کا بنا ہوا تھا لیکن یہ پشت ہاپشت سے اس کی ماں کے خاندان کی ملکیت میں چلا آ رہا تھا۔ اس چولہے کے ساتھ ہی ایک توا پڑا ہوا تھا جس پر اُسے اپنی امی اور چچیوں کو تازہ روٹیاں پکاتے ہوئے دیکھنا اچھا لگتا تھا۔ اُس کی امی نے اُسے بتا رکھا تھا کہ وہ روٹی کا ایک نوالہ بھی ضائع نہ کرے اور نہ پھینکے تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان اس گرے ہوئے نوالے کو کھا لے اور اللہ تعالیٰ اُس سے ناراض ہو کر اُسے سزا دے۔ اگر خدیجہ کبھی یہ دیکھ لیتی کہ لڑکے نے بے احتیاطی سے روٹی کا ٹکڑا زمین پر گرا دیا ہے تو وہ اسے ڈانٹتے ہوئے اس ٹکڑے کو اُٹھانے کا حکم دیتی کہ اِسے چوم کر کسی دیوار کی درز میں رکھ دے۔ جہاں سے کوئی بلی' کتا یا پرندہ اُٹھا کر کھا لے...... کمرے کے ایک اندھیرے کونے میں گاؤں کے بنے ہوئے سادہ اور بھدے زرعی اوزار پڑے ہوئے تھے۔ جن سے ہل' کھرپا' کدال' درانتی' کسّی' اور پنج شاخوں کے ساتھ گندم کاٹنے اور گاہنے کے اوزار شامل تھے۔ اپنی پیدائش سے چند ماہ پہلے واقع ہونے والی اُس لمبی اور جان لیوا خشک سالی کے بارے میں اسے کوئی علم نہ تھا' جس نے پورے قبیلے کو مفلس و قلاش کر کے رکھ دیا تھا۔ خشک سالی کے دوران فصلیں سوکھ گئی تھیں اور بیشتر مویشی مر گئے تھے۔ رات کے اندھیرے میں اُس کے قبیلے کے بارہ فاقہ زدہ آدمیوں نے نواحی یہودی نوآبادی نجبا میں نقب لگائی اور تین پہریداروں کو ہلاک کرنے کے بعد بھیڑیں' مرغیاں اور اناج کی بہت سی بوریاں لے کر فرار ہو گئے تھے۔ اس کے نتیجے میں یہودیوں نے انتقامی طور پر وحشیانہ ظلم و تشدد کیا تھا۔

جب ملک وہاب نواحی گاؤں کے ایک دوست کو اناج کی ایک بوری کے بدلے میں ہل جوتنے کے لئے اُونٹ کرائے پر لانے کے لئے اسے قائل نہ کر سکا تو خدیجہ کو خود

Marfat.com

ہی ہل کھینچنا پڑا تھا۔ جن لوگوں میں اتنی قوت نہ ہوتی کہ وہ خود ہل کھینچ سکیں وہ اناج بونے کے لئے لکڑی کی بنی ہوئی سادہ کدالیں اور پھاوڑے لے کر کھیتوں میں جاتے۔ ایسی کاشت اس لئے بھی آسان ہوگئی تھی کہ زمین کے قطعات تقسیم در تقسیم ہوتے ہوتے سکڑ کر بالکل چھوٹی چھوٹی کیاریوں کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ زرعی آلات کے ساتھ ہی دیوار سے لگی ہوئی رائفلیں کھڑی ہوتیں۔ احمد خلیل ان رائفلوں کو دیکھ کر خود کو محفوظ و مامون تصور کرتا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ ان رائفلوں کے ذریعے اُس کا باپ' نانا اور اُس کے چچ' ماموں اُسے تمام خطرات و آفات سے بچائیں گے۔

اُن کا گھر مضبوطی سے باہم جڑے ہوئے پتھروں سے بنا ہوا تھا اور یہ کئی پشتوں کے رہنے کے لئے پائیدار تھا۔ اس کی موٹی دیواریں شدید گرمی سے بھی تحفظ مہیا کرتی تھیں۔ گرمیوں میں کمروں کے اندر دن کے وقت بھی اندھیرا سا ہوتا اور موسم گرما میں ایک خوشگوار ٹھنڈک محسوس ہوتی۔ لیکن موسم سرما کی بارشوں میں شدید سردی ہوتی......

اس سال گندم کی فصلیں پہلے کی طرح کم نہ تھی بلکہ بہت فراواں ہوئی تھی' پینے کے لئے دودھ عام تھا' اور بعض اوقات گوشت بھی میسر آ جاتا۔ ملک وہاب انتہائی احتیاط سے گوشت کے ان ٹکڑوں کو پکانے کے لئے اسٹوو پر رکھتا۔ یہ اسٹوو خدیجہ نے بڑے اہتمام سے اس لئے رکھا ہوا تھا اور وہ خدیجہ سے چوری چھپے گوشت کے ٹکڑے جلدی سے احمد خلیل کو کھلاتا۔ رات کے وقت بچے کو اپنی گود میں لے کر دودھ پلانے کے لئے بہلاتا...... اور یہودیوں کے باغ (نجبا) سے چرائی ہوئی نارنگی کو بچہ چپڑ چپڑ چبا جاتا......

جونہی ملک وہاب رات کے وقت گھر لوٹتا' ننھا احمد خلیل اُس کی طرف دوڑا ہوا آتا اور اس کے عبا کے نیچے چھپی ہوئی جیبوں کو ٹٹولتے ہوئے چلاتا۔ ''آپ میرے لئے کیا لائے ہیں؟'' اور پھر شفقت کے خصوصی اظہار میں جیب سے ایک نارنگی اور تین اُبلے ہوئے انڈے اس کے لئے نکل آتے......!

ایک صبح احمد خلیل کو جب اس کے والد نے وہی روزمرہ کی ''مخفی'' خوراک کھلائی تو احمد خلیل نے آہستگی سے خودبخود اپنے پاؤں پر اُٹھتے ہوئے والدین کو ششدر کر دیا۔ اُس کا گندمی چہرہ خوشی سے گلنار ہوگیا۔ اور موٹی موٹی سیاہ آنکھیں شوخی سے چمک اُٹھیں۔ جیسے وہ یہ بات جانتا ہو کہ اس نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ ملک وہاب نے انتہائی خوشی کے عالم میں خدیجہ کو آواز دی' جس نے پہلی بار اُسے کسی سہارے کے بغیر کھڑے ہوئے

81071

Marfat.com

دیکھا۔ ملک وہاب نے اپنے دونوں بازو پھیلاتے ہوئے اُسے آگے بڑھنے پر زور دیا۔ بچے نے چند لڑکھڑاتے ہوئے قدم اُس کی طرف بڑھائے لیکن بچہ دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش میں گر پڑا اور آخر کار اُس نے اپنی ڈگمگاتی ہوئی ٹانگوں سے کمرے کے درمیان رینگنا شروع کر دیا۔ خدیجہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اُس کا بیٹا احمد خلیل تو ابھی چلنے کے قابل نہیں تھا۔ وہ بمشکل اکڑوں بیٹھتا تھا۔ وہ تو خوفزدہ تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ عمر بھر کے لئے لولا لنگڑا ہو کر ہی رہ جائے۔ کیونکہ اُس کی عمر تو چار سال ہو گئی تھی لیکن خدیجہ اُس کو ایک شیر خوار بچے کی طرح گود میں ہی اُٹھائے پھرتی۔

ملک وہاب کے چھپ کر احمد خلیل کو کھلانے پلانے کی بات خدیجہ پر جلد ہی عیاں ہو گئی۔ اور وہ جان گئی کہ ملک وہاب کو احمد خلیل کے اپنے پاؤں پر چلنے کی اتنی تحیر آمیز خوشی کیوں ہوئی تھی! وہ اس بات پر ناراض ہونے کے بجائے بہت زیادہ خوش ہوئی۔ اس کے بعد تو خدیجہ حتی الوسع چارہ ڈھونے' صفائی کرنے یا نجبا سے خوراک چرانے میں ملک وہاب کا مقابلہ کرتی اور اپنے خاوند کے ساتھ اس حال میں واپس آتی کہ بچے کا منہ خدیجہ کی چکنی اُنگلیوں سے کھلائی گئی خوراک سے ٹھنسا ہوا ہوتا۔ وہ دونوں (میاں بیوی) سارا وقت راستے میں خوشی سے ایک دوسرے کو چہلیں کرتے ہوئے گھر واپس آتے۔

جس طرح اناج کے خوشے سورج کی روشنی اور گرمی سے پرورش پاتے ہوئے پک جاتے ہیں۔ اسی طرح احمد خلیل بھی آہستہ آہستہ مسلسل پرورش پاتے ہوئے کافی صحت مند ہوتا گیا۔ جونہی سورج غروب ہونا شروع ہوتا گاؤں کے لوگوں کا کھیتوں سے گھروں کو واپس آنے کا سلسلہ جاری ہو جاتا۔ خدیجہ گھر کے بیرونی دروازے کے پیچھے کھڑے ہو کر ننھے احمد خلیل کو باہر بلاتی تو وہ بازو پھیلائے ہوئے اپنی پوری رفتار کے ساتھ باہر گلی کی طرف بھاگتا...... خوشی سے مغلوب ہو کر وہ کافی دیر تک اپنے بچے کو سینے سے چمٹائے رکھتی' اور اُسے پیار کرتے ہوئے سہلاتی' چومتی...... کہ وہ اس کا لختِ جگر تھا......! اس سے پہلے اُس کے ہاں جو اولاد ہوئی تھی وہ سب چھ کے چھ ہی فوت ہو چکے تھے...... اکیلا یہی ایک باقی بچ گیا تھا' جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے پاس رہ گیا تھا......

اپنی خوشی کے اظہار کے لئے وہ اپنے بڑے بھائی یوسف ملک کو اس بات کے لئے قائل کر لیتی کہ وہ ایک ضیافت کا اہتمام کرے۔ وہ اس تقریب کے لئے اللہ تعالیٰ کے نام پر دس بھیڑیں ذبح کرتا...... اور اس کے بعد بڑے دروازے کے باہر چولہوں پر گوشت

Marfat.com

اور چاولوں کے چڑھائے ہوئے بڑے بڑے دیگچوں میں خدیجہ دو دن تک کفگیر چلاتی رہتی...... "دعوت کا کھانا تیار ہے" کے الفاظ فوری طور پر سارے نواحی علاقے میں پھیل جاتے۔ ایسے تمام چھوٹے بچوں کو بلایا جاتا جس کے والدین کو غاصب یہودی نو آبادکاروں نے زرعی زمین سے محروم کرتے ہوئے مُفلس و قلاش کر کے رکھ دیا تھا۔ گردونواح کے دیہات اور بدّوؤں کے ڈیروں سے بیسیوں فاقہ کش بچے آتے۔ اس یخ بستہ سردی میں بھی ان میں سے اکثر تقریباً کپڑوں کے بغیر ہی ہوتے۔ تعداد میں ایک سو سے زائد یہ بچے زمین پر ہی صفیں باندھ کر بیٹھ جاتے اور بڑی بے صبری سے اُس کھانے کا انتظار کرتے جو اُن میں تقسیم ہونے والا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حریف قبائل کے بڑے بڑے لڑکوں کی آپس میں لڑائی شروع ہو جاتی اور پھر یہ محض ملک یوسف کی شخصیت تھی جو اپنے رعب اور دبدبہ کی بنا پر مداخلت کر کے انہیں چھڑاتا...... اور ان لڑنے والوں میں سے ہر ایک کو اس کے حصّے سے بہت زیادہ گوشت اور چاول دیتا۔ بچوں کے اس مجمع میں ایک بہت ہی دل کش اور عجیب منظر دیکھنے میں آتا کہ نجبا کی یہودی نو آبادی سے آیا ہوا ایک سات سالہ بچہ اپنی فراخ نیلی آنکھوں سے اس سارے کھیل کو بہت معصومانہ انداز میں جھجکتے ہوئے الگ تھلگ بیٹھا دیکھتا رہتا...... یوسف ملک بڑے پیار سے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اُٹھاتا اور اُسے احمد خلیل اور ایک دُبلی پتلی بدّو لڑکی کے درمیان غبار آلود زمین پر بیٹھنے کا اشارہ کرتا۔ جہاں وہ دونوں اپنی مٹھیوں سے گوشت اور چاول منہ میں ٹھونسنے میں اس طرح مصروف ہوتے کہ وہ سب سے علیحدہ ہی نظر آتے۔ یوسف ملک اُسے ایک بہت بڑی ہڈی دے دیتا۔ سنہرے بالوں والا لڑکا اس ہڈی کو چبانے کی کوشش کرتا لیکن یہ ہڈی اتنی بڑی ہوتی کہ وہ اکیلا اسے نہ کھا سکتا...... تینوں بچے ہی اس موٹی ہڈی کو بڑے شوق اور عجلت سے کھانے میں یوں مگن ہوتے کہ چربی کی چکنائی ان پر ٹپکتی...... دوسری طرف تھوڑے فاصلے پر فاقہ زدہ کتے' بلیاں اور پرندے فالتو ہڈیوں اور لقموں کی توقع میں انتظار کرتے۔ وہ مایوس نہ ہوتے کیوں کہ سب کے لئے ہی وہاں بہت کچھ ہوتا۔ ایک جنگلی گیدڑ قریب آنے کی جرأت کرنے سے پہلے ذرا فاصلے پر غراتا...... خدیجہ چلا اٹھتی اور خوف کے مارے بڑی لجاجت سے اپنے بھائی سے کہتی کہ وہ اس گیدڑ کو دُور بھگائے...... لیکن یوسف ملک بڑے سکون سے جواب دیتا "یہ بھی ہمارے مہمانوں میں سے ایک ہے۔ ہم اسے بھوکا نہیں دیکھ سکتے" اور آخری ہڈی کو پکڑتا جس سے چربی اور گوشت کے

Marfat.com

چیتھڑے ٹیک رہے ہوتے۔ وہ اسے پورے زور سے کہ جہاں تک اس کی رسائی ہوتی اس گیدڑ کی طرف پھینکتا اور جانور اسے اپنے منہ میں دبائے ہوئے بنجر پہاڑیوں کی دوسری جانب غائب ہو جاتا۔

احمد خلیل ہربڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ شکم پُری سے حاصل ہونے والے اطمینان کے ساتھ' اپنے ماموں کی اُونی چادر اوڑھ کر وہ زمین پر ہی سو گیا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہ اکیلا تھا؟ اب اندھیرا ہونے کو تھا' ہر طرف مکمل خاموشی تھی سب بچے گھروں کو جا چکے تھے۔

تم ابھی تک یہیں ہو؟...... اُس کے ماموں نے ڈانٹتے ہوئے کہا ''تمہاری امی پریشان ہو رہی ہو گی......!'' مزید کچھ کہے بغیر یوسف ملک نے اپنے ہاتھوں سے اچھی طرح بچے کے جسم سے گردوغبار جھاڑا اور اُسے گود میں اُٹھا کر جھونپڑی میں لے گیا۔

اُس کی امی ابا تنکوں کی چٹائی پر لیٹے ہوئے سونے کی تیاری کر رہے تھے کہ اُس کا ماموں اُسے اُٹھائے ہوئے وہاں لایا۔ خدیجہ نے تھکے اور سوتے ہوئے بازوؤں سے احمد خلیل کو اُٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ صحرا میں رات کو چلنے والی ہوا شدید ترین سرد تھی۔ لیکن ننھے احمد خلیل کو اس کی امی اور ابا نے اپنے درمیان اس طرح حفاظت سے بھینچا ہوا تھا کہ بکری کے بالوں سے بنے ہوئے اپنی نانی اماں سے ورثہ میں ملے ہوئے بھاری کالے کمبل کے نیچے وہ بالکل گرم اور محفوظ تھا۔

جب احمد خلیل ذرا بھاگنے دوڑنے کے قابل ہوا تو وہ اپنا زیادہ تر وقت اپنے ماموں زاد بھائی عبدالعزیز اور اس کی چھوٹی بہن اسماء کے ساتھ کھیلنے میں گزارتا۔ جونہی صبح کے وقت اُن کی آنکھ کھلتی تو وہ تنگ سیڑھیوں پر بھاگتے ہوئے چھت پر پہنچ جاتے۔ چونکہ ایک ایک کمرے پر مشتمل جھونپڑیوں کی چھتیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔ وہ خوشی سے چلاتے ہوئے ایک چھت سے دوسری چھت پر کود جاتے' حتیٰ کہ ہمسائے ان کے شوروغل سے تنگ آ کر ان کے والدین سے شکایت کر دیتے۔ عراق المنشیا گاؤں کے دوسرے بچوں کی طرح احمد خلیل' عبدالعزیز اور اسماء بھی اپنے قبیلے کے اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کے سامنے اطاعت شعار فرمانبردار اور مؤدب تھے۔ وہ کوئی شرارت کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ وہ گاؤں کے باقی لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر کوئی کام نہیں کر سکتے اور اگر انہوں نے کوئی شرارت کی تو نہ صرف باپ' دادا' چچوں' ماموؤں' بڑے بھائیوں' حتیٰ کہ بڑے چچا زاد' ماموں زاد بھائیوں سے ڈانٹ ڈپٹ بھی ہو

Marfat.com

گی اور مار بھی پڑے گی اور یہ سب ان اودھم مچانے والے بچوں کو تربیت دینے کے لئے ان کی تادیب کا مکمل اختیار رکھتے تھے......

رات کے وقت ملک وہاب اپنے چھوٹے بیٹے کو بازوؤں میں اٹھا کر قرآن پاک کی آیات کی گنگناتے ہوئے انداز میں تلاوت کرتا حتیٰ کہ وہ سو جاتا۔ ان سب باتوں کے علاوہ احمد خلیل کو تلاوت سننے سے بڑی رغبت تھی' اور جب اس کے والدین اسے قرآن کی تلاوت کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے سنتے تو ان کے لئے اس سے زیادہ بڑھ کر اور کوئی خوشی کی بات نہ ہوتی......! عراق المنشیا کے بڑے اور حتیٰ کہ بچے بھی قرآن پاک کے معنی و مفہوم کو صاف اور واضح انداز میں سمجھتے تھے' کیونکہ اس کے قبیلے کی زبان عرب کے بدؤوں کی طرح خالص تھی اور بحرۂ روم کے ساحل پر واقع شہروں کی بولیوں میں مل کر ان کی زبان ابھی بگڑی نہیں تھی' اور نہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر اب تک اس میں کوئی تبدیلی آئی تھی......!

اکثر اوقات ملک وہاب اپنے بیٹے احمد خلیل کو اُن ایام کی کہانیاں سناتا جب وہ ایک بہت بڑے ترکی جاگیردار مصطفیٰ آفندی کی عظیم الشان محل نما کوٹھی میں ایک ملازم کی حیثیت سے زندگی بسر کرتا تھا...... مصطفیٰ آفندی کے آباؤ اجداد کو سلطنت سے وفاداری کے صلے میں عثمانی سلطان نے ایک بہت بڑی جاگیر عطا کی تھی......!

لیکن ان سب باتوں سے قطع نظر اُس کا باپ اُسے شہری زندگی کے بارے میں آگاہ کرنے کا خواہاں رہتا۔ وہ غزہ کے بارے میں شاذونادر ہی بات کرتا' کیونکہ اس کی نظر میں یہ اتنا پسماندہ شہر تھا کہ اس میں ایک بدّو کے لئے بمشکل ہی کوئی ایک آدھ کاروباری اسامی سے زیادہ گنجائش تھی۔ اُس کی جنت تو قاہرہ کی گلیاں تھیں۔ جب وہ اپنے باپ کی زبانی سینکڑوں فٹ بلند و بالا دیوقامت عمارتوں نصف النہار سے بھی زیادہ چندھیا دینے والی برقی روشنیوں بجری سے تعمیر شدہ وسیع و عریض سڑکوں پر ہزاروں کی تعداد میں رواں دواں موٹر کاروں' بسوں' ٹرکوں' جدید ڈاکخانہ کی عمارت' فیکٹریوں' عمدہ ترین جدید ہسپتالوں سے ملحق سکولوں' ریلوے اسٹیشن میں آنے اور وہاں سے روانہ ہونے والی ریل گاڑیوں کے بارے میں سنتا تو حیرت کے مارے احمد خلیل کی آنکھیں کھلی رہ جاتیں۔ اور اس کے لئے سب سے بڑھ کر جگر تھام کر سننے والی بات جہازوں سے بھرے ہوئے ہوائی اڈے کا منظر تھا۔ جہاں دنیا کے تمام گوشوں سے ہوائی جہاز آ کر اُترتے۔ اُس کا باپ یہ

Marfat.com

تمام باتیں ایک الف لیلوی اور طویل انداز میں سنا کر اُسے مبہوت کر دیتا......

''کیا تم ایک ہوائی جہاز میں بلندیوں پر سب پرندوں سے زیادہ تیز پرواز کرنا چاہتے ہو......؟؟؟''

''آہا...... ہاں! ہاں......! بچہ خوشی سے تالیاں بجاتے ہوئے اور اُچھلتے کودتے ہوئے چلایا......!''میں تو آپ کے ساتھ اس اُڑنے والی مشین پر پرواز کرنا چاہتا ہوں...... آپ مجھے کب لے جا رہے ہیں؟ کیا ہم ابھی نہیں جا سکتے؟؟؟......!

ملک وہاب خوشی سے مسکرایا...... اس کا سیاہ چہرہ دمک اٹھا' ہنستے ہوئے سفید دانت چمکنے لگے...... ''انشاء اللہ! ہم تمہارے قیاس اور اندازے سے پہلے ہی جائیں گے! تم اپنی باقیماندہ زندگی یہاں نہیں بسر کرو گے'' یہ بات اُس نے اتنی آہستگی اور ایک ڈوبتی ہوئی اندوہناک آواز میں یوں کہی کہ گویا وہ اپنے بیٹے کے بجائے خود سے ہی ہمکلام ہو......!! ''سچی بات یہ ہے کہ عراق المنشیا فلسطین میں سب سے زیادہ مفلس ترین' مصیبت زدہ' پسماندہ اور فرسودہ ترین گاؤں ہے! ہاں میرے بیٹے! میں تو ہر نماز میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ تم ایک جدید سکول میں تعلیم حاصل کرو اور شاید خوش قسمتی سے تمہیں قاہرہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد فارغ التحصیل ہونے کا موقع مل جائے' تا کہ تم اس مفلسانہ محدود اور بے کیف زندگی سے نجات پاتے ہوئے ایک استاذ' سماجی کارکن' ایک وکیل یا ایک ڈاکٹر بن جاؤ اور تمہیں دوبارہ کبھی اپنے ہاتھوں سے کسان کی طرح سب سے گھٹیا محنت کرنے پر مجبور نہ ہونا پڑے'' یہ باتیں پانچ سالہ احمد خلیل کے فہم سے بہت دُور تھیں لیکن اُسے اپنے باپ کی آواز کے گھمبیر پن کے وفور نے بہت تسکین دی...... اُسے نیند آ رہی تھی اور وہ سمٹ سمٹا کر چٹائی پر ہی سو گیا......!

فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ میں قاہرہ شہر میں' میں سیّد رشید رضا اور عظیم مصلح شیخ محمد عبدہٗ کے تمام تلامذہ سے ملا تھا......! ان ملاقاتوں نے میری زندگی اور سوچ کا رخ بدل دیا۔ انہوں نے مجھے اس بات پر قائل کر لیا کہ ہم عظمتِ رفتہ دوبارہ اسی صورت میں حاصل کر سکتے ہیں کہ ہم یورپ کے علم و دانش سے استفادہ کریں...... اور اس امر کو سمجھ جائیں کہ یہ چیز ہمارے ایمان وعقیدہ سے متصادم نہیں بلکہ اس کے لئے عین ناگزیر ہے......!''

احمد خلیل اس وقت چونکتے ہوئے بیدار ہو گیا۔ جب اس کے باپ کی آواز اتنی

Marfat.com

اونچی ہو گئی کہ ہمسائے بھی اسے سن سکتے تھے۔ لیکن احمد خلیل کی نظریں اپنے باپ پر نہیں بلکہ اپنی ماں پر تھیں...... وہ کمرے کے دوسرے کونے میں اکڑوں بیٹھی دستی چکی پر اناج پیس رہی تھی۔ پسینے کے قطرے اُس کی پیشانی سے پھوٹ رہے تھے۔ اُس نے اپنی لمبی آستینیں تہہ کرتے ہوئے چڑھا رکھی تھیں جس سے اس کے بازوؤں کی باریک رگیں اور پٹھے نمایاں نظر آ رہے تھے۔ اور سخت مشقت کے کام سے یہ مردوں کی رگوں کی طرح مضبوط دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ اپنے خاوند کو بیزار چہرے اور معاندانہ شک کے ساتھ گھور رہی تھی یوں لگتا تھا کہ جیسے اس وقت وہ اسے اپنا دشمن سمجھ رہی ہو......!

لیکن ملک وہاب پر اس کی نگاہوں کا کچھ اثر نہ ہوا۔ احمد خلیل نے دیکھا کہ اس کے باپ نے کمرے کو عبور کرتے ہوئے ایک مقفل ٹرنک کو ایک بہت بڑی چابی سے کھولا۔ اس میں سے مغربی ممالک کے بنے ہوئے اپنے ملبوسات کو باہر نکالا اور بڑی حقارت سے اپنے کافیہ' عباؤں اور چوغے کو اپنے پاؤں میں پھینکا اور ایک ایک کر کے اس عجیب وغریب لباس کو پہننا شروع کیا...... سب سے پہلے زیر جامہ' پھر قمیض' پھر نکٹائی' پھر کوٹ اور پتلون اور سب سے آخر میں اپنے پاؤں میں جرابیں اور بوٹ پہنے......! وہ اپنا انگریزی ہیٹ ابھی پہننے کو تھا کہ خدیجہ نے آگے بڑھ کر جھپٹا مار کر اُس کا ہیٹ نیچے گرا دیا...... خدیجہ کی سیاہ آنکھیں غصے میں شعلہ بار ہو رہی تھیں۔ زمین پر گرے ہوئے ہیٹ کو اس نے اپنے سخت کھردرے اور گرد آلود پاؤں تلے روند دیا۔

ملک وہاب نے غُصّہ میں اُسے پرے دھکا دیا۔ اس نے ہیٹ کو اپنے سر پر رکھا اور اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہوا۔ ''میں محض تمہیں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ایک مہذب آدمی کا لباس کیسا ہوتا ہے؟ یہاں آنے سے پہلے میں ہمیشہ یہی لباس پہنا کرتا تھا اور جب ترقی یافتہ ہونے کے بعد اس گاؤں کی کایا پلٹ جائے گی تو تم بھی یہی لباس پہنا کرو گے...... کیا تمہیں یہ لباس پسند آیا؟''

بچے نے چلانا شروع کر دیا...... ''میں آپ سے اس بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ یہ تو بہت بھدا اور فضول ہے'' یہ کہتے ہوئے وہ ایک نامعلوم آفت سے بچنے کے لئے دوڑ کر اپنی ماں سے لپٹ گیا۔

''اس لباس کو ابھی اتار دو!'' خدیجہ نے فولاد جیسی سخت آواز میں گویا حکم دیا۔

''نہیں! کبھی نہیں''!

Marfat.com

''میں تمہیں کہتی ہوں کہ اس لباس کو فوراً اُتار کر باہر پھینک دو اور میرے سامنے اس لباس میں دوبارہ کبھی نہ آنا!''

اس کی کی سیاہ آنکھیں غصے میں آگ برسا رہی تھیں۔ اس کی تیکھی ناک اور رخساروں کی مضبوط ہڈیاں' درشتی کے مارے پتلے چہرے سے گویا باہر کو نکل رہی تھیں۔ احمد خلیل کے لئے ماں کا یہ روپ بالکل اجنبی تھا اور اس کی پہچان سے باہر......! اس نے تو ہمیشہ اپنی ماں کو مہربان' عاجز اور تسلیم و رضا کی پیکر ہی دیکھا تھا......!

اس کے باپ نے اپنی جگہ سے ہلنے سے انکار کر دیا!

خدیجہ نے لپک کر بھری ہوئی رائفل اُٹھائی اور اس کا رُخ ملک وہاب کی جانب کر دیا۔

وہ خوف کے مارے پیچھے دبک گیا۔ ''نہ! نہ!'' اس نے چیختے ہوئے کہا ''تم تو بالکل پاگل ہوگئی ہو''!

''کیا تم ہم میں سے ہو یا کفار کی قوم کے ایک فرد ہو؟ ان کپڑوں کو اتار دو ورنہ میں پورے قبیلے کے سامنے اعلان کر دوں گی کہ تم کافر ہو......! غدار ہو! اور انگریزوں کے جاسوس ہو! میں اپنے باپ کو بتاؤں گی اور وہ قبیلے کا سردار ہونے کی حیثیت سے تم سے خود ہی نپٹ لے گا......!''

ملک وہاب کے مضبوط کندھے احساس شکست سے جھک گئے۔ خدیجہ اس کے سر پر ایک خاموش چٹان کی طرح کھڑی تھی...... رائفل کو اب بھی اس نے مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں پکڑ رکھا تھا......! حتیٰ کہ ملک وہاب کو غیر ملکی لباس اتار کر دوبارہ عبا، چغہ پہننا ہی پڑا جسے خدیجہ نے زمین سے اُٹھا کر اُسے تھما دیا تھا۔ اُس نے نفرت زدہ ہیٹ کی جگہ کافیہ دوبارہ سر پر پہن لیا اور خاموشی سے ہر چیز اُسی ٹین کے پُراسرار صندوق میں مقفل کر دی۔

☆......☆......☆

Marfat.com

تیسرا باب

شیخ اسحٰق بن ابراہیم

مفتی اعظم یروشلم الحاج امین الحسینی کی قیادت میں جب عربوں نے بغاوت کی تو نجبا کے یہودی آبادکاروں اور عراق المنشیا کے دیہاتیوں کے درمیان کشیدگی اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گئی۔ ان دِنوں اس کے نانا شیخ اسحٰق بن ابراہیم اس کی زندگی کی اہم ترین شخصیت بن گئے...... اور حقیقت تو یہ ہے کہ اب احمد خلیل اپنے ماں باپ کے بجائے زیادہ تر وقت اپنے نانا کے ساتھ گزارتا......!

شیخ اسحٰق بن ابراہیم گاؤں کے سردار تھے اور قبیلے کے تمام معاملات کے اختیارات ان کے ہاتھ میں تھے۔ اگرچہ دیگر دیہاتیوں کی مانند ان کی معاشی حیثیت ایک مزارع سے زیادہ نہیں تھی لیکن دوسرے کسانوں کی نظر میں ان کا مقام ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح تھا اور گاؤں میں بھی ہر کوئی بغیر کسی استثنیٰ کے یہی سمجھتا کہ وہ حکومت کے لئے پیدا ہوا ہے' اور دیگر لوگ اس کی فرمانبرداری کے لئے دنیا میں آئے ہیں۔ جب قبیلے کا بوڑھا شیخ فوت ہوا تو اس نے قبیلے کی قیادت سنبھالی...... اور یہ اعزاز اسے کسی موروثی حق کی بناء پر نہیں بلکہ محض اپنی بھرپور شخصیت کے بل بوتے پر حاصل ہوا تھا۔ یہ منصب سنبھالنے کے تھوڑے عرصے کے بعد ہی بدوؤں کے دنیاوی معاملات نپٹانے کے سلسلے میں اس کی ملاقات عرب کے علاقہ کے کچھ وہابیوں سے ہوئی جنہوں نے بادشاہ ابنِ سعود کے ساتھ مل کر اس کی حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے جنگ میں حصہ لیا تھا...... اور وہابیوں کی اس ملاقات نے جلدی ہی اُسے ایک برائے نام اور رسمی مسلمان کے بجائے ایک انقلابی مسلمان میں ڈھال دیا۔ پہلے اس کا کام محض عادات کے طور پر چند مذہبی رسُومات ادا کرنا

Marfat.com

اور کچھ رسم و رواج اور روایات کو نبھانا رہ گیا تھا۔ اب اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ بھی اپنے گاؤں میں تحریک احیائے دین کی مہم چلائے گا۔ پہلے پہل اُس کی قیادت میں وہ کسان بڑے پرجوش اور سرگرم انداز میں جمع ہوئے جو اتنے جاہل تھے کہ غلطیوں کے بغیر اپنی نماز بھی ادا نہیں کر سکتے تھے......! اس نے بچوں اور بالغوں دونوں کے لئے اپنے گاؤں میں سکول قائم کرنے کی کوشش بھی کی...... لیکن وہ یہ دیکھ کر دہشت زدہ رہ گیا کہ اُسے ان سکولوں کے لئے غزہ اور دوسرے شہروں میں جو اساتذہ بھی ملے وہ کافرانہ قوم پرستی کے خیالات سے ازحد متاثر تھے' اور ان استادوں کے دل میں اسلام اور اس کی روایات کے خلاف نفرت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ فلاحین (کسانوں) کو یوں حقیر سمجھتے کہ جیسے وہ ان کی طرح انسان ہی نہ ہوں۔ اور ان استادوں نے بھاری بھر معاوضوں اور گراں قدر انعامات اور عطیات کی قطعی اور واضح یقین دہانی کے بغیر گاؤں کی تنہائی زدہ' بے رونق اور مشکلات بھری زندگی کو برداشت کرنے سے انکار کر دیا...... لیکن مسجد میں اپنی پرزور تبلیغ کے ذریعے شیخ گاؤں کے لوگوں کو بہت سے توہمات سے نجات دلانے میں کامیاب ہو گیا۔ جس سے قبر پرستی' ڈھول تاشے' گانے بجانے' ناچ' تمباکو نوشی اور مرنے والے کی لاش پر اُونچی اُونچی آوازوں میں بین کرنے کا خاتمہ ہو گیا۔ شیخ اسحٰق بن ابراہیم نے لوگوں کو سختی سے حنبلی فقہ پر عمل کرنے کے لئے پابند کیا اور اُن میں نماز روزے کی سختی سے پابندی کرنے کی ایک نئی روح پھونک دی۔ لیکن دنیاوی تعلیم کے اعتبار سے وہ پہلے کی طرح ان پڑھ ہی رہے۔

اب اُس کی عمر ستر سال ہو چلی تھی لیکن اتنی بڑی عمر ہونے کے باوجود وہ اب بھی فخر سے کمر تان کر چلتا...... ایک بھاری اور بُھورے رنگ کا چوغہ جس پر کئی جگہ پیوند لگے ہوئے تھے اور کہیں سے پھٹا ہوا تھا۔ اس کے پتلے کندھوں پر لٹکا نظر آتا۔ اور پھر اس کے اوپر ایک پیوندوں بھری عبا ہوتی۔ اُس کا سر ایک کافیہ میں لپٹا ہوا ہوتا جو اُس کی بھورے رنگ کی داڑھی اور عقابی ناک کے دونوں کے اس طرح آر پار ہوتا کہ اس میں سے صرف اس کی تیز اور دل یں اتر جانے والی آنکھیں ہی نظر آتیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی وجاہت عطا فرمائی تھی کہ اس کے کسی ملاقاتی کا دھیان کبھی اس کے پیوندوں اور ننگے پاؤں کی طرف نہیں جاتا تھا۔ اگرچہ وہ بہت دبلا اور اس کا قد اوسط معیار کی بلندی سے بہت پست تھا۔ لیکن اس کا وجود کمزوری کے باوجود دیکھنے والوں کو اس طرح مغالطے

Marfat.com

میں ڈال دیتا کہ وہ بارعب اور پروقار شخصیت نظر آتا...... اس کی سخت جفاکشانہ اور مشقت طلب سرگرمیاں ایک نوجوان آدمی کو بھی تھکا دینے والی تھیں۔

خدیجہ نے اپنے خاوند سے ہونے والی لڑائی کے بارے میں اپنے باپ کو کچھ نہیں بتایا تھا اور نہ ہی اس نے اس دھمکی کا ذکر کیا تھا جو اس نے اپنے خاوند کو اعلانیہ طور پر دی تھی۔ کیونکہ ملک وہاب گاؤں کا واحد آدمی تھا جو کہ تعلیم یافتہ ہونے کے سبب پڑھنے لکھنے میں مہارت رکھتا تھا اور جلد ہی شیخ کے سیکرٹری اور ترجمان کے فرائض انجام دینے کے لئے اس کا مددگار بننا ناگزیر تھا۔

احمد خلیل اپنے نانا کو دیکھتا کہ وہ لکڑی کے کندہ کاری کے کام والے اپنے صندوق میں سے کاغذ' لفافے' ڈاک کی ٹکٹیں' سرکنڈے کی بنی ہوئی قلم اور ہندوستان کی بنی ہوئی عمدہ سیاہ روشنائی کی دوات نکالتا۔

وہ ملک وہاب کو اپنے پاؤں میں بیٹھنے کا حکم دیتا۔ جبکہ وہ خود ہاتھ کمر کے پیچھے باندھے، کمرے میں اِدھر اُدھر چہل قدمی کرتے ہوئے۔ شاہ ابن سعود کو ریاض میں، حسن البنا کو قاہرہ میں اور الحاج امین الحسینی کو یروشلم میں ارسال کرنے کے لئے اس مضمون کے خطوط کی اِملا کرواتا۔ جن میں اس بات پر زور دیا گیا ہوتا کہ اس سے پہلے کہ مصطفیٰ آفندی کی نوع کے جاگیردار عراق المنشیا کی باقیماندہ زمینیں بھی کہیں یہودی جاگیرداروں کے ہاتھ بیچ ڈالیں۔ وہ ان خطوط کے ذریعے مذکورہ معروف شخصیات سے مدد کی درخواست کرتا۔ حالانکہ اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ جب ملک وہاب ان خطوط کو حوالہ ڈاک کر دیتا تو شیخ ان کے جوابات کا بے چینی سے انتظار کرتا۔ شاہ ابن سعود نے تو ان خطوط کا جواب تک دینا بھی گوارا نہ کیا۔ لیکن شمال کی طرف سے امین الحسینی کی بے قاعدہ فوج (ملیشیا) کے دستے اور جنوب کی طرف سے اخوان المسلمون کے کارکن رضاکار مجاہدین گروہ در گروہ گاؤں میں آنے شروع ہو گئے۔ جنہیں اس نے کسی نہ کسی طرح گاؤں میں خوراک اور پناہ مہیا کی۔ جہاد کے جوش وخروش اور حوصلہ وعزم کی بلندی کا اب یہ عالم ہو گیا کہ اردگرد کے دیہات کے انتہائی مظلوم اور دبے ہوئے کسانوں نے بھی اب شیخ کی رہنمائی میں اس جہاد میں حصہ لینے کا پرجوش مطالبہ کر دیا۔

ایک خوفناک لڑائی کے بعد صیہونیوں کی بے قاعدہ فوج (ملیشیا) ہاجانہ کے بیس (۲۰) نوجوان بھاگنے کی ناکام کوشش کے بعد گاؤں میں گرفتار کر لئے گئے۔ انہوں نے

Marfat.com

اپنے ہتھیار پھینک دیئے اور خود ہی جنگی قیدی بننے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ یوسف ملک انہیں قتل کرنا چاہتا تھا جبکہ شیخ کا یہ فیصلہ تھا کہ ان کی جاں بخشی کر دی جائے۔ ان قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑ کر گاؤں کے ایک الگ تھلگ کونے میں اخوان المسلمون کے کڑے پہرے میں رکھا گیا۔ اس کا مقصد نہ صرف یہ تھا کہ ان کو بھاگنے نہ دیا جائے بلکہ انہیں غضبناک دیہاتیوں کے حملے سے بھی بچایا جا سکے...... اس کے بعد ایک اور خوفناک جنگ لڑی گئی اور اب نجبا کے یہودی آبادکاروں نے صلح اور امن کی درخواست کا پیغام بھیجا۔ شیخ اسحٰق بن ابراہیم التوائے جنگ کے معاہدہ پر رضامند ہو گئے۔ فریقین نے اپنے اپنے قیدیوں' زخمیوں اور مرنے والوں کا تبادلہ کر لیا۔

شیخ اسحٰق بن ابراہیم نے لاشوں میں سے ایک یہودی لڑکی کی لاش دیکھی۔ جس کے کپڑے پھاڑ دیئے گئے تھے۔ آنکھیں نکال دی گئی تھیں اور ناک اور کان کاٹ کر لاش کا مثلہ کر دیا گیا تھا۔ شیخ نے فوراً سختی سے اس لاش کے بارے میں تفتیش اور پوچھ گچھ کا آغاز کر دیا۔ سورج غروب ہونے کو تھا کہ مجرم کو گھسیٹتے ہوئے گاؤں کے چوراہے میں لایا گیا۔ اسے گھٹنوں کے بل کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا اور پھر شیخ نے اپنی تلوار بلند کی اور ایک ہی وار میں اس کا سر قلم کر دیا۔ چھ سالہ احمد خلیل بھی ہجوم کے درمیان کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے خون کو ہوا میں اچھلتے اور لاش کو دھڑام سے زمین پر گرتے ہوئے دیکھا تو دہشت سے اس کی چیخ نکل گئی۔ شیخ نے لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی سپاٹ اور گونج دار آواز میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

''ہم کافر قوم پرستوں کی طرح نہیں ہیں جو اپنے ہر ظالمانہ فعل کو سراہتے ہوئے انجام بد تک پہنچ جاتے ہیں۔ ہم تو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں پر عورتوں اور بچوں کا قتل کرنا منع کیا ہے۔ جہاد کا قانون ہمیں گرے ہوئے دشمن کی لاشوں کا مثلہ کرنے سے روکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خودغرضی اور ذاتی مفادات کے لئے جنگ کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ شریعت کا قانون عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے بھی اسی طرح مکمل عدل و انصاف مہیا کرتا ہے جس طرح کہ مسلمانوں کے لئے......

شیخ اسحٰق بن ابراہیم غزہ کے گرد و نواح کے قبائل اور دیہات کو متحد کر کے مسلمانوں کی طاقت کو مجتمع کرنے کی کوشش میں تھے تا کہ اس علاقے میں نئی بننے والی یہودی نوآبادیوں پر ایک ہمہ جہتی حملہ کیا جا سکے۔ ان کا منصوبہ انہیں باقاعدہ ایک پروگرام

Marfat.com

کے تحت علیحدہ کرتے ہوئے دوسرے علاقوں سے الگ تھلگ کرنے کا تھا۔ اس نوآبادی کو پانی کی بہم رسانی کا راستہ کاٹ کر انہیں اس طرح محاصرہ میں لیا جائے کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس طرح مسلمانوں کا مزید کوئی قطعہ زمین یہودیوں کے قبضے میں نہ جانے دیا جائے۔ لیکن وہ یہودی آبادکار جو مسلمانوں کے غلبے کو تسلیم کرتے ہوئے جزیہ ادا کرنے کا معاہدہ کر چکے ہیں انہیں یہاں آباد ہونے کے حقوق دے دیئے جائیں۔ اور اگر وہ اطاعت تسلیم کرنے کے بعد بھی بغاوت کریں تو ان کے مردوں کو قتل کرنے کے بعد عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے اور بچوں کو قبیلے میں اس طرح پرورش کیا جائے کہ وہ مسلمان بن کر پروان چڑھیں اور زمانہ جنگ میں ان کے دوش بدوش قبیلے کے لوگوں کی بقاء کے لئے لڑیں...... وہ اس امر سے بھی پوری طرح آگاہ تھا کہ سرکاری حکام اس کے عزائم کی مزاحمت کے لئے تمام اختیارات استعمال کریں گے۔ اور کبھی کبھی وہ خود کلامی کے انداز میں کہتا ''مجھے اپنی قسمت پر کوئی اختیار نہیں۔ میں تو صرف اپنی کوشش ہی کر سکتا ہوں۔ میری تمام مساعی کے نتائج کامیابی یا ناکامی دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوں گے''۔ لیکن گرد و نواح کے فلاحین (کسان' مزارعین) اور قبائلی اس پر بے پناہ اعتماد کرتے تھے اور اس کے زیر کمان جانفشانی سے لڑنے کے بہت آرزومند تھے۔ یہودی آبادکاروں کو اپنے علاقے سے نکال باہر کرنے کی روز افزوں اُمید نے اُسے ایک ایسے اعتماد سے آشنا کر دیا جس کا تجربہ اس سے پہلے اس پر کبھی نہیں ہوا تھا۔ اپنے بیٹے یوسف ملک کے علاوہ اس کا چھ سالہ نواسہ احمد خلیل اور آٹھ سالہ پوتا عبدالعزیز جنہیں وہ لعل جواہرات اور ہیروں کی طرح عزیز رکھتا تھا' ہمیشہ اُس کے ساتھ رہتے۔ سخت تربیت۔ اپنے اوپر گزرنے والی سخت مصیبتوں' معمولی شرارت اور اپنے بزرگوں کی تھوڑی سی نافرمانی پر ملنے والی جھڑکیوں اور مار کے باوجود وہ اتنے پیارے' بھولے بھالے اور ہشاش بشاش لگتے کہ شیخ جب کبھی ان کی پیار بھری معصوم سیاہ آنکھیں دیکھتا تو اس کے لئے ان کے بغیر ایک لحہ گزارنا بھی محال ہو جاتا بلکہ اسے جہاں کہیں بھی جانا ہوتا تو وہ ان دونوں (احمد خلیل اور عبدالعزیز) کو ساتھ لے جاتا۔ جب ننھا احمد خلیل تھک جاتا تو شیخ اُسے اپنے کندھوں یا کمر پر اُٹھا لیتا جبکہ عبدالعزیز انگلی کے ساتھ لگا ہوا چلتا رہتا۔

وہ پیدل ہی گرد و نواح کے دیہات' کالے رنگ کی بکریوں کے بالوں سے بُنے ہوئے خیموں میں رہنے والے صحرائی بدّوؤں کے ڈیروں نجبا اور دوسری یہودی نوآبادیوں'

Marfat.com

ضلع ہجانہ کے صدر دفاتر...... حتیٰ کہ خوفناک صیہونی دہشت گردوں کی تنظیم ارگن کے خفیہ اڈوں تک پہنچ جاتا۔ انگریزوں اور یہودیوں سے بول چال کے لئے اس نے عبرانی اور انگریزی کے کچھ ٹوٹے پھوٹے جملے سیکھ لئے تھے۔ اس کا زیادہ تر وقت برطانوی اہلکاروں کے ساتھ مذاکرات میں گزرتا جو اسے بار بار دھمکیاں دیتے کہ اگر اُس نے امن کو درہم برہم کرنے اور انہیں پریشان کرنے کی موجودہ روش جاری رکھی تو اُسے گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا......

پہلے پہل جب ضلع غزہ کے برطانوی گورنر نے انہیں اپنی وسیع و عریض رہائش گاہ کے سامنے پایا تو وہ ان کے ننگے پاؤں گرد سے اٹے ہوئے پیوند لگے کپڑوں اور دو بچوں کو تقریباً بے لباسی کی حالت میں دیکھتے ہوئے غصہ کے مارے چلا اٹھا! یہاں بھکاریوں کا داخلہ منع ہے......!

''ہم بھکاری نہیں ہیں......!'' شیخ نے واضح کہا۔

آپ نے خود ہی مجھ سے ملنے کی خواہش کی تھی اور میں یہاں ایک باقاعدہ طے شدہ ملاقات کے لئے آیا ہوں۔''

جونہی گورنر کی نظر اس کے کمر بند میں پیوستہ اعلیٰ مرصع خنجر پر پڑی، اور اس کی نظر شیخ کی وجاہت بھری، پرشکوہ اور شاہانہ عربی وضع قطع دیکھی تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ مقامی باشندہ انتہائی اہم اور غیر معمولی شخصیت کا مالک ہے......!

''میں عراق المنشیا کا شیخ ہوں''

اب تو گورنر کا لب و لہجہ یکسر تبدیل ہو گیا۔ ''اوہو! معاف کیجئے گا، مجھ سے بھول ہو گئی۔ میں تو آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا......! آیئے! میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں تشریف لایئے'' اور اس نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ''یہاں تشریف رکھیے!''

احمد خلیل تو مبہوت ہو کر اردگرد دیکھتا رہا۔ کیونکہ اس سے پہلے اس نے کسی یورپی طرز کی رہائش گاہ کے اندرونی حصہ میں قدم نہیں رکھا تھا۔ وہ عبدالعزیز کے پہلو بہ پہلو صوفے کے ساتھ ٹیک لگا کر خاکستری رنگ کے قالین پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ اُس کے گھٹنے ٹھوڑی کی جانب اُٹھے ہوئے تھے اور اس کے ہاتھ دونوں ٹانگوں کے گرد حمائل تھے۔ اُس کے نانا کرسی پر بیٹھے ہوئے بہت بے آرام اور بے چین دکھائی دے رہے تھے......!

Marfat.com

ملک وہاب مترجم کی حیثیت سے شیخ کے پاؤں میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا کیونکہ وہ روانی سے انگریزی بول اور سمجھ سکتا تھا......!

گورنر نے ایک بڑی سلطنت کے سفر کے شایانِ شان حکومتی آداب (پروٹوکول) کے تحت مطلوبہ معیار کے مطابق شیخ کا خیر مقدم کیا......! اُس کے سامنے والی دیوار پر سرونسٹن چرچل کی ایک بہت بڑی فریم شدہ تصویری آویزاں تھی جس میں وہ منہ میں پائپ دبائے نظر آرہا تھا۔

کچھ دیگر برطانوی اہل کار بھی آئے اور گورنر کی طرف سے مذاکرات میں شامل ہو گئے۔ اور شیخ اسحٰق بن ابراہیم اُن سے انتہائی مہذب طریقہ سے اپنے نرم لہجہ اور آواز میں ساری سہ پہر اس امر پر بحث کرتا رہا کہ ان کے لئے عربوں کی رضا مندی کے بغیر مزید یہودیوں کو آبادکاری کے لئے لانے اور اُن کے پاس زمینیں فروخت کرنے سے روکنے کے لئے سرکار برطانیہ کی طرف سے سخت ممانعت کا اعلان کرنا انتہائی ضروری ہے...... اور یہ انگریزوں کے مفاد کے لئے بہت بہتر ہوگا کہ وہ میرے کام میں مداخلت نہ کریں۔ ان مذاکرات میں ملک وہاب نے بڑی ذمہ داری اور فرض شناسی سے مترجم کے فرائض انجام دیئے......!

لیکن احمد خلیل یہ گفتگو نہیں سن رہا تھا۔ وہ تو گورنر کی بیوی کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے اُس نے ایک انگریز عورت کو اتنے قریب سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس کے گھنگریالی میڈھیوں والے چھوٹے چھوٹے بالوں، قیمتی کپڑے کے بنے ہوئے اس کے نئے سوٹ، گھٹنوں تک چڑھائی ہوئی نائلون کی لمبی جرابوں (جس میں اس کی موٹی پنڈلیاں صاف نظر آرہی تھیں) اس کے اونچی ایڑھی والے جوتے کو دیکھتا رہا...... وہ اس کے بے ہنگم جسم، فراخ سینے۔ ڈھیلے ڈھالے چیچپے سفید اور لہسن کے رنگ جیسے چہرے کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا......

اتنے میں پیٹی دار کوٹ پہنے ہوئے ایک لمبی تُرکی ٹوپی والا نوکر ایک بڑی ٹرے میں مہمانوں کے لئے چائے وغیرہ لایا اور اس نے اسے صوفے کے سامنے پڑی ہوئی مہاگنی کی چمکدار میز پر رکھ دیا......

جب شیخ نے ہر قسم کی حرام شراب و مشروبات پینے سے انکار کر دیا تو اُسے کافی پیش کی گئی۔ لیکن اُس نے کافی کے چینی کپ کو خاموشی سے پھر ٹرے میں رکھ دیا اور صرف

Marfat.com

روٹی، پنیر اور کچھ کیک کھانے پر اکتفا کیا۔ اگرچہ اُس نے پچھلے دو دن سے کچھ نہ کھایا تھا لیکن اس نے اپنی قوت ارادی اور ضبط نفس سے ان چیزوں کو آہستہ آہستہ چباتے ہوئے انتہائی سلیقے اور نفاست سے تناول کیا۔

اب احمد خلیل کے لئے گوری عورت کی تزئین و آرائش میں کوئی دلچسپی نہ رہی اور اُس نے اپنی نگاہیں عورت کے چہرے سے ہٹا کر اس کی گود میں موجود کھانے کی پلیٹ پر جما دیں۔ وہ بڑی اُمیدوں سے انتظار کرتا رہا لیکن کسی نے اُسے کچھ بھی نہ دیا۔ وہ بڑی بے تابی سے انگریز عورت کے کھانا ختم کرنے کا منتظر تھا کہ شاید اُسے کچھ بچا کھچا ہی مل جائے۔ آخر کار میم نے ادھ کھائے کیک کے ٹکڑوں اور پیسٹری کے بھوروں سے بھری ہوئی چینی کی پلیٹ کو واپس میز پر رکھتے ہوئے نوکر کو آواز دی کہ وہ اس پس خوردہ کو کوڑے کرکٹ میں پھینک دے" اب تو احمد خلیل میں صبر کی مزید تاب نہ رہی۔ اس نے جھپٹا مار کر پلیٹ ٹرے میں سے اُٹھائی اور اس بچے کھچے مال کو انتہائی تیزی سے ندیدوں کی طرح نگلتے ہوئے بے تحاشہ کھا گیا۔

انگریز عورت کو اس حرکت پر اتنا غصہ آیا کہ اس کا چہرہ ہونٹوں پر لگی ہوئی سرخ لپ اسٹک کے ہم رنگ ہو کر لٹک گیا...... وہ اپنی برف جیسی سرد مہر نیلی اور زرد آنکھوں سے اُسے یوں گھورنے لگی کہ جیسے وہ کوئی حشرات الارض میں سے ہے جسے پاؤں کے نیچے کچل دینے کے لئے پیدا کیا گیا ہے......! بچہ اس صورتِ حال سے اتنا گھبرایا کہ وہ زور زور سے چلاتے ہوئے رونے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے اپنے حصے سے زیادہ ہی آپ کا قیمتی وقت لیا ہے" شیخ نے عذر پیش کرتے ہوئے کہا "اب میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں"

شیخ نے اپنے نواسے کو بازوؤں میں اُٹھا لیا۔ جو گھر جاتے ہوئے راستے میں سارا وقت روتا اور سسکیاں بھرتا رہا......!

"لیکن نانا ابا! یہ تو بتایئے کہ وہ اس خوفناک انداز میں مجھے کیوں گھور گھور کر دیکھ رہی تھی؟" بچے نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

"جب تمہیں اُن چیزوں کے کھانے کی دعوت نہیں دی گئی تھی تو تم نے وہ کیوں کھائیں......؟" ملک وہاب نے اسے سرزنش کرتے ہوئے کہا "وہ چیزیں تمہارے کھانے کے لئے نہیں تھیں۔ یہ تمہاری سزا ہے جو تمہارے برے رویّہ کی وجہ سے دی گئی!"

Marfat.com

ان مذاکرات کے کئی مہینے بعد ایک رات ایک اجنبی مہمان اُن کے دروازے پر آیا جو ان کی خصوصی توجہ کا مرکز بن گیا...... یہ پھٹے پرانے لباس میں ایک نوجوان تھا' جس نے شمالی علاقے سے ایک دور دراز گاؤں کے دہقان کی حیثیت سے اپنا تعارف کروایا......!

''جب میں نے ہر ایک سے آپ کے حوصلے اور شجاعت کی تعریف سُنی تو اُسی وقت میرے دل میں آپ کے زیرِ کمان دُشمن کے خلاف لڑنے کے لئے آرزو مچلنے لگی۔ میرا تعلق بھی اسی قبیلے سے ہے جس کے فرزند الحاج امین الحسینی ہیں۔ لیکن میرے پاس جنگ میں حصہ لینے کے لئے ہتھیار نہیں ہیں...... مجھے حکم دیجئے کہ ان حالات میں میں کون سی خدمت انجام دے سکتا ہوں''

''فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم ضرورت کی ہر چیز تمہیں مہیا کریں گے'' شیخ نے جواب دیا۔

''لیکن میں خالی ہاتھ نہیں آیا ہوں'' یہ کہتے ہوئے اُس نے آٹے کا ایک تھیلا باہر نکالا۔ ''یہ میری طرف سے آپ کی خدمت میں ہدیہ ہے قبول فرمایئے۔ اب میں اجازت چاہتا ہوں۔ انشاء اللہ میں صبح کو دوبارہ آؤں گا''

''نہیں نہیں! آپ ہمارے ساتھ ہی کھانا کھائیں اور یہیں رات بسر کریں''

شیخ نے خدیجہ کی طرف متوجہ ہو کر اُسے جلدی سے کھانا پکانے کا حکم دیا......

پھر وہ عجیب وغریب اجنبی نوجوان ننھے احمد خلیل اور عبدالعزیز کی طرف گیا۔ جو تقریباً لباس کے بغیر ہی فرش پر بیٹھے خاموشی سے خالی کارتوسوں کے ڈھیروں سے کھیل رہے تھے۔

''کیا یہ آپ کے لڑکے ہیں؟''

ایک میرا پوتا اور ایک نواسہ ہے'' شیخ نے بڑے فخر سے جواب دیا۔

اجنبی آدمی نے احمد خلیل کو اُٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا......!

احمد خلیل کے دبلے پن کے سبب اُبھری ہوئی ہڈیاں اُسے چُبھ رہی تھیں۔ بچے کا پیٹ پھولا ہوا تھا اور اُس نے دیکھا کہ اُس کے گندے جسم پر ہر جگہ پھوڑے پھنسیاں رِستے ہوئے نظر آرہے تھے۔

''اس بچے کو کھانا کھائے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟ سیدھی بات تو یہ ہے کہ آپ کی بیٹی نے جو مزیدار تازہ کھانا اب تیار کیا ہے وہ سب سے پہلے اس بچے کو دیا جائے''

''نہیں! جب تک پہلے میں کھانا نہ چکھ لوں' انتظار کرو'' شیخ کے منہ میں پانی بھر

Marfat.com

آیا۔ لعاب دہن کے بہت سے قطرے فرش پر ٹپک پڑے۔ جب احمد خلیل انتہائی شوق سے گوشت کے ایک بڑے ٹکڑے کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر کھا رہا تھا تو اجنبی نے دیکھا شیخ غش کھانے کو ہے......!

''یہ بازار میں سب سے عمدہ آٹا ہے جو میں آپ کے لئے خرید کر لایا ہوں......

درد کی شدت سے شیخ لوٹ پوٹ ہو گیا اور اپنے پیٹ کو تھامتے ہوئے دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ ''یہ کھانا زہر آلود ہے'' اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

احمد خلیل دہشت زدہ ہو کر دیکھ رہا تھا۔ جب اُسے اپنی ماں کے چیخنے کی آواز آئی تو اُسے یوں معلوم ہوا کہ جیسے ہر چیز ایک کالے رنگ کے خوفناک موہوم چھلاوے میں تبدیل ہو گئی ہے......! یوسف ملک نے قاتل کو پکڑ لیا......! اور ملک وہاب خنجر ہاتھ میں لئے کمرے میں دوڑتا ہوا داخل ہوا۔ چند لمحوں بعد کمرہ شیخ کے ہمسایوں' رشتہ داروں' بیسیوں تندخو قبائلیوں' دوستوں اور مخالفوں سے بھر چکا تھا......

یوسف ملک تو قاتل کو موقع پر ہی جان سے مار دینا چاہتا تھا۔ لیکن ملک وہاب اسے زنجیروں میں جکڑتے ہوئے۔ اس کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر ایک بھاری پہرے کے زیر نگرانی غزہ کے پولیس اسٹیشن پر لے گیا۔

ابھی سارا خاندان اس سانحے سے بے حال اور دم بخود ہی تھا کہ شیخ کی وصیت کے مطابق اخوان المسلمون نے تجہیز و تکفین کا بندوبست کرنا شروع کر دیا۔ وصیت کے مطابق خواتین کو اُونچی آواز سے رونے اور بین کرنے' بال نوچنے' اپنے رخساروں پر طمانچے مارنے' پیٹنے اپنے کپڑے پھاڑنے یا سینہ کوبی سے منع کر دیا گیا تھا۔

احمد خلیل اپنی امی کا ہاتھ پکڑے اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا تھا کہ سینکڑوں قبائلیوں اور دیگر سوگواروں کا ماتمی جلوس خاموشی سے گلی میں سے گزرتا رہا۔ اخوان المسلمون جنازہ اپنے کندھوں پر اُٹھائے گاؤں کے قبرستان کی طرف جا رہے تھے...... ایک انتہائی سادہ قبر بنا دی گئی زمین کے اوپر محض تازہ مٹی کا ایک ڈھیر نظر آ رہا تھا......

بعد میں تفتیشی مراحل کے دوران خاندان کے علم میں یہ بات آئی کہ قاتل کی شناخت کر لی گئی ہے۔ وہ گاؤں کے مالک جاگیردار مصطفےٰ آفندی کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس سے قبضے میں لئے گئے کاغذات میں سے تل ابیب کی ایک یہودی ایجنسی کا واضح ٹائپ

Marfat.com

شدہ خط برآمد ہوا۔ جس میں اُسے پیشکش کی گئی تھی کہ اگر وہ صحرا کے اس ہوّے اور ''دہشت گرد'' اس شیخ کو ٹھکانے لگا دے تو اس کے صلہ میں اسے پانچ سو (۵۰۰) خالص برطانوی پونڈ کا انعام دیا جائے گا۔ طریقہ واردات قاتل کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

گرفتاری کے دس دن بعد غزہ کے برطانوی گورنر نے پولیس کو اس کی رہائی کا حکم دے دیا۔ قاتل حیفہ شہر کے شمالی علاقہ کی جانب بھاگ گیا اور گاؤں والوں کو پھر کبھی نظر نہیں آیا۔

☆......☆......☆

Marfat.com

چوتھا باب

ماضی کی سہانی یادیں

''امی جان! تو کیا ہم نے سارے یہودیوں کو ہلاک کر دیا تھا؟'' احمد خلیل نے حیرت زدہ کھلی آنکھوں سے سوال کیا۔

''ہاں میرے بیٹے!'' خدیجہ نے جواب دیا...... ''ہم نے انہیں بار بار یہاں سے نکالتے ہوئے ان کے بے شمار آدمیوں کو ہلاک کر دیا اور ان کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا...... لیکن پھر بھی گزشتہ پندرہ برس سے یہاں اپنی نوآبادیاں تعمیر کرنے سے باز نہیں آئے...... یہودیوں نے ہماری زمینیں چھینیں' ہمارے مویشیوں' فصلوں اور پانی پر قبضہ کرنے کے بعد ہمیں یہاں سے باہر نکالنے کی کوششیں کیں۔ لیکن میرے ابا جان اور شیروں جیسے بہادر میرے سات بڑے بھائیوں نے صحرا کے جفاکش اور مجاہد صفت قبائلیوں کو اپنی کمان میں متحد کرتے ہوئے ہر دفعہ یہودیوں کا تعاقب کرنے کے بعد انہیں مار بھگایا...... جب میں چھوٹی سی لڑکی تھی تو زندگی کتنی سہانی تھی...... میرے ابا جان گھر میں موجود رکابیوں' طشتوں اور دوسرے برتنوں کو بھنے ہوئے گوشت گھی میں پکائے ہوئے چاولوں' کھجوروں اور دُودھ سے لبالب رکھتے تاکہ مہمانوں کے مسلسل آتے ہوئے اُن گروہوں کی تواضع کر سکیں جو ہماری مہمان نوازی کا شہرہ سن کر آتے تھے۔ ہمارے گھر کے فرش پر ہماری امی جان کے اپنے ہاتھوں کے بنے ہوئے شفاف۔ چمکدار کمبلوں کے ڈھیر لگے رہتے۔ ہمارے پاس دیواروں کے ساتھ رکھے ہوئے ٹیک لگانے کے لئے تکیے سونے اور بچھانے کے لئے روئی سے بھرے ہوئے گدے اور سرد راتوں میں ہمیں گرم رکھنے کے لئے بھاری لحاف اور رضائیاں کثرت سے تھیں۔ میرے تمام بڑے بھائی گھر کو ہمیشہ

Marfat.com

صاف ستھرا رکھتے اور آئے دن گھر کی دیواروں پر سفیدی کرواتے رہتے۔ میری امی جان میرے ملبوسات کو رنگارنگ سوزن کاری اور کشیدہ کاری سے بھرپور کر دیتیں۔ میرے بھائیوں کے پاس پہننے کے لئے دھاری دار فیتوں والی اعلیٰ اور عمدہ عبائیں تھیں' اللہ تعالیٰ نے ہمیں صحت اور قوت سے مالا مال کر رکھا تھا۔ ہمارے قبیلے میں امراض اور بیماریوں کا نام و نشان تک نہ تھا اور ہمارے قبیلے کی آبادی اللہ کے فضل و کرم سے تیزی سے روزافزوں تھی...... لیکن اب تو ہم ہر سال گھٹتے گھٹتے بالکل ہی تھوڑے رہ گئے ہیں......''

اپنے ابا جان کی وفات کے نہ بھولنے والے صدمہ سے وہ ہر وقت نڈھال رہتی۔ صرف اپنے اس چھوٹے سے بیٹے کو پاس بٹھا کر اُسے کچھ تسکین حاصل ہوتی۔ جسے وہ طویل نشستوں میں وہ ساری باتیں سناتی رہتی جو اُسے اپنے ابا کے متعلق یاد تھیں۔ اُس زمانے کی باتیں جب وہ چھوٹی سی لڑکی تھی اور اُسے اپنی امی جان کتنی پرسکون مطمئن اور آسودہ حال نظر آتی تھیں...... احمد خلیل کو بھی یہ داستانیں سنتے ہوئے بہت تسکین محسوس ہوتی اور اُسے یوں لگتا کہ جیسے اُس کے نانا جان پھر زندہ ہو کر اُس کی آنکھوں کے سامنے چل پھر رہے ہیں......!

احمد خلیل کی امی نے اُسے اپنے ابا کے اُونٹوں سے لگاؤ کے بارے میں بتایا۔ جنہیں وہ انتہائی قیمتی متاع کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ اُس نے اپنی یادوں کو دہراتے ہوئے کہا کہ جب وہ چھوٹی سی لڑکی تو اُس کی سب سے بڑی خوشی اُنٹ کے کوہان کی سواری تھی اور اُسے یہ خوشی دلانے کے لئے اس کے ابا اُسے کئی بار اونٹ کے کوہان کی چوٹی پر بٹھاتے اور اُس سے وعدہ کرتے کہ وہ اپنی بیٹی کو اُونٹ کی سواری سکھا دیں گے......

''واہ! وہ بھی کیا منظر تھا''! اُس کی امی نے خوشی اور حیرت سے کہنا شروع کیا۔

''جب میرے ابّا جان اور میرے سارے بھائی صحرا کی وسعتوں میں اونٹوں پر سوار ہو کر انہیں تیز رفتاری سے بھگاتے' ان کی عبائیں' ان کے عقب میں ہوا سے پھرپھڑاتیں۔ اور اُن کے ہتھیار سورج کی روشنی میں چمکتے...... وہ ہر جفاکش صحرائی بدّو کی طرح ماہرانہ انداز میں سواری کرنا' نشانہ لگانا اور جنگ لڑنا جانتے تھے...... اُن کے رُعب اور دبدبے کا یہ عالم تھا کہ یہودی اور برطانوی آبادکار' انہیں ان کے اصلی ناموں کے بجائے ''صحرا کی دہشت'' کے نام سے یاد کرتے تھے''

''اور ایک بار تو میرے ابّا جان نے دُشمن سے ہر قسم کے ہتھیار چھین کر اپنے

Marfat.com

قبضہ میں لے لئے تھے......"

جب خدیجہ اپنے ماضی کے بارے میں سرگزشت بیان کرتی تو احمد خلیل اس سے اپنے تصور میں اندازہ لگاتا کہ اُس کی امی کے بچپن کا کتنا عرصہ فرش پر اکڑوں انداز میں بیٹھ کر اُن بندوقوں' پستولوں اور ریوالوروں کو صاف کرنے۔ تیل دینے اور انہیں پالش کرنے میں ہی گزرا ہو گا......! اپنے بھائیوں کی چوکس نگرانی میں وہ اپنے ابا جان کی تلواروں' خنجروں اور چاقوؤں کو تیز کرتی ہونگی......!

"اور جب میرے ابا جان کے پاس گولیاں ختم ہو جاتیں تو وہ اپنے نیزے اور زہر آلود تیروں سے دُشمن کا مقابلہ کرتے۔ کبھی وہ وقت تھا کہ جو ہتھیار ہم اپنے گھر میں بناتے' میں اُن کی تیاری میں اپنے بھائیوں کی مدد کرتی تھی اور اب یہ عالم ہے کہ میرے والد اور چھ بھائی یکے بعد دیگرے سب کے سب دُشمن کے ہاتھوں شہید ہو چکے ہیں......"

"ہمارا جاگیردار مصطفےٰ آفندی بہت مکار اور بدطبیعت آدمی ہے...... اُسے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ یہاں مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا ہے! اُسے تو صرف اپنے مفاد سے غرض ہے۔ وہ پیسے کے معاملے میں اتنا لالچی ہے کہ وہ یہودیوں کے پاس ہمارا پورا گاؤں اونے پونے داموں بیچ دے گا...... کیا تمہیں معلوم ہے کہ حال ہی میں بکنے والی زمین کی قیمتِ فروخت ہمارے کھیتوں کی نِصف قیمت سے بھی کم ہے! اور ابھی یہ سلسلہ رُکا کہاں ہے؟ جب تک ہمارا نام ونشان نہ مٹ جائے اِن یہودیوں کو چین نہیں آئے گا"

"لیکن امی جان! یہ خارجی اور غیر ملکی لوگ یہاں کیوں آتے ہیں؟" احمد خلیل پوچھتا۔ "وہ ہماری زمینیں کیوں چھین لینا چاہتے ہیں؟"

"وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی وطن نہیں۔ ہمیں مسلسل اذیتیں دے کر جبری طور پر اس علاقے سے باہر نکال دیا گیا تھا۔ اُن کا کہنا ہے کہ یہ ملک اُن کی ملکیت ہے۔ کیونکہ یہ قدیم زمانوں میں ان کے آباؤ اجداد کے زیر تسلط رہ چکا ہے......

"لیکن وہ یہیں اسی علاقے میں ہی کیوں آتے ہیں؟ وہ کسی اور جگہ کیوں نہیں چلے جاتے؟"

"اُن کا کہنا ہے کہ دیگر ممالک انہیں پناہ دینے کے لئے تیار نہیں اس لئے اُن کے سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ بھی نہیں......!" ان بنی اسرائیل والوں کے بارے میں ہمارے قرآن پاک میں سارا بیان موجود ہے کہ کس طرح ان کے گناہوں کی پاداش میں

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے ذِلّت و مسکنت ان پر مسلّط کر دی اور وہ اذیت کے ساتھ بے گھر ہو کر جلاوطنی کی مصیبتیں برداشت کرتے رہے۔''

''کیا بنی اسرائیل بھی اسی قماش کے لوگ تھے جیسے آج کل کے یہودی ہیں؟''

بچے نے سوال کیا وہ بنی اسرائیل کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کے لئے خواہشمند تھا......!

''کیا تم اپنے ابّا کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے نہیں سنتے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث ہونے والے اکثر انبیاء کرام بنی اسرائیل کے قبیلہ سے تھے...... ان یہودیوں کا شمار اہل کتاب میں ہوتا ہے۔ اُن کا اور ہمارا سر چشمہ ہدایت ایک ہی ہے......! ہم بھی بنی اسرائیل کے پیغمبروں سے اُتنی ہی عقیدت رکھتے ہیں جتنی کہ یہودی...... بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم اُن سے کہیں زیادہ انبیائے بنی اسرائیل کا احترام کرتے ہیں۔

(''...... مسلمانو! کہو کہ: ''ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ اور اولادِ یعقوبؑ کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دُوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے ربّ کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مُسلم ہیں......'' (البقرہ......۱۳۶)

''ایک وقت تھا کہ بہت سے گھوڑے اور اُونٹ میرے ابّا جان کی اپنی ملکیت میں تھے اور انہیں سیر و سفر کا بہت شوق تھا۔ جب وہ بھرپور نوجوان تھے تو اُنہوں نے فلسطین کے تمام علاقوں کی سیر کی۔ وہ ہمیں اپنے یروشلم کے سفر کے بارے میں بتایا کرتے تھے۔ جو انہوں نے بیت المقدس اور پُرشکوہ و عالی شان مسجد اقصیٰ کی زیارت کے لئے اختیار کیا تھا۔ وہاں ابّا جان نے وہ چٹان نما ٹیلہ بھی دیکھا جہاں سے معراج کی رات حضورﷺ کی سواری عرش کو گئی تھی۔ ابّا جان نے مسجدِ اقصیٰ کے عقب میں اُس قبرستان کی زیارت بھی کی تھی، جہاں ہمارے بہت سے انبیا علیہم السلام اور اولیاء کرام مدفون ہیں...... جبران میں اُنہوں نے مسجدِ ابراہیم کی بھی زیارت کی جہاں حضرت ابرہیم خلیلؑ کی بیوی حضرت سائرہؓ اور اُن کی بیٹیوں اور یہودیوں حضرت ربیکا، حضرت راشیل کے مزارات ہیں......! ابّا جان صحرائے سینائی میں اُس مقام کی زیارت سے بھی مشرف ہو چکے تھے جہاں اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تھی......! اس کے علاوہ ابا جان نے شمال کے اُن دیہات و قصبات کے لوگ بھی دیکھے جو اپنے سرسبز باغیچوں' ہرے بھرے درختوں' پھولوں' پھلوں اور اپنے مویشیوں کے لئے چراگاہوں' سبزہ زاروں' مرغزاروں کی فراوانی' زیتون کے گھنے پیڑوں کے کنجوں اور پھلدار باغات کی نعمتوں سے مالامال تھے......

''پہلے وقتوں میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی گئی تھی تو آج کل کے بنی اسرائیل بالکل ہماری طرح مسلمان تھے۔ اپنے رہن سہن اور لباس وغیرہ کے بارے میں یہ ہم سے کلی مشابہت رکھتے تھے اور بالکل ہماری صرح زمین کی کاشت اور مویشیوں کی گلہ بانی کرتے......! اللہ تعالیٰ نے انہیں دیگر اقوام پر فضیلت عطا کی تھی۔ یہ اہل کتاب تھے اور قرآن پاک میں مذکورہ پیغمبروں میں سے اکثر پیشتر انہی کے قبیلوں میں پیدا ہوئے۔ لیکن یہی بنی اسرائیل اتنے اعزازات رکھنے کے باوجود بعد میں منحرف ہو گئے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقدس احکامات و قوانین سے باغی ہو گئے اور گناہ و بد بدکاری کی انتہائی پستیوں میں جا گرے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کرتے ہوئے انہیں آبائی وطن سے نکال دیا۔ اور یہ لوگ دُور دراز کے ملکوں کی طرف نکل گئے جہاں یہ اجنبی لوگوں میں اس طرح گھل مل گئے کہ آج یہ ہم سے اپنی سابقہ اور آبائی مشابہت بھی کھو بیٹھے ہیں۔ اب تو ان میں اور برطانوی انگریزوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ میں تو نجبا کے یہودیوں اور انگریزوں میں رتی بھر فرق بھی نہیں دیکھ سکی۔ یہ یہودی بھی بالکل انگریزوں کی طرح متکبر ظالم اور خبیث ہیں۔ ان کے دل میں کسی چیز کے بارے میں حتیٰ کہ اپنے مذہب کا بھی کوئی ادب و احترام نہیں ہے......

''ایسا کیوں ہے امی جان؟'' لڑکے نے پوچھا۔

''یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ میرے ابا اور بھائی جان ہمیں بتایا کرتے تھے کہ جب وہ یہودیوں سے التوائے جنگ کا معاہدہ کرنے کے لئے نجبا جاتے تو ان کے ساتھ کیسا بُرا سلوک کیا جاتا۔ اور ایسا صرف ایک بار ہی نہیں بلکہ اکثر اوقات یہی کچھ ہوا۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو ابا جان اور بھیا جونہی نماز شروع کرتے تو یہودیوں کے بچے ایک ہجوم کی صورت میں ان کے گرد گھیرا ڈالتے ہوئے منہ چڑاتے۔ بے عزتی کی باتیں کرتے اور جب وہ سجدہ میں جاتے تو اپنے ہاتھوں میں مٹی کی مٹھیاں بھر بھر کر ان کے سروں پر پھینکتے اور مذاق اُڑاتے ہوئے کہتے کہ'' خدا کا وجود کہیں

Marfat.com

نہیں! ہم یہاں کسی خدا کو نہیں مانتے''

یہ سُن کر احمد خلیل کے دل و دماغ اور جسم و روح میں حزن و ملال اور کرب کی گہری ٹیسیں اُترتی چلی گئیں اور یہ اُن ٹیسوں سے بھی شدید تھیں جو کہ گزشتہ روز اپنے ناشائستہ رویّے کی بناء پر والد سے پٹائی ہونے پر اس کے جسم سے اُٹھی تھیں...... اور آج یہودیوں کے بارے میں ایسی باتیں سننے کے بعد اُسے اپنے ماموں زاد اور چچا زاد بھائیوں کے ساتھ مِل جُل کر کھیلنے کودنے میں بھی کوئی دلچسپی نہ رہی۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر یوں تھکے ہارے انداز میں بیٹھ گیا کہ جیسے مکمل طور پر بے حِس ہو چکا ہو۔ حتیٰ کہ اگلی صبح جب اُس نے اپنے ابّا کی زبانی قرآن کی سورہ الجاثیہ کی یہ آیات سُنیں تو اس کی بے چینی اور بڑھ گئی۔

اُس وقت تم ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا دیکھو گے' ہر گروہ کو پکارا جائے گا کہ آئے اور اپنا نامہء اعمال دیکھے۔ اُن سے کہا جائے گا: ''آج تم لوگوں کو اُن اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے......
(الجاثیہ۔ آیت ۲۸)

☆......☆......☆

Marfat.com

پانچواں باب

چھوٹے بھائی کی ولادت

احمد خلیل کی عمر سات سال ہو چکی تھی اور وہ اس بات پر حیران ہوتا تھا کہ وہ ابھی تک اپنے ماں باپ کا اکلوتا بچہ ہی ہے! وہ اکثر آرزو کرتا کہ اگر اللہ تعالیٰ اُسے ایک بھائی یا بہن عطا کر دے تو وہ اُس کا ہمجولی اور کھیل کا ساتھی بن جائے!

دو سال پہلے وہ اپنے چچا زاد بھائی رشید کی پیدائش پر بہت خوش ہوا تھا جو اس کے چچا منصور کی اولاد میں سے واحد بچہ تھا جو باقی زندہ رہ گیا تھا...... ننھا رشید اتنے بہت بڑے خاندان میں اس کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ وہ بچے سے پیار کرنے کے لئے ہر وقت اپنی چچی حلیمہ سے اُسے مانگتا رہتا تاکہ اُسے گود میں اُٹھائے پھرے اور اس سے کھیلتا رہے۔ اس بات نے احمد خلیل کو بھی خاندان میں ایک سمجھدار اور اہم لڑکا بنا دیا تھا۔ رشید موٹا تازہ صحت مند رنگ میں بہت کالا گھنے گھنگریالے بالوں اور روشن چمکدار آنکھوں والا لڑکا تھا۔ وہ بہت ہنس مکھ اور ایسے بچوں میں سے تھا جو بالکل ضد نہیں کرتے اس لئے اس کی پیدائش پر گھر میں سب لوگ بہت خوش تھے۔ وہ بھوک' گیلے پن' سردی یا نیند آنے کی حالت کے علاوہ ہر وقت ہنستا اور مسکراتا رہتا۔ رشید نے ابھی پاؤں پاؤں چلنا شروع کیا تھا کہ خاندان میں اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ احمد خلیل اور عبدالعزیز کا ختنہ کرایا جائے۔ اس موقع پر خدیجہ نے دونوں کے لئے سفید سوتی کپڑے کے دو چُغے تیار کیے جو ان کے ٹخنوں تک لمبے تھے۔ پہلے پہل تو احمد خلیل نے انتہائی ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے یہ نیا چغہ پہننے سے مزاحمت کی۔ اور جب کبھی وہ کھیتوں میں اکیلا ہوتا تو وہ اُسے اُتار پھینک آتا۔ اُس کے ابا اس بات پر بڑی سختی سے سرزنش کرتے کہ اُسے یہ چغہ ہر وقت پہنے رہنا

Marfat.com

چاہیے اور جب تک ہم خود اس بارے میں فیصلہ نہ کریں تمہیں چغہ نہیں اتارنا چاہیے......

احمد خلیل سات برس کا ہو چکا تھا اور اب اُس پر دن میں پانچ مرتبہ نماز فرض تھی۔ اب اُسے نماز کے تمام آداب مکمل طور پر سکھائے گئے' جنہیں وہ شیر خوارگی کے ایام سے ہی اپنی امّی' ابّا اور خاندان کے دوسرے افراد کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر اب تک اُن کی نقل کرتا آیا تھا' لیکن اب اُس کی معصومانہ نقل کا دور ختم ہو چکا تھا۔ جب اُس کے ابّا نے مسجد میں اُسے ایک سو آدمیوں سے بھی زیادہ لوگوں میں نماز باجماعت کے لئے لے جانا شروع کیا تو فخر و انبساط سے اُس کا سینہ پھول گیا۔

چھوٹے میناروں سے قطع نظر گاؤں کی معمولی بودوباش کے مکانوں میں مسجد سب سے نمایاں اور ممتاز نظر آتی تھی۔ اندرونی طور پر مسجد صرف ایک کمرے پر مشتمل تھی جس میں سوائے ایک منبر کے کوئی فرنیچر نہیں تھا اور اینٹوں کے فرش پر نرسل کی چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ سفیدی کی ہوئی دیواروں پر اُس کے والد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی' سیاہ رنگ میں قرآنی آیات کے علاوہ اور کوئی آرائش و زیبائش نہیں تھی! لیکن مسجد اس لحاظ سے منفرد تھی کہ اس کی صفائی اور مرمت کا ہر وقت خیال رکھا جاتا تھا۔ بے ہنگم جھونپڑیوں' گردوغبار سے اٹی ہوئی فضا' خستگی اور زبوں حالی کے مارے ہوئے ماحول کے درمیان یہ مسجد نہ صرف عبادت کی جگہ تھی بلکہ ایک صاف ستھری جگہ سلیقے اور پرسکون فضا پر مبنی ایک جائے پناہ بھی تھی۔

ایک رات عشاء کی نماز کے بعد جب ملک وہاب مسجد سے واپس آیا۔ احمد خلیل اُس وقت جھوٹ موٹ اپنے آپ کو سویا ہوا ظاہر کر رہا تھا اُس نے اپنی والدہ کی باتیں چوری چھپے سنیں جو کہ اس کے باپ کو بتا رہی تھی کہ کاش! کہ بہت عرصہ پہلے ہی میں آپ کے دوسرے بچے کی ماں بن چکی ہوتی' کئی سالوں سے احمد خلیل اپنے دل میں ایک بھائی یا بہن کی آرزو رکھے ہوئے تھا اب آخرکار اللہ تعالیٰ نے اُس کی دعائیں قبول کر لی تھیں......! کئی ہفتے اور پھر مہینے گزر گئے۔ احمد خلیل بڑی توجہ سے اپنی امّی کو دیکھتا رہتا۔ جونہی وہ امّی کو دیکھتا' امّی جواباً سب کچھ جانتے ہوئے بھی جواباً اُس کی طرف گھور کر دیکھتیں۔ اگرچہ وہ بھی اس بارے میں یقینی طور پر آگاہ تھا لیکن اس موضوع پر اُن کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلتا تھا۔

ایک کمرے پر مشتمل جھونپڑیوں کی آبادی میں کمرے کے اندرون پرہجوم ماحول میں تنہائی اور خلوت ناممکن تھی...... عراق المنشیا گاؤں کے بچے بہت چھوٹی عمر میں ہی ہر

Marfat.com

چیز کو دیکھتے تھے اور ہر بات کے بارے میں جانتے تھے زندگی کے بارے میں کسی قسم کے حقائق کو اُن سے چھپانا ناممکن تھا۔ تاہم اُنہیں اس بارے میں بات کرنے یا کوئی سوال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ جنس پر ایک گفتگو کے انداز بات کرنا' اس ماحول میں بچوں کے لئے ہی نہیں بلکہ میاں بیوی تک کے درمیان ممنوع تھا۔

بچے کی ولادت کا وقت نزدیک آتا گیا...... ایک دن صبح کے وقت احمد خلیل نے اپنی امّی کی آواز سنی جو اُس کے ابا کو بتا رہی تھیں:

''آج رات میں نے ایک بہت خوبصورت خواب دیکھا۔ اندھیروں کے درمیان میں نے ایک آواز سنی جو کہ مجھے بلا رہی تھی۔ یہ ایک مردانہ آواز تھی جو کہ بہت گمبھیر اور زوردار تھی۔ میں نے اُس سے پوچھا کے وہ کون ہے؟ اور کیا چاہتا ہے؟ اُس نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جلد ہی ایک اور بیٹا عطا کرے گا' اور یہ لڑکا بہت سی امتیازی اور غیر معمولی صفات کا حامل اور دوسرے تمام بچوں سے بالکل یکتا ہوگا۔''میں نے اُس سے دوبارہ درخواست کی کہ وہ مجھے بتا دے کہ وہ کون ہے؟'' لیکن وہ خاموش رہا۔ پھر میں نے اُسے دیکھا کہ وہ میری طرف آ رہا ہے۔ اُس کا قد کاٹھ مناسب حد تک لمبا اور جسم خوب گٹھا ہوا تھا۔ اس کے گرد ایک نورانی ہالہ تھا اور وہ بہت سفید بُرّاق چوغے میں ملبوس تھا اُس نے بچّے کو اُٹھایا اور جونہی بچے کے جسم پر اپنی انگلیاں پھیریں۔ بچے کا تمام جسم سفید لکیروں سے بھرپور ہوگیا۔ اُس کا کافیہ اُس کے سر کے گرد لپٹا ہوا تھا اس لئے میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکی۔

اُس نے بچے کو میرے بازوؤں میں دیتے ہوئے مجھ سے کہا: ''خدیجہ اس بچے کی حفاظت اور پرورش میں بہت احتیاط سے کام لینا کیونکہ یہ بچہ اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ ہے......!! اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اس خواب کا مطلب کیا ہوسکتا ہے؟''

''مجھے کیا معلوم؟'' ملک وہاب نے جواب میں کہا۔ مجھے خوابوں کی تعبیر کے بارے میں قطعی کوئی علم نہیں ہے...... یہ محض ایک خواب تھا۔''

یوسف ملک نے پرجوش انداز میں مداخلت کرتے ہوئے کہا ''تم نے حضور ﷺ کی زیارت کی ہے......! جب بھی خواب کے مناظر میں ہم نے حضور ﷺ کو دیکھا تو آپؐ کا چہرہ مبارک ہمیشہ کپڑے میں لپٹا ہوتا ہے......''

خدیجہ اُس روز کھیتوں میں کام کرنے کے لئے بھی نہیں گئی۔ ملک وہاب نے اُسے حکم دیا کہ وہ گھر پر ہی رہے۔ اُس نے عارضتاً ایک پلنگ اور گدّے کا انتظام بھی کر دیا

Marfat.com

تا کہ اُس کی بیوی گھر میں آرام اور سہولت سے رہے۔ اُس نے احمد خلیل کو حکم دیا کہ وہ کھیتوں میں کام کرے اور جہاں اس کا جی چاہے کھیلنے کے لئے کہیں چلا جائے لیکن لڑکا بھی گھر میں آئندہ ہونے والی صورتِ حال کو جانتا تھا اس لئے اُس نے گھر سے باہر جانے سے انکار کر دیا۔

اُس کی دونوں چچیوں حلیمہ اور زینب نے اُس کی امّی کی دیکھ بھال شروع کر دی۔ ملک وہاب نے تانبے کے برتن میں چولہے پر پانی اُبال کر گرم کیا اور پھر دونوں خواتین سے کہا کہ وہ صابن سے اپنے ہاتھ اور بازو کہنیوں تک دھولیں' دونوں نے اس بات کو پوری طرح نہ سمجھتے ہوئے بھی اس کے حکم کی تعمیل کی۔

کئی گھنٹے بعد دوپہر کے وقت خدیجہ کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی۔

''الحمداللہ!'' اُس کی چچی خوشی سے پکار اُٹھی' یہ تو لڑکا ہے''۔

''مجھے میرا بھائی دیکھنے دو''! احمد خلیل نے التجا کرتے ہوئے کہا۔

''ابھی ذرا انتظار کرو' اُس کی چچی نے سختی سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔''اب تمہارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں''!

''اُسے بچہ دیکھنے دو' خدیجہ نے احتجاج کرتے ہوئے کہا''اس کی عمر آٹھ سال سے بھی زیادہ ہوگئی۔ اُس نے بہت طویل انتظار کیا ہے''

خدیجہ نے انتہائی نرمی سے بچے کو اُٹھا کر احمد خلیل کے بازوؤں میں دے دیا۔ احمد خلیل نے پہلی بار اپنے بھائی کو دیکھا۔ وہ قدرے ننھا مُنا لیکن صحت مند متناسب جسم' نرم جلد' چمپئی رنگت اور رشید کی طرح گھنگریالے بالوں والا بچہ تھا۔ پھر اُس نے اپنی والدہ کے خواب کو ذہن میں دہرایا وہ حیران تھا کہ اس خواب کی کس قدر اہم اور قابل ذکر تعبیر سامنے آئی ہے! اُس نے بچے کے چہرے کو خاص طور سے دیکھا۔ اگرچہ بچہ پوری طرح بیدار تھا لیکن وہ عام بچوں کی طرح بھوک سے چیختا چلاتا نہیں تھا...... بچہ اُس کے بازوؤں میں مکمل طور پر خاموشی کے عالم میں تھا گویا بالکل ساکت ہو...... اُس کی آنکھوں میں چمک' شرافت اور معصومیت تھی۔ یہ خبر جلد ہی پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا قبیلہ ان کے گھر پر جمع ہو گیا ان میں سے ہر ایک نوزائیدہ بچے کو جلد از جلد دیکھنے کا خواہشمند تھا۔ بچے کے سر کے بال مونڈے گئے' خوبصورتی کے لئے آنکھوں میں سرمہ لگانے کے بعد ملک وہاب نے ہر نئے پیدا ہونے والے مسلمان بچے کی آمد پر اس کے کانوں میں اذان پڑھی۔

Marfat.com

خدیجہ کا اصرار تھا کہ میرے اس لاڈلے اور انوکھے بچے کے لئے کوئی عام سا نام مناسب نہیں' اس لئے بچے کا نام خلیفہ رکھا گیا۔ یعنی زمین پر اللہ کا نائب۔

خلیفہ نے احمد خلیل کی پوری زندگی کو تبدیل کر دیا۔ کھیتوں میں کام ختم کرنے کے بعد اب اس کے پاس اپنے چچا زاد اور ماموں زاد بہنوں بھائیوں کے ساتھ کھیلنے کے لئے کوئی وقت نہیں تھا۔ اب وہ اپنے ننھے منے بھائی کو کھلاتا رہتا کیونکہ خدیجہ گرہستی اور کھیتوں کے کام میں اس قدر مصروفیت میں الجھ کر رہ جاتی کہ اس کے پاس بچے کی نگہداشت کے لئے کوئی وقت نہیں تھا۔

چونکہ گھر میں بچے کی دیکھ بھال کرنے والا اور کوئی نہیں تھا' اس لئے احمد خلیل جہاں کہیں بھی جاتا وہ اپنے ننھے منے بھائی کو اپنے بازوؤں میں اُٹھائے پھرتا۔ وہ صرف اس وقت بچے کو اپنی امّی کے پاس دودھ پلانے کے لئے لاتا جب کہ بچہ دودھ کے لئے چلانا شروع کر دیتا لیکن اکثر اوقات اس کا بوجھ محسوس کرتے ہوئے وہ بیزاری سے بچے کو زمین پر لٹا دیتا اور خود رشید اور عبدالعزیز کے ساتھ کھیلنے کے لئے بھاگ جاتا۔ جب خدیجہ بچے کو بے یارومددگار چیختا چلاتا ہوا دیکھتی تو وہ بچے سے غفلت برتنے کی پاداش میں احمد خلیل کو ڈانٹتے ہوئے پیٹ ڈالتی۔

سردیوں میں بارش نہیں ہوئی تھی اس لئے گندم کی فصل بہت کم ہوئی۔ ملک وہاب کا جہاں تک بس چلتا وہ نجبا سے خوراک چرانے اور لوٹ مار کرنے میں ہی مصروف رہتا۔ یہ چُرائی ہوئی خوراک خدیجہ کو دیتے ہوئے وہ اصرار کرتا کہ وہ خود کھا کر بچے کی پرورش کرے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ چھاتیوں سے دودھ سُوکھ جانے کی صورت میں بچہ کہیں فاقوں مر نہ جائے۔ جیسا کہ عراق المنشیا کے بہت سے بچوں کا حشر ہوا تھا...... احمد خلیل کو باقاعدہ کھانا کوئی نہیں ملتا تھا۔ وہ صرف دعوتوں اور تقریبات میں سے بچے کھچے روٹی کے ٹکڑے کھا کر پیٹ بھرتا...... اُسے گھر والوں نے بچے کھچے پھینکے ہوئے کھانے کے ڈھیروں سے اپنا گزارہ کرنے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔

احمد خلیل اب اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ اب وہ اپنے چچا زاد اور ماموں زاد بہن بھائیوں کے ساتھ کھیل بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ کمرے کے تاریک کونے میں اکڑوں بیٹھ کر بڑی توجہ سے اپنی ماں کو کھڈی پر کپڑا بُنتے ہوئے دیکھتا رہتا...... چمکدار رنگوں' خوبصورت نمونوں اور خوشنما بافت والا یہ کپڑا بُن کر وہ غزہ لے جاتی اور وہاں سے اس کپڑے کے

Marfat.com

بدلے وہ روزمرہ زندگی کی ضروریات کی چیزیں لے آتی۔ گہرے سیاہ رنگ کا لمبا کھردرا لباس پہنے ہوئے وہ برقعہ اوڑھ کر گھر سے نکلتی۔ جونہی کوئی سفید لمبے چغے اور کافیے والا اجنبی آدمی پاس سے گزرتا وہ اپنا چہرہ ڈھانپ لیتی۔ چمکتے ہوئے سورج کے نیچے مکھیوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھنبھناتے ہوئے سنائی دیتے۔ اس بھنبھناہٹ کے علاوہ ہر طرف ایک پرسکون خاموشی طاری ہوتی۔ وہ اپنی امی جان کی موجودگی اور ان کی شفقت و تپاک سے خود کو پرسکون محسوس کرتا۔ جب خدیجہ اہل خانہ کے لئے سوت کاتتی' کپڑے بُنتی' ہاتھ سے کپڑے سیتی' پیوند لگا کر مرمت کرتی' ننھا مُنّا خلیفہ اس کے پاس ہی پڑی ہوئی زسل کی پھٹی پرانی چٹائیوں اور کپڑے کے چیتھڑوں پر پڑا ہوا اپنے ننھے منے ہاتھ پاؤں ہوا میں چلاتے ہوئے قلقاریاں مارتے ہوئے کھیلتا رہتا۔

☆......☆......☆

Marfat.com

چھٹا باب

ممتا کی آخری بہاریں

یہ موسم سرما کا ایک عمدہ دن تھا۔ سورج اپنی پوری تابانی اور روشنی سے چمک رہا تھا' لیکن گرمی کوئی زیادہ نہ تھی۔ صبح کی صحرائی ہوا خوشگوار' ٹھنڈی' پُرلطف اور حیات افزا تھی۔ اس سال بارشیں کافی ہوئی تھیں اور اس امر کا یقین تھا کہ گندم کی فصل بہت اچھی رہے گی۔ لیکن آج مطلع بالکل صاف تھا اور جب سردی کے دِنوں میں موسم اچھا ہو تو یہ ایک بہت خوش کن بات ہوتی ہے۔

خدیجہ کھلے دروازے کے قریب چٹائی پر اپنے سامنے کی طرف پاؤں پسارے بیٹھی دھوپ سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ آٹھ سالہ احمد خلیل اُس کے پیچھے بیٹھا اُس کی کمر تک لمبے بالوں کو سنوار رہا تھا۔ اور لکڑی کی بنی ہوئی عمدہ دندانوں والی کنگھی کے ساتھ بڑی محنت اور احتیاط سے ایک ایک کر کے جوئیں نکال رہا تھا۔ وہ اس چھوٹی جارحانہ مخلوق سے اپنی ماں کو نجات دلا رہا تھا......! آخرکار جب لڑکے نے مسرت آمیز بلند آواز سے کہا کہ میں نے تمام جوئیں تلاش کر لی ہیں اور خدیجہ کو شدید خارش سے نجات ملی تو اُس نے سر میں زیتون کا تیل ڈالا اور خود ایک دوسری کنگھی سے اپنے بالوں کو سنوارتے ہوئے' بالوں کی لٹوں کو دو موٹی موٹی چوٹیوں میں گوندھ لیا۔

ملک وہاب گھر سے باہر بیرونی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اُونچی آواز سے اپنے بھائی منصور اور بے شمار دوسرے آدمیوں کو اخبار پڑھ کر سنا رہا تھا' جو اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے اہم خبروں پر تبادلہ خیالات کرنے کے مشتاق تھے...... اخبار تقریباً ایک ماہ سے بھی زیادہ پرانا تھا لیکن عراق المنشیا میں اخبار قسم کی کوئی شے شاذ و نادر ہی نظر

Marfat.com

آتی تھی اور خدیجہ حیران تھی کہ اس کا شوہر ایسی چیزوں تک کیسے رسائی حاصل کر لیتا ہے۔
احمد خلیل نے چھپ کر اپنے ابا کو اُس جنگ کے بارے میں بحث کرتے ہوئے سنا جو کہ سمندر سے پار سرد شمالی علاقوں میں لڑی جا رہی تھی۔ لیکن احمد خلیل کو یہ جنگ بہت دور اور موہوم معلوم ہوتی تھی۔ وہ اپنے ابا کے پاس گیا اور اُس کے کندھوں کے پیچھے سے اخبار کو غور سے دیکھتا رہا۔ اُس نے سر ونسٹن چرچل وزیراعظم برطانیہ کی تصویر کو پہچان لیا۔ تصویر کے نیچے اُس کی تقریر کے عربی ترجمے کا متن لکھا ہوا تھا جو اس نے لندن پر جرمنی کی بمباری کے دنوں میں کی تھی۔ الحاج امین الحسینی ان دنوں جرمنی میں تھے اور احمد خلیل اخبار میں مفتی امین الحسینی کی چھپی ہوئی تصویر کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔ جس میں انہیں ایڈولف ہٹلر کے پہلو میں صوفے پر بیٹھے ہوئے دکھایا گیا تھا۔

''ہٹلر ہمارا خیرخواہ اور دوست ہے'' ملک وہاب نے پُرزور دعوے کے انداز میں کہا۔ اگر جرمن یہ جنگ جیت جائیں تو یہودی تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ برطانوی انتداب ختم ہو جائے گا اور فلسطین ایک آزاد عرب ریاست بن جائے گا۔''

''کیا تم دوسروں کے لئے بھی وہی ظلم چاہتے ہو جو بالکل بدتر ہے؟''
یوسف ملک نے اپنے ہاتھوں سے ایک لمبا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اب بحث پرجوش انداز میں جاری تھی۔ ''کیا تم نے اس کے مظالم کے بارے میں سنا نہیں ہے......؟ ہٹلر تو بہت ظالم ہے......! جہاں کہیں اُس کی حکومت ہے وہاں قتلِ عام' ناگفتہ بہ اذیتوں' ظالمانہ تشدد اور خوف و دہشت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ وہ شیرخوار اور چھوٹے بچوں کو بھی معاف نہیں کرتا......! صرف یہودی ہی اُس کا نشانہ ستم نہیں بلکہ تمام لوگ اُس کے مظالم کا شکار ہیں...... کیا تم نے اُس کے تعذیبی مراکز اور بمباریوں کے متعلق نہیں سُنا؟ جب میں غزہ میں تھا تو میں نے اس کے تمام مظالم کے بارے میں ریڈیو پر سنا تھا...... میں پھر کہتا ہوں کہ میرے خیال میں تمہارا نکتہ نظر صریحاً غلط ہے۔ ہٹلر تو ہمارا دُشمن ہے۔ یہودی آبادکاروں کے ریلے پر ریلے صرف اُس کی وجہ سے یہاں آرہے ہیں...... اگر ہٹلر یہودیوں کو تنگ کرنے کے بجائے اُن کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرتا تو وہ اپنے اپنے آبائی وطن میں مطمئن رہتے اور ہمیں تنگ کرنے کے لئے یہاں ہرگز وارد نہ ہوتے......''

''تمہارے خیال میں کیا یہ جنگ فلسطین تک پھیل جائے گی؟'' منصور نے پوچھا' اُس کے سیاہ چہرے پر کشیدگی اور تشویش کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ مصر میں

Marfat.com

اپنے قیام کے دوران میں جنگ کے بارے میں پہلے ہی بہت سی باتیں سن چکا ہوں۔ اور بعض اوقات تو جرمن سواستیکا کے نشان زدہ جنگی طیارے ہم نے اپنے سروں کے اُوپر اُڑتے ہوئے دیکھے ہیں...... تمہارا کیا خیال ہے کہ جرمنی عنقریب حملہ کرنے والا تو نہیں؟"

یوسف ملک نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے استغناء کے ساتھ کہا "یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے"

اُسی وقت انہیں جھونپڑی کے اندر سے بچے کی دلدوز چیخ سنائی دی۔

خلیفہ' جو کہ گندے فرش پر پیٹ کے بل گھسیٹتے' رینگتے اور لڑھکتے ہوئے کھیل رہا تھا۔ اُس کے بازو پر ایک چوہے نے کاٹ کھایا تھا......! خدیجہ بھاگتی ہوئی خلیفہ کی طرف گئی اور اُسے بازوؤں میں اُٹھا لیا۔ لیکن بچہ تکلیف اور درد کی شدت سے اور زیادہ اُونچی آواز سے چیختا رہا۔ ملک وہاب نے اخبار پڑھنا چھوڑا اور اسے لاپرواہی سے گلی میں پھینک دیا۔ اس کے گرد جمع آدمیوں کا ہجوم اِدھر اُدھر بکھر گیا اور وہ گھر کے اندر اپنی بیوی کی طرف چلا گیا۔

"وہ! وہ سامنے ہے" خدیجہ نے ہسٹریائی انداز میں چلاتے ہوئے کہا...... "اسے باہر نکال پھینک دو"

احمد خلیل بھاگتا ہوا اندر گیا۔ کمرے کے درمیان زرد رنگ کا ایک بڑا چوہا' مُردوں کی طرح ساکت و صامت کھڑا اپنی بُری زرد نگاہوں سے اُسے گھور رہا تھا۔ اُس نے اپنے والد کا بھاری بھرکم چمڑے کا جوتا اُٹھا کر بہت غصے کے عالم میں چوہے کی طرف پھینکا۔ لیکن چوہا ایک طرف کھسک کر دیوار میں ایک سوراخ میں غائب ہو گیا۔

"میں اسے پکڑ کر مار ڈالوں گا" ملک وہاب نے وعدہ کیا۔ "اسے پکڑنے کے لئے میں ایک زہریلا پھندا لگاؤں گا......"

"یہ تو گھر میں ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں" خدیجہ نے مایوسی سے جواب دیا۔ "انہیں پکڑنا بہت مشکل ہے...... انہیں پکڑنے کے لئے جب ہم زہریلے پھندے لگاتے ہیں تو انہیں عموماً ہمیشہ پتہ چل جاتا ہے۔ یہ بہت چست اور چالاک ہیں۔ اور تم نے دیکھا ہو گا کہ وہ کتنے بڑے چکنے چپڑے اور موٹے ہیں! جب ہمارے لئے کہیں بھی خوراک نہیں ہوتی نمعلوم یہ اپنا شکم دوزخ بھرنے کے لئے کہاں سے اتنی فراوانی سے خوراک ڈھونڈھ لاتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہم سے کہیں زیادہ ہوشیار ہیں......"

Marfat.com

اب دوپہر کا وقت تھا۔ سورج نصف النہار پر پہنچ چکا تھا۔ ساتھ والی گلی سے بہت سی ہمسایہ خواتین کی ایک ٹولی خدیجہ سے ملنے کے لئے اندر گئی۔

باتوں باتوں میں ایک نے اُسے بتانا شروع کیا ''بیماری بہت عام ہوگئی ہے'' بہت سے بچے بیمار ہیں اور ہرروز ان کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ کیا تمہیں بخار کے متعلق معلوم نہیں ہے؟ یہ بہت خوفناک ہے۔ بہت سے لوگ مر رہے ہیں۔ بتاؤ کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیے؟ ہماری گلی میں یہ آگ کی طرح گھر گھر پھیل رہا ہے...... میں تو اپنے بچوں کے بارے میں خوفزدہ ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اُنہیں بخار سے کیسے محفوظ رکھوں......''

لیکن خدیجہ ان باتوں سے ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوئی۔ بیماری اور بچوں کی اموات اتنی عام سی بات ہوگئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر مطمئن رہتے ہوئے اس پر صابر رہنے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اس خطرے سے وہ خود کو بہت دور محسوس کرتی تھی اور اس بارے میں اُسے یہ یقین ہرگز نہ تھا کہ یہ آفت اُس کے گھر تک بھی پہنچ سکتی ہے۔

اسی اثنا میں احمد خلیل انتہائی تھکاوٹ محسوس کرتے ہوئے وہیں اپنی چارپائی پر لیٹتے ہی گہری نیند میں کھو گیا۔

''تم کیوں سوتے ہو؟ یہ دن ہے رات نہیں۔ تمہارے ابا پہلے ہی کھیتوں میں کام کرنے کے لئے جا چکے ہیں...... اب اُنہیں وہاں تمہاری مدد کی ضرورت ہے!''

اُس کی امّی نے اُسے جگانے کے لئے زور سے ہلایا لیکن وہ اُسے جگا نہ سکی۔ امّی نے اُسے دوبارہ ہلایا۔ اب اُس نے کروٹ بدلی اور اپنے ہاتھ کو پیشانی کی طرف اُٹھا کر کراہتے ہوئے کہا ''میرا سر! میرا سر! میرے سر میں شدید ترین درد ہو رہا ہے''

خدیجہ نے اُس کی پیشانی کو چھوتے ہی کہا ''تم اتنی حرارت میں کیوں پُھنک رہے ہو......! تم یہیں لیٹے رہو! اور آرام کرو''

جب وہ اُس کی گرم پیشانی کو ٹھنڈے اور گیلے چیتھڑے سے پونچھ رہی تھی تو احمد خلیل ٹھنڈ سے لرزتا رہا......! خدیجہ اُٹھی اور جلدی سے کمرے کے دوسری طرف گئی اور آٹے والی بوریوں کے ٹاٹ کے ٹکڑوں کا ایک ڈھیر اُٹھا کر لے آئی جو کہ اُس کا بھائی کافی ہفتے پہلے نجبا پر ایک حملے کے دوران لوٹ مار میں لایا تھا۔ انہی ٹاٹوں سے اُس نے احمد خلیل کو ڈھانپ دیا۔

Marfat.com

وہ مسجد سے آنے والی اذان کی آواز سن رہا تھا۔ جس میں سہ پہر کے وقت نمازِ ظہر کے لئے بلایا جا رہا تھا۔ اذان کی دلکش شیریں آواز اُسے تسکین اور آرام دے رہی تھی۔

احمد خلیل نے دیکھا کہ اُس کی امّی بڑے سلیقے سے فرش پر گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی خاک سے تیمّم کر رہی تھی۔ اُس کی امّی کو خود بھی سر میں درد محسوس ہونا شروع ہوا اور بخار سے اُس کے ہاتھ اور ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اس طرح کانپتے لرزتے ہوئے ہی اُس نے اپنا منہ قبلہ رُخ کیا اور احمد خلیل اُسے اپنی چٹائی پر ہی قیام' رکوع اور سجُود کرتے دیکھتا رہا۔ اُس کا بچپن سے ہی مشاہدہ تھا کہ اُس کی امّی نے اذان کی آواز سننے کے بعد نماز ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی تھی...... پھر خدیجہ نے ہاتھ اٹھائے۔ ایک دُعا جو کہ اُس کے ابا نے اُسے بہت پہلے بچپن کے زمانہ میں سکھائی تھی وہ خودبخود اُس کے لبوں سے ادا ہونا شروع ہوئی:

"...... اے اللہ! میں تجھ سے پاک زندگی اور پاک موت کا سوال کرتی ہوں...... اور دُعا کرتی ہوں کہ جب تیرے حضور (موت کے بعد) آؤں تو ملامت زدہ اور ذلّت کی حالت میں نہ آؤں......"

رات پڑ چکی تھی۔ ملک وہاب نے پتھر کا بنا ہوا چھوٹا سا چراغ جلایا اور دیوار کے طاق میں عین اپنے سر کے اُوپر کی سیدھ میں رکھ دیا۔ جہاں سے اس نے مدھم سی زرد روشنی دینا شروع کی۔ ملک وہاب گم سم' ساکت و صامت بنا' احمد خلیل کو دیکھ رہا تھا۔ بخار کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ احمد خلیل سو نہیں سکتا تھا۔ اسی بخار کی حالت اور بے ہوشی کے عالم میں اُسے یوں لگا جیسے کمرے میں آگ لگ گئی ہو اور اب وہ اس سے بچ نہیں سکتا۔ شعلے ہوا میں بلند ہو رہے تھے اور اس کے بے بس مجبور جسم کو جھلس رہے تھے...... اسی ہذیانی کیفیت میں وہ اُونچی آواز میں پانی کے لئے چیخا......"

اچانک اُس نے محسوس کیا کہ ایک مضبوط بازو اُسے سہارا دے رہا ہے۔ گھٹن اور حبس والی کہر کے درمیان اُس نے اپنی والدہ کو پہچان لیا۔

اُس کی والدہ نے پانی سے بھری ہوئی صراحی کو اس کے لبوں سے لگاتے ہوئے کہا کہ "اسے پیو"

کئی گھنٹے گزر گئے خدیجہ اُس کے پاس بیٹھی رہی۔ احمد خلیل کا سر ماں کے

Marfat.com

بازوؤں میں تھا۔ حتیٰ کہ بخار کی ہذیانی کیفیت میں احمد خلیل نے اپنی امّی کے سخت اور کھردرے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے اپنے سر کے بالوں میں پیار سے پھیرے جانے کو خوشگوار طور پر محسوس کیا...... اور وہ اُس کو ٹکٹکی باندھ کر یوں دیکھ رہی تھی کہ شاید وہ اسے دوبارہ نہ دیکھ سکے گی۔

☆......☆......☆

Marfat.com

ساتواں باب

خدیجہ کی وفات

''خدیجہ کہاں ہے؟'' ملک وہاب نے پوچھا۔ وہ ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل جھک کر چلتے ہوئے احمد خلیل کی طرف گیا جو پتھر کی سرد دیوار کے ساتھ نیم بیہوشی کی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ ملک وہاب نے سختی سے اُسے جھنجھوڑا ''خدیجہ کہاں ہے؟'' ''خدیجہ!؟'' وہ پوری آواز سے چلایا ''خدیجہ؟'' تم کہاں ہو''؟

احمد خلیل نے اپنے چچا منصور کو دیکھا جو اپنا بھاری بازو اُس کے باپ کے کندھے پر رکھے ہوئے کہہ رہا تھا ''دو ہفتے سے بھی زیادہ دن گزر گئے کہ ہم اُسے دفن کر چکے ہیں۔ تم اور احمد خلیل دونوں اتنے شدید بیمار تھے کہ اگر حلیمہ دن رات پوری توجہ سے تمہاری خبرگیری اور تیمارداری نہ کرتی تو تم دونوں اس دُنیا میں نہ ہوتے...... تم دونوں بیماری کی شدت سے بے ہوشی کے عالم میں تھے۔ لیکن ہم نے حتی الوسع خدیجہ کی تدفین بڑے احسن طریقے سے کی۔ اور ہم نے مرحومہ کی رُوح کو تسکین دینے کے لئے اُس کی خواہش کے مطابق مرحومہ کے باپ اور بھائیوں کی قبروں کے پہلو میں اُس کی تدفین کی......''

ایک طویل ثانیے تک ملک وہاب یوں مبہوت ہو کر رہ گیا کہ وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا...... نہیں منصور! نہیں! مجھے تمہاری بات کا یقین ہے! نہیں، نہیں یہ نہیں ہو سکتا...... اُس کی آواز ہسٹریائی انداز میں نکلتے ہوئے بلند ہوئی ''نہیں، نہیں وہ نہیں مر سکتی۔ اُس کی عمر تو چھبیس سال بھی نہیں تھی۔ وہ اتنی چھوٹی عمر میں مر گئی۔ اگر میں اُونچی آواز سے پکاروں تو مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور جواب دے گی؟''!

Marfat.com

منصور نے اُسے سنبھالنے کے لئے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا ہوا تھا ''میرے بھائی! تم اسے دُنیا میں واپس نہیں لا سکتے ''اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون'' تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضا پر صابر ہو جانا چاہیے۔

''نہیں! نہیں''! ملک وہاب چلاّ اٹھا۔''ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اگر ہم اتنے جاہل نہ ہوتے' اگر ہم تعلیم یافتہ ہوتے' اگر ہم بھی جدید دنیا کے فرد ہوتے تو یہ کبھی نہ ہوتا......! کیا نجبا کے آبادکار اپنے ساتھ ایسا سانحاتی وقوعہ ہونے کی اجازت دیتے؟ ہرگز نہیں! یہ جوئیں ہیں! جوئیں جو ہمارے بالوں میں' ہماری جسموں اور ہمارے کپڑوں میں گھسی پڑی ہیں! چوہے ہر جگہ ہیں! مکھیاں اور گندگی تو اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں ہو سکتے...... اس جگہ ہمارے پینے کے لئے کھانا پکانے کے لئے اور کپڑے دھونے اور نہانے کے لئے بھی پانی میسر نہیں ہے۔ اس منحوس مقام پر خود کو صاف ستھرا رکھنا ناممکن ہے۔'' وہ پوری آواز سے چلاّیا ''میں اس منحوس جگہ سے نفرت کرتا ہوں''! میں اس منحوس جگہ سے نفرت کرتا ہوں''! وہ اپنی چٹائی پر گر گیا اور اپنی بھینچی ہوئی مٹھیوں کو زمین پر رگڑنے لگا۔

''میرے بھائی'' منصور پکار اٹھا۔ ''تم وارد ہو کر رہنے والی تقدیر سے نہیں لڑ سکتے۔ تم بہت زیادہ بیمار رہے ہو۔ اب تمہیں چاہیے کہ لیٹ جاؤ اور مکمل آرام کرو''

''آرام؟'' ملک وہاب چلا اُٹھا۔ میں کیسے آرام کر سکتا ہوں...... میں تو یہاں ایک قید اور جیل کی زندگی گزار رہا ہوں...... بلاکسی تاخیر کے اپنے بچوں کو ساتھ لے کر مجھے یہاں سے کہیں دور چلے جانا چاہیے...... احمد خلیل آؤ میں تمہیں اور خلیفہ کو اپنے ساتھ لے کر شہر جا رہا ہوں......''

''میرے بھائی! کیا تمہاری عقل ماری گئی ہے؟ تم پیسوں کے بغیر شہر کیسے جاؤ گے؟''

''میں وہاں ایک مہذبانہ رہائش رکھ سکتا ہوں'' ملک وہاب نے اصرار کیا۔ مجھے اپنی مادری زبان عربی کے علاوہ انگریزی اور ترکی زبانیں بولنے' پڑھنے اور لکھنے پر عبور حاصل ہے...... میں نے اپنی ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے علاوہ تمام مطلوبہ ضروری تعلیمی امتحانات اعزاز کے ساتھ پاس کیے ہیں۔ وہ اپنے ٹین کے صندوق کے پاس گیا اور اسے اپنی چابی کے ساتھ کھولا۔ ایک فاتحانہ انداز سے اُس نے دستاویزات کا ایک بنڈل نکالا۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے بہت نرمی سے اسے کھولا اور اپنے بھائی کو تھماتے ہوئے اس کی

Marfat.com

طرف داد طلب نگاہوں سے دیکھا۔! دیکھو! یہ رہیں میری سندات فضیلت! میں حکومت کی ملازمت کی ذمہ داری انجام دینے کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہوں یا پھر میں کہیں بھی سکول میں پڑھا سکتا ہوں۔ میں اب مزید عرصہ یہاں حیوانوں کی طرح کام نہیں کر سکتا......! میں اپنے بچوں کو جانوروں کی طرح پرورش پاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا......''

''ابھی تک تو'' منصور نے اُسے یاد دلاتے ہوئے کہا کہ ''ابھی تک تو تم یہاں میرے ساتھ عرصہ تیرہ سال سے رہ رہے ہو......''

''محض اس لئے کہ مجھے یہاں رہنے کے لئے مجبور کر دیا گیا تھا۔ اس میں میری رضا و رغبت شامل نہیں تھی۔ اگر خدیجہ کے والد نے مجھے اپنی بیوی کو شہر لے جانے کی اجازت دے دی ہوتی تو آج خدیجہ اور میرے ساتوں بچے زندہ اور اچھے نصیب سے مالا مال ہوتے! لیکن خدیجہ اپنے والد کی بہت فرمانبردار تھی وہ اپنے والد کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں رکھتی تھی۔ جب بھی میں اُسے قائل کرنے کی کوشش کرتا تو اُس کا صرف ایک ہی جواب ہوتا کہ'' یہ دھرتی تو میری زندگی ہے! میں اسے کبھی نہیں چھوڑوں گی! وہ اپنی بڑی بہن سے کتنی مختلف تھی جو کہ منہ زور اور سرکش تھی۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس سے کہیں زیادہ خوبصورت تھی......''

یہ باتیں سن کر احمد خلیل چونکا پہلے وہ یونہی بے حسی سے بیٹھا ہوا تھا اب وہ مکمل طور پر متوجہ ہو کر چوکنا ہو گیا۔ اُس نے اپنے کان کھڑے کیے اور اپنے باپ کی گفتگو سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو گیا۔ اُسے آج تک یہ معلوم نہیں تھا کہ اُس کی امی کی کوئی بہن بھی تھی۔ اس سے پہلے خالہ کے بارے میں اسے کسی نے بھی نہیں بتایا تھا...... یہ عورت کون تھی؟

احمد خلیل کے باپ نے بیٹے کی موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے' اس کے چچا سے اپنی گفتگو جاری رکھی۔ کیا تمہیں وہ افواہ یاد نہیں کہ اُس لڑکی نے نجبا Negba کے ایک یہودی سپاہی سے خفیہ مراسم استوار کر لئے تھے اور اُس یہودی سپاہی نے اُسے عصمت لٹانے پر آمادہ کر لیا تھا؟ یہودیوں کی عورتیں اتنی کرخت' کھردری' گستاخ اور بے حیا ہوتی ہیں کہ مردوں کی طرح چھوٹے چھوٹے کٹے ہوئے بال رکھتی ہیں اور مردوں ہی کی مانند خاکی رنگ کی قمیضیں اور پتلونیں پہنتی ہیں کہ اُن کے بعض مردوں کو ہماری عورتیں کہیں زیادہ دل کش دکھائی دیتی ہیں...... شیخ نے اُس وقت تک کوئی کارروائی نہیں کی۔ جب

Marfat.com

تک کہ اُسے اس شرمناک واقعہ (سکینڈل) کے سچ ثابت ہونے کے بارے میں پورا یقین نہ ہو گیا۔ وہ رات' میں کیسے فراموش کر سکتا ہوں' جب کہ وہ غائب ہو گئی تھی۔ یوسف ملک اور اس کے دو بڑے بھائیوں نے اُسے کھیتوں میں سپاہی کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں دیکھا تو اُن کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور پھر وہ اپنے خنجروں اور چھروں کے ساتھ دونوں پر پل پڑے اور ان کا کام تمام کر دیا!!! شیخ نے اپنی بیٹی سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا...... کیونکہ وہ ایک شرمناک غداری' بے حیائی کی مرتکب ہوئی تھی۔ شیخ نے اس امر پر اصرار کیا کہ لڑکی کو نجبا میں دفن کیا جائے۔ جب آبادکاروں نے دو لاشیں دیکھی تھیں تو اس کے بعد انہیں دوبارہ کبھی ہماری خواتین کے نزدیک آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ باتیں سن کر احمد خلیل حیرت سے بھونچکا ہو کر رہ گیا۔ وہ اس بارے میں قطعی طور پر بے خبر تھا اور اس کی امّی نے بھی اس طرح کی کوئی بات اُسے کبھی نہیں بتائی تھی اور نہ ہی اپنی بہن کے بارے میں کبھی کوئی ذکر کیا تھا...... اس نے سوچا یہ تمام واقعات اُس کی پیدائش سے بہت پہلے رونما ہوئے ہوں گے......

احمد خلیل کی موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے' اس کے باپ نے اپنی گفتگو اس طرح جاری رکھی' جیسے وہ خود سے باتیں کر رہا ہو' اور گویا یہ تمام واقعات مشہور ہوں اور اس کے بھائی منصور کو یہ واقعات اچھی طرح یاد ہیں......!

''چونکہ وہ اس کے بچوں میں سب سے چھوٹی تھی اس لئے خدیجہ ہمیشہ شیخ کے لئے بہت لاڈلی تھی اور شیخ کو سب سے بڑا یہ خوف کھائے جا رہا تھا کہ بڑی بہن کی بدنامی کے بعد کوئی بھی خدیجہ سے شادی کرنے کو تیار نہ ہو گا......! جب میں نے شیخ کو بتایا کہ میں خدیجہ کی بہن کے گناہوں کے سبب خدیجہ کی تباہ شدہ ساکھ کے بارے میں کبھی خیال بھی نہیں کروں گا۔ تو شیخ خدیجہ کے لئے ایک خاوند مل جانے پر اتنا زیادہ خوش ہوا کہ میرا سیاہ رنگ اور ماضی میں میرا بطور غلام زندگی گزارنا بھی اس کے لئے رکاوٹ نہ بن سکا...... لیکن میرے غلام خاندان سے متعلق ہونے سے قطع نظر' اُس کی بہن کی کرتوتوں کے سبب گاؤں میں خدیجہ کی حیثیت بالکل گر گئی تھی' اور زندگی بسر کرنے کے لئے جان توڑ محنت

Marfat.com

طلب اور سخت غربت کے حالات میں ہماری شادی انتہائی سادگی سے ہوئی۔ بس دُعاؤں پر مبنی ایک مختصر سی تقریب ہوئی جس کا اہتمام شیخ نے کیا تھا' جس میں تمہارے علاوہ یوسف ملک ہماری شادی کے گواہ تھے۔ کوئی ضیافت ہوئی اور نہ کوئی جشن۔ جب شیخ نے خدیجہ کو مجھ سے بیاہا تو میں تیس سال کی عمر کا ایک پختہ کار مرد تھا' لیکن وہ محض تیرہ (۱۳) سال کی ایک سادہ سی لڑکی تھی...... اس کی وفاداری کے بارے میں کوئی کلام نہیں' لیکن میں تو بطور بیوی ایک ایسی عورت کا خواہشمند تھا جو کہ شہر کی رہنے والی اور ماڈرن تعلیم یافتہ ہو۔ میں تو خدیجہ کی دنیا کو ہرگز نہ سمجھ سکا' ہر نوع کے تغیر و تبدّل کے خلاف اس کی شدید مزاحمت اور ہر قسم کی ترقی کے خلاف اس کی متعصبانہ نفرت' اور نہ ہی وہ مجھے سمجھ سکی! دو مخالف تہذیبوں کے درمیان صدیوں کی ایک ناقابلِ عبور خلیج' جن کے مابین نہ کوئی رابطے کی اجازت' نہ کوئی قدردانی' نہ کوئی مفاہمت اور نہ کوئی احترام تھا اسی چیز نے ہمیں ایک دوسرے سے ذہنی طور پر الگ تھلگ رکھا۔ میں اس بات کو کبھی نہ سمجھ سکا کہ اس میں قدرتی حسن کی دلکشی کے علاوہ ایسی کون سی بات تھی کہ میں اس سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا۔ اس لئے اُسے بطور بیوی کے قبول کرتے ہوئے میں نے اتنا طویل زمانہ یہاں قیام کیا۔ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی......"

رات پڑ چکی تھی اور کمرے پر تاریکی مسلط تھی۔ وہ مسجد سے آنے والی اذان کی آواز سن رہا تھا لیکن اب اُسے اذان کی آواز سے تسکین نہ ملی' کیونکہ والدہ کے بغیر اُسے کہیں بھی سکون دکھائی نہ دیتا تھا۔ جس طرح نانا جان کے بغیر اُسے کسی بھی طرح کے تحفظ اور اطمینان کا احساس باقی نہ رہا تھا۔ اس ہستی کے بعد وہ اپنی امّی سے بہت محبت کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی امّی کا قرب اور تپاک محسوس کرتا تھا۔ احمد خلیل اپنے باپ سے محبت نہیں کرتا تھا جو کہ اب پہلے سے بھی زیادہ سرد مہر' بیگانہ اور تنہا دکھائی دے رہا تھا۔ اُسے اس بات کا کبھی یقین نہ ہوا کہ اس کا باپ واقعی اُس سے حقیقی محبت رکھتا ہے۔ اگر اُس کے باپ نے کبھی اُس سے پیار بھی کیا تو پدری محبت سے نہیں۔ بلکہ محض اس لئے کہ اب اُسے ایک بیٹے کے باپ ہونے پر فخر تھا جو کہ اس کے لئے وہ کارنامے سرانجام دے گا جنہیں وہ خود نہ انجام دے سکا۔ احمد خلیل جانتا تھا کہ اس کے والد کو

Marfat.com

اس کی موجودہ شخصیت سے ہرگز محبت نہیں اور نہ ہی وہ اپنے باپ کو خوش کر سکتا تھا' کیونکہ اس کا والد جس قسم کی شخصیت میں اپنے بیٹے کو ڈھالنا چاہتا تھا ایسی شخصیات کی تعریف وتحسین اُسے ہرگز پسند نہ تھی۔

رات گئے بہت دیر تک لڑکا زاروقطار روتا رہا لیکن کوئی بھی اُس کا دُکھ سننے یا تسلی دینے والا نہیں تھا۔ وہ سب لوگ جو اس سے محبت کرتے تھے' اس سے چھین لئے گئے تھے اور اب وہ اس بے رحم' بے حس' مخالف دنیا میں بالکل تنہا رہ گیا تھا!

☆......☆......☆

Marfat.com

آٹھواں باب

یہودیوں کی بستی

کئی مہینے معیادی بخار ٹائیفائیڈ کی وبا نے عراق المنشیا کے گاؤں میں نجبا کے یہودیوں یا بدوؤں کے تباہ کن حملوں سے بھی زیادہ تباہی پھیلائی۔ لیکن نجبا اس وبا سے بالکل محفوظ رہا کیونکہ آبادکاروں نے فوری طور پر طبی اور حفظان صحت کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کر لی تھیں۔ انتدابی حکام کے حکم کے مطابق غزہ کے گورنر نے انتہائی سخت احکامات کے تحت عراق المنشیا کے پورے گاؤں کو علیحدہ قرنطینہ میں رکھا تا کہ یہ مہلک وبا کہیں ملک کے دوسرے حصوں میں نہ پھیل جائے۔

نجبا سے دو ڈاکٹر اور چار نرسیں جو کہ جرمنی سے بطور پناہ گزین یہاں آ کر آبادکار بن چکے تھے۔ وہ غیر مسلح حالت میں اور پہرہ داری وغیرہ کے حفاظتی اقدامات کے بغیر عراق المنشیا کے گاؤں میں طبی امداد کی پیش کش لے کر آئے۔ لیکن یہاں ماؤں نے اپنے بچوں کو چھپا لیا اور پورے گاؤں میں سے کوئی بھی ان سے علاج کروانے نہ آیا۔ کیونکہ گاؤں والوں کا خیال تھا کہ ان ٹیکوں اور دوائیوں میں زہر تھا۔ لیکن ڈاکٹر نڈر ہو کر قبائلیوں کو اپنے بیمار بچوں کو علاج کے غرض سے لانے کے لئے مستقل مزاجی سے قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جس کا نتیجہ ایک انتہائی اشتعال انگیز بحث بحثی اور مجادلہ کی صورت میں ظاہر ہوا...... چار قبائلی نواح سے آئے اور اُنہوں نے ڈاکٹروں پر بندوق سے فائر کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آئے دن کے حملوں، مسلسل چوریوں اور تقریباً ہر روز ہونے والی قتل کی بے ہنگم وارداتوں سے تنگ آئے ہوئے آبادکار اب ڈاکٹروں کے قتل کے بعد غضبناک ہو گئے اور انہوں نے تمام افراد مردوں، عورتوں اور آخری بچے

Marfat.com

سمیت تمام قبیلے کا قلع قمع کرنے کی قسم کھائی اور یہ طے کیا کہ عربوں کو مارنے اور زخمی کرنے کے لئے ان پر اپنا قیمتی اسلحہ ضائع کرنے کے بجائے اس سے کہیں زیادہ آسان اور موثر طریقہ تو یہ ہے کہ ابھی انتظار کیا جائے اور موجودہ وبائی بیماری کے مہلک جراثیم کو ان کے اندر پھیلنے اور کام کرنے کا موقع دیا جائے! غیر قانونی آبادکاروں کے ریلے یورپ کے اکثر ملکوں سے نجبا اور دوسری نوآبادیوں میں اُمڈے چلے آ رہے تھے اور مزید زمین حاصل کرنے کی روز افزوں اور مسلسل طلب کے سبب عراق المنشیا کے اردگرد ان آبادکاروں کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا۔

اس وبا میں شیر خوار بچہ' خلیفہ معجزانہ طور پر محفوظ رہا۔ وہ خاندان کے بچوں میں واحد بچہ تھا جو بیماری کا شکار نہ ہوا۔ اس کی چچی حلیمہ اُس کی پرورش کر رہی تھی اپنی چھاتیوں کا دودھ اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ اُسے بھی پلاتی تھی اور جب اُس کا اپنا بچہ فوت ہو گیا تو اس نے تمام دودھ اکیلے خلیفہ کو پلانا شروع کر دیا۔

بعض اوقات بچہ اسے مشتبہ اور مخالفانہ نظروں سے یوں گھورتا کہ وہ ڈر کر رہ جاتی۔ یوں معلوم ہوتا کہ گویا وہ اس بات کو جانتا ہو کہ وہ اس کی ماں نہیں ہے اور جب وہ مزید دُودھ کے لئے چیختا چلاتا نہیں تھا تو کھیتوں اور گھر میں کام کرتے وقت وہ مطمئن ہو کر اس کی کمر سے چمٹا رہتا۔ اس کا پتلا اور غمگین چہرہ حلیمہ کے کندھوں کو غور سے دیکھتا رہتا اور جب وہ کام سے فارغ ہو کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھتی تو بچہ خاموشی سے اس کے بازوؤں میں پڑا ہوا اپنا انگوٹھا چوستا رہتا۔

مہینے پر مہینے گزر گئے اور اپنے دو سالہ بھائی کے بارے میں احمد خلیل کی حیرت بڑھتی گئی کیونکہ وہ یوں دکھائی دیتا جیسے وہ اپنے بڑے بھائی کو بھی پہچانتا ہی نہ ہو...... اس کے والد نے کہا کہ اس بچے کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہیے۔ وہ دوسرے بچوں کی طرح ہنسنے' کھیلنے اور چیخنے چلانے کے بارے میں انتہائی بے حس واقع ہوا تھا۔ سارا دن وہ کمرے کے ایک ہی کونے میں اپنے اردگرد کی ہر چیز سے لاتعلق ہو کر بیٹھا رہتا۔ اُس کا باپ اس کے بارے میں بہت پریشان تھا کیونکہ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لڑکا بالکل کند ذہن نکلے لیکن احمد خلیل مجہول اور کند ذہن بچوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ کیونکہ عراق المنشیا میں اگر کوئی فاتر العقل بچہ پیدا ہوا بھی تھا تو وہ زندہ نہیں رہ سکا تھا...... لیکن اس کا باپ اب بھی اس کی ذہنی پسماندگی کے بارے میں بہت متفکر تھا' کیونکہ

Marfat.com

اُس نے دودھ چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ چلتا پھرتا بھی نہیں تھا' اور اپنے آپ کو خوش رکھنے کے لئے ایک عجیب و غریب اور ناقابل فہم شور وغوغا کے علاوہ کوئی بات چیت بھی نہیں کرتا تھا......!

احمد خلیل بڑے غور سے اپنے بھائی کے چہرے کو دیکھتا وہ کبھی یہ باور نہیں کر سکا تھا کہ خلیفہ مجہول اور فاتر العقل ہے۔ اُس کے چہرے پر کھردرے پن اور کند ذہنی کے کوئی آثار نہ تھے۔ بلکہ اُس کا چہرہ تو تمام کا تمام مفکرانہ اور حساس تھا...... وہ محض اُداس اور غمگین دکھائی دیتا۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا کہ ضرور کسی ناقابل فہم پیچیدگی کا شکار ہے' جس کا علاج کیے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ احمد خلیل نے اپنے باپ' ماموں اور چچا کو اس بارے میں کئی بار مسلسل گفتگو کرتے ہوئے سنا۔

آخرکار یوسف ملک نے اس کے علاج کی تگ و دو کے لئے ملکِ وہاب سے وعدہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے پاس ڈاکٹروں کے لئے پیسہ نہیں ہے اور مجھے تو اس میں بھی شبہ ہے کہ کوئی ڈاکٹر اس کا علاج کر بھی سکے گا یا نہیں......! میں اس کے لئے کوئی قرآنی علاج حاصل کروں گا''

''میں کسی قسم کے تعویذ گنڈوں یا ٹونے ٹوٹکوں کے بارے میں قطعی خوش فہمی نہیں رکھتا'' ملک وہاب نے فوراً غصے میں جواب دیا۔ ''یہ سب کچھ اوہام پرستی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے''۔

''یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ قرآن مجید میں تمام بیماریوں کا علاج ہے۔''

اس کے ماموں نے اصرار کیا۔ ''اور اس پر ہمارا خرچ بھی کچھ نہیں آتا جبکہ تمام ڈاکٹر علاج کرنے کے لئے اتنی زیادہ فیس لیتے ہیں جبکہ انہیں معلوم بھی ہوتا ہے کہ بیمار لوگ انہیں اتنی زیادہ رقم نہیں دے سکتے''

''تو پھر تم اپنی مرضی کرو'' ملک وہاب نے آہ بھرتے ہوئے کہا......! ''میں سمجھوں گا کہ ہمارے پاس کھونے کے لئے کچھ بھی نہیں''!

صبح ہوئی تو یوسف ملک ننھے خلیفہ کو اپنے گدھے پر بٹھا کر غزہ لے گیا۔ احمد خلیل نے اپنے ماموں کے ساتھ جانے کے لئے بہت منتیں کیں اور آخرکار وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے پیدل چلتا ہوا ساتھ آیا۔ مسجد کے عقب میں واقع امام صاحب کے انتہائی بوسیدہ سے

Marfat.com

دفتر میں یوسف ملک نے امام مسجد کو اپنے ننھے بھانجے اور اس کی طبیعت کے بارے میں بتایا۔ امام صاحب نے انتہائی شفقت بھرے انداز میں بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور پھر اپنے بچوں کو آواز دے کر بلایا اور اُن سے کہا کہ وہ اس بچے (خلیفہ) کو اپنے کھلونے دکھائیں۔ خلیفہ بالکل ہی خاموش رہا۔ اس کے بعد امام صاحب نے لکڑی کے ایک تختے پر کالی روشنائی سے قرآنی آیات لکھ کر انہیں دھونے کے بعد اس پانی کو ایک بڑی بوتل میں ڈال دیا اور یوسف ملک کو ہدایت کی کہ وہ اپنے ننھے بھانجے کو یہ پانی روزانہ دوائی کے طور پر پلائیں۔

ہر روز علی الصبح وہ ننھے خلیفہ کو ایک پیالے میں یہ پانی تھوڑی سی مقدار میں ڈال کر دیتا اور وہ اس گراں بہا سیال کا ایک ایک قطرہ انتہائی تشنگی کے انداز میں پی جاتا۔

ملک وہاب یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ خلیفہ سچ مچ ٹھیک ہو گیا ہے اور اس کی حالت پہلے سے کافی بہتر ہوگئی ہے۔ اُس نے عام معمول کے مطابق باتیں کرنا شروع کر دیں اور اس کے بعد زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اُس نے پیدل چلنا بھی شروع کر دیا۔ اب وہ پہلے سے کہیں زیادہ چوکس دکھائی دیتا تھا اور اُس نے اپنے اردگرد کے معمولات میں دل چسپی لینا شروع کر دی۔ لیکن وہ ابھی تک دودھ چھوڑنے سے انکاری تھا اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر تن تنہا اکڑوں بیٹھا رہتا۔ گاؤں کے بچوں میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ نہ کھیلتا۔ وہ مسکراتا یا ہنستا بھی نہیں تھا۔

جونہی بچے کسی حد تک توانا ہو گئے تو یوسف ملک نے احمد خلیل اور اس کے چچازاد اور ماموں زاد بہنوں' بھائیوں کو بھیڑوں بکریوں کے ریوڑوں کی نگرانی اس اُمید پر سونپ دی تاکہ بچے مکمل طور پر اپنی صحت کی نشوونما کر سکیں۔ احمد خلیل کو یہ کام بہت پسند آیا۔ کیونکہ اس طرح اسے کھلی فضا خالص تازہ ہوا میں کھیلنے کے لئے بہت موقع ملتا اور وہ کسی فکر اور غم کے بغیر اپنے ماموں زاد اور چچا زاد بہنوں بھائیوں کے ساتھ صبح سے لے کر شام تک بھاگتا دوڑتا' خوشی سے چلاتا اور جی بھر کر دودھ پیتا...... چراگاہ عراق المنشیا اور نجبا کے درمیان ایک سرحد کا کام دیتی تھی......

''اسماء اب آؤ اور میرے عقب میں آ کر ٹھہر جاؤ'' احمد خلیل اُسے بلاتا ''میں یہودیوں کو اسی طرح گولی ماروں گا جس طرح وہ ہمیں فائرنگ سے مارنے کی کوشش کرتے ہیں'' دیکھو! ''اُس نے بڑے فخر سے کہا وہ تمام کے تمام مارے جا چکے ہیں اب ہمیں مزید

Marfat.com

یہودیوں کو قتل کرنے کے لئے تلاش کرنا ہے!''

اپنی دانست میں لڑائی کی چیخ و پکار کا جوش ظاہر کرتے ہوئے چاروں بچے دُشمن کے تعاقب کی کوشش میں دوڑتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔

''وہ اُدھر ہیں'' ننھے رشید نے چلاتے ہوئے کہا۔ اُس سے اپنے چھوٹے سے کالے بازو سے اُدھر اشارہ کیا۔ ''دیکھو''

اُنہوں نے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا شروع کیا اور حیرت سے اُن کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے کہ روشن آنکھوں والے خوش وخرم یہودی بچوں کا ایک گروہ جس نے اپنی کمر پر تھیلے باندھ رکھے تھے اور اُن سب نے ایک ہی طرح کی وردی پہن رکھی تھی جو کہ نیلی پتلونوں اور سفید قمیضوں پر مشتمل تھی۔ یہ لباس ان کے جسم پر بمشکل پورا آتا تھا اور بچوں کے بازوؤں اور ٹانگوں کی ساخت کو نمایاں طور پر ظاہر کر رہا تھا۔ طویل پیدل سفر کی مہم پر جانے والا یہودی بچوں کا یہ گروہ ان کے سامنے سے فوجی پریڈ اور مارچ پاسٹ کرتے ہوئے گزرا۔ احمد خلیل نے اس خیال سے انہیں بغور دیکھا کہ شاید وہ صیہونی بچوں کی نیم عسکری تنظیم ''گدنا'' کا تمغہ لگائے ہوں یا مسلح ہوں۔ لیکن صاف دکھائی دے رہا تھا کہ ان لڑکوں اور لڑکیوں کی عمر ابھی اتنی نہ ہوئی تھی کہ وہ اس تنظیم میں شمولیت اختیار کر سکیں۔ اُن میں سے کچھ چھوٹے چھوٹے بچے چلنے کے ساتھ ساتھ پھل کھاتے ہوئے' کاغذ کے لفافوں میں سے ٹافیاں نکال نکال کر چپڑ چپڑ چباتے جا رہے تھے۔ چھوٹی عمر کے کچھ بچوں کے منہ ٹافیوں کے رنگ سے لال ہو رہے تھے۔ چھوٹے بچوں کے گلاب جیسے چہرے معصومیت سے دمک رہے تھے۔ وہ ابھی نفرت کے مفہوم سے ناآشنا تھے۔ ان بچوں نے خوشی کے نعروں سے ان کا استقبال کیا اور دوستانہ انداز میں ہاتھ ہلائے۔ اس کے جواب میں عرب بچے بالکل نہیں مسکرائے۔ بلکہ وہ بیزاری کے ساتھ اُن کے قہقہے اور چپڑ چپڑ پر مبنی اُن کی ناقابل فہم باتیں سنتے رہے' حتیٰ کہ احمد خلیل نے ایک پتھر اُٹھایا اور اُن کی طرف پھینکا۔ اور جس وقت احمد خلیل' عبدالعزیز' اسماء اور رشید اُن پر زوروں سے پتھر پھینکتے ہوئے اُن یہودی بچوں کا تعاقب کر رہے تھے تو اِن عرب بچوں کے دل میں مہلک آتشیں ہتھیاروں کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔

محض تجسس' جس میں کھانے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ہمیشہ مل جانے کی کشش بھی شامل تھی۔ ان باتوں نے احمد خلیل کے لئے نجبا کو ایک ایسی کشش والی جگہ بنا دیا۔ نجبا

Marfat.com

میں گھومنے پھرنے کی خواہش اُس کی گویا ایک ایسی کمزوری تھی جس پر وہ قابو نہیں پا سکتا تھا۔ یہاں احمد خلیل دُور دُور تک اکیلا ہی کئی کئی گھنٹے اِدھر اُدھر آوارہ پھرتا رہتا۔ یہاں کے یہودی عربوں کو دیکھنے کے اتنے خوگر ہو چکے تھے کہ وہ انہیں بے حیثیت سمجھتے ہوئے اُسے کوئی اہمیت نہ دیتے۔ اُن کی جذبات سے عاری سرد مہر آنکھیں اُسے اس طرح نظر انداز کرتے ہوئے دیکھتیں جس طرح کہ بہت عرصہ پہلے غزہ کی گورنر کی بیوی نے اُسے بے حسی کے انداز میں گھورا تھا۔ گویا وہ خود کو بہت اُونچے درجے کی مخلوق تصور کرتے ہوئے اُسے ایک حقیر کیڑے مکوڑے کی حیثیت سے دیکھ رہے ہوں۔ عراق المنشیا کے بیرون اُن کا اس انداز سے دیکھنا گویا اُسے اپنی اوقات سے باہر ہونے کی اجازت نہ دیتا۔ یہ حقارت آمیز نگاہیں اُسے نیم وحشی کی سطح تک گرا دیتیں۔ اور یہ احمد خلیل کے لئے روزمرہ کا ایک معروف تجربہ بن گیا تھا۔ نمعلوم اس کیفیت سے وہ کتنی بار دو چار ہو چکا تھا کہ اب اس صورت حال کا سامنا ہونے پر اُس کے لئے ذہنی کوفت کا ہلکا سا احساس بھی پیدا نہ ہوتا تھا۔

وہ خوشنما' سفید رنگ کے گھروں کے قریب سے گزرتا چلتا گیا جن کی ڈھلوان چھتوں پر سرخ رنگ کی ٹائیں لگی ہوئی تھیں۔ یہ مکانات سایہ دار درختوں' خنک گھاس' اور رنگ برنگے پھولوں سے گھیرے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کے دروازے کھلے دیکھ کر وہ اس کے اندرونی کمروں میں گھومتا رہا۔ جنہیں انتہائی خوش ذوقی سے پلنگوں' بستروں' میزوں' کرسیوں اور کتابوں سے بھرپور الماریوں سے سجایا گیا تھا۔ اس سے پہلے اُس نے اتنی کثیر تعداد میں کتابیں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ اس سے قبل کہ اُسے یہ معلوم ہوتا کہ وہ کہاں پھر رہا ہے' اُس نے خود کو بچوں کی پرورش گاہ (نرسری) کے کمرے میں پایا۔ ننھے منے بچے اپنی پلنگڑیوں میں دھوپ کھاتے ہوئے پیانو سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کچھ نرسیں شیر خوار بچوں کو اپنے بازوؤں میں لئے ہوئے انہیں دلیا' دودھ' مالٹے کے رس' اُبلے ہوئے انڈوں اور مچھلی کے تیل کی خوراک کھلا رہی تھیں۔ بچوں کے کمرے میں آویزاں صیہونیت کے مسلمہ بانیوں تھیوڈر ہرزل اور شیم ویزمین کی فریم شدہ تصویروں کو دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ اُسے یوں معلوم ہوتا تھا کہ دیوار کی بلندیوں سے یہ تصاویر اُسے گویا گھور کر دیکھ رہی ہیں۔ کھڑکیوں پر لٹکے ہوئے پھولدار نقش و نگار والے پردوں پر داغ دھبوں اور میل کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ بچوں نے احمد خلیل کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ

Marfat.com

ہنستے ہوئے خوشی سے چلا رہے تھے اور اپنے بستروں اور چارپائیوں پر اُوپر نیچے اُچھل کود کرتے ہوئے ایک دوسرے پر تکئے' سرہانے پھینک رہے تھے گویا وہاں کانوں کے پردے پھاڑنے والا ایک شور برپا تھا۔ ہر طرف افراتفری اور گڑبڑ مچی ہوئی تھی لیکن وہاں کوئی بھی بڑا بزرگ نہیں تھا جو کہ انہیں قابو میں رکھنے کے لئے سرزنش کرتا اور اس گستاخی' نافرمانی اور انتہائی بری گستاخانہ عادتوں پر سزا دیتا۔ اس کے خاندان میں تو اس طرح اودھم مچانے' بے ادبی' بداطواری اور ناشائستہ طور طریقوں کو ایک لمحے کے لئے بھی برداشت نہیں کیا جاتا تھا...... اس کے ہاں تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ کسی بچے نے پلٹ کر اپنے والدین کو جواب دیا ہو۔ اس کے برعکس یہاں اُسے یہ دیکھ کر دُکھ ہوا کہ یہاں کسی بڑے کا احترام نہیں' کسی بھی روایت کی پاسداری نہیں اور کسی قسم کے اختیار رکھنے والے کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔ یہ کیسے عجیب اطوار رکھنے والے لوگ تھے......! آج تک اُس نے جتنے معقول' بالغ اور سمجھ دار لوگوں کو دیکھا تھا وہ گرمی اور سردی سے بچاؤ کے لئے اپنے آپ کو تہہ در تہہ کپڑوں میں لپیٹتے ہوئے اتنا ساتر لباس پہنتے کہ صرف اُن کے پاؤں ہی ننگے دکھائی دیتے۔ اُس کے اپنے گاؤں عراق المنشیا میں صرف ننھے منے اور شیر خوار بچے ہی ننگے نظر آتے۔ لیکن یہاں نجبا میں تو نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ننگے سر عریاں بازوؤں اور ٹانگوں کے ساتھ کھلے بندوں آزادی سے گرم ترین دھوپ اور روشن دن میں کھیتوں میں بغیر کسی شرم کے ایک دوسرے سے گھلے ملے نظر آتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ وہ کام سے زیادہ کھیل کو اہمیت دیتے ہیں۔ اور یہاں بہت سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے انداز میں بچوں کے ساتھ ساتھ بالغوں کے لئے بھی تفریح اور کھیل تماشے کا اہتمام تھا۔ یہ لوگ اپنی قوت اور توانائی کے ساتھ کئی کئی کھیلوں اور تفریحات میں مشغول رہتے۔ اپنی فرصت کے اوقات میں وہ کئی کئی گھنٹے ریڈیو سے لیکچر' غنائیہ موسیقی سنتے' ٹولیوں (کورس) کی صورت میں گاتے بجاتے' اکٹھے ہو ہو کر گروہی رقص کرتے' شوقیہ تصویر کشی اور تھیٹر پر ڈرامے وغیرہ دیکھنے میں مصروف رہتے۔

یہودیوں کو موسیقی سے گہرا لگاؤ تھا۔ اور جب اُن کا روزمرہ کا کام ختم ہو جاتا تو ان کے غیر پیشہ ور موسیقی کے رسیا ٹولے اکثر گھر سے باہر ساز و آواز کی محفلیں جماتے۔ احمد خلیل چوری چھپے بیتھوون کی پُراسرار موسیقی سننے کے لئے چکر لگاتا رہتا۔ ایک دفعہ وہ ایک خالی نشست سے وائلن چرا لایا۔ غصے میں بھرا ہوا سا زندہ اُس کے پیچھے بھاگا لیکن لڑکا اُس سے کہیں زیادہ تیز تھا اور بچ کر نکل گیا اور جب احمد خلیل وائکن گھر لے کر آیا تو اپنے

Marfat.com

والد سے اس کے متعلق پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ تو ملک وہاب نے اس کا جواب ایک زوردار پٹائی کی صورت میں دیا۔ اس کے ماموں اور چچا دونوں نے اس کی مزید پٹائی کی اور جب وہ اسے کافی سزا دے چکے تو انہوں نے اسے حکم دیا کہ وہ والکمن کو ٹھیک اسی جگہ پر رکھ کر آئے جہاں سے وہ اُسے اُٹھا کر لایا ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودی فوجی اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں آ پہنچیں اور ہم تمام لوگوں کو گولیوں سے بھون ڈالیں۔

اس کی سب سے زیادہ مرغوب جگہ پھلوں کا باغ تھا۔ جہاں سے وہ گلے سڑے اور حد سے زیادہ پکے ہوئے' منڈی کے لئے ناقص سمجھ کر پھینکے ہوئے سنگترے کھا کر اپنی بھوک مِٹا سکتا تھا۔ دو مرتبہ اُس نے چوری کرنے کے لئے ایک مرغی خانے کا دروازہ توڑا۔ چھ انڈے چرائے اور یکے بعد دیگرے انہیں کچا ہی بے تحاشا انداز میں کھا گیا۔ بعض اوقات حد سے زیادہ لدے ہوئے ٹرک میں سے کیک کا ایک ٹکڑا گلی کے عین درمیان گر جاتا تو احمد خلیل گلی کے گرد آلود فرش سے فوراً جھپٹ کر اسے اُٹھاتے ہوئے گھر کی طرف بھاگتا تاکہ وہ اس مزیدار سوغات کو اپنے چچا زاد اور ماموں زاد بہنوں بھائیوں میں احتیاط سے ہر ایک کے لئے حصہ وار تقسیم کرے۔ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے گھسڑ کر اکڑوں انداز میں بیٹھے ہوئے دُنیا و مافیہا سے غافل چاروں بچے' جہاں تک اُن کے جبڑے چلتے اس کیک کو انتہائی تیزی سے ندیدوں کی طرح بے تحاشہ چبا ڈالتے۔

بارہ سالہ عبدالعزیز بڑے اشتیاق سے آنکھیں اُوپر اُٹھاتے ہوئے احمد خلیل سے پوچھتا ''نجبا کی بستی اندر سے کیسی ہے؟ میرے والد نے مجھے وہاں جانے سے منع کر رکھا ہے......''

''یہ باہر سے بہت خوبصورت دکھائی دیتی ہے جبکہ اندر سے یہ بہت بھدی اور بدصورت ہے......''

کئی مہینے بعد' بھیڑ بکریوں کے درمیان گزرنے والے بے فکری کے دن بھی اچانک ختم ہو گئے۔ عبدالعزیز اب گھر سے باہر بہت کم نکلتا بلکہ وہ خاموشی سے اپنی بہن اسماء کے پہلو میں اکڑوں بیٹھے ہوئے ٹوکریاں بنتے' نرسل سے نئی چٹائیاں اور مُصلّے بنانے اور خاندان کے پھٹے پرانے کپڑوں میں پیوند لگانے اور مرمت کرنے میں اس کا ہاتھ بٹاتا رہتا۔ وہ بخار کے سبب کھیتوں میں کام کرنے نہیں جا سکتا تھا۔ اور احمد خلیل اُسے وہاں

Marfat.com

تلاش کرتا کیونکہ اس موقع پر عبدالعزیز کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت تھی۔ اُس کی چچی اور ممانی گھر گرہستی کے ان گنت دوسرے کاموں میں مصروف رہتیں لیکن اُنہوں نے احمد خلیل کو اپنے کپڑے دھونے' ان کی مرمت کرنے اور پیوند لگانے اور اپنا کھانا پکانے کا طریقہ سکھا دیا تھا۔ اگرچہ اُس کی عمر ابھی صرف دس سال کی تھی' لیکن اس کے باوجود وہ تمام دن کھیتوں میں کام کر سکتا تھا۔

جونہی سورج غروب ہوتا' تو وہ نماز پڑھنے کے بعد اپنے ماموں کے گھر دوڑا ہوا جاتا۔ جہاں کمرے کے اندھیرے کونے میں والد کی بھاری بھرکم اُونی عبا میں لپٹا ہوا عبدالعزیز مغموم و ملول اکڑوں نداز میں بیٹھا رہتا۔ اگرچہ شدید ترین گرمی کا موسم تھا لیکن اس پر بخار سے کپکپی اور لرزہ طاری رہتا۔ وہ گاہے گاہے منہ ہی منہ میں گلا پکڑنے والی کھانسی کھانستا۔ اپنے پھوپھی زاد بھائی کو ایک نظر دیکھنے سے اس کے مغموم چہرے پر ایک محزوں تبسم جگمگا اٹھتا۔

''آؤ اُوپر چھت پر چلیں'' احمد خلیل نے اصرار کیا۔ عبدالعزیز بمشکل اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا اور اس نے اپنے سونے والی چٹائی کو لپیٹا۔ وہ حالیہ گزشتہ سالوں میں غیر معمولی طور پر بڑی تیزی سے نشوونما پاتے ہوئے بارہ سال کی عمر میں ہی اتنا لمبا قد نکال گیا تھا کہ وہ بالکل بالغ اور جوان نظر آتا۔ وہ دونوں یکے بعد دیگرے اکیلے اکیلے تنگ سیڑھیوں پر چڑھتے گئے۔ احمد خلیل تو انتہائی تیزی کے ساتھ بلندی پر جا پہنچا اور بڑی بے صبری سے اپنے ماموں زاد بھائی کو اُوپر کھینچنے کے لئے اس کا انتظار کرنے لگا۔ عبدالعزیز نے چٹائی کو کھول کر بچھایا اور دونوں لڑکے پہلو بہ پہلو اس پر اکٹھے لیٹ کر صاف اور سیاہ آسمان کو دیکھنے لگے، جس پر ہزاروں روشن ستارے جگمگا رہے تھے۔ وہ تازہ ہوا سے لُطف اندوز ہونے لگے جو کہ صحرا سے آنے والے ہلکے اور خنک جھونکوں کو چھو کر قدرے سرد ہو رہی تھی...... یہ ہوا خفیف مقدار میں صحرائی ریت کے ذرّوں سے مملو تھی اور ابھی ابھی چلنا شروع ہوئی تھی...... ہر طرف خاموشی اور سکون کی کیفیت تھی۔

احمد خلیل نے باتوں باتوں میں کہا ''کل رشید اور میں نے نجبا سے تعلق رکھنے والے کچھ یہودی لڑکے دیکھے، جنہوں نے ہمارا مذاق اُڑاتے ہوئے ہمیں گالیاں دیں اور ہماری طرف تھوکا...... میں تو اُن سے ڈر گیا کیونکہ وہ ہم سے بہت لمبے' موٹے تازے اور بڑی عمر کے تھے اور ممکن ہے کہ اُن کا تعلق ''گدنا'' سے ہو......لیکن جب ہم نے بھی جوابی

Marfat.com

جملے میں اُن کی طرف پتھر برسانے شروع کیے تو چیختے چلاتے اور ہمارا مذاق اڑاتے ہوئے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے......"

عبدالعزیز نے جواب دیا کہ "اب تو تم ان پر پتھر پھینکتے ہو۔ لیکن جب تم بڑے ہو کر ایک جوان اور بالغ آدمی بن جاؤ گے تو تم اُن پر گولیاں چلاؤ گے۔ عنقریب ایک لڑائی ہو گی۔ میں جانتا ہوں۔ میں اسے محسوس کرتا ہوں...... میں آنے والی لڑائی کو صاف دیکھ رہا ہوں......"

☆......☆......☆

Marfat.com

نواں باب

خوشیوں بھرے دن

احمد خلیل عبدالعزیز کے پہلو میں چٹائی پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ جاگ چکا تھا اور فجر وقت موسم سرما کی آمد کی علامتوں کی آوازیں پہلی بار سن رہا تھا۔ شدید سردی سے بچنے کے لئے اُس نے اپنے والد کی چادر کھینچ لی اور اسے اچھی طرح اپنے اردگرد لپیٹ لیا۔ گرم بستر میں لیٹے ہوئے باہر سائیں سائیں چلتی ہوئی ہوا کی آواز کو سننا کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کروٹ بدلی اور ننھے رشید کی طرف متوجہ ہوا جو اس کے پہلو میں گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بازو پھیلے ہوئے تھے اور احمد خلیل نے اس کے ننھے مُنّے سیاہ ہاتھ کو بوسہ دیا۔ تب ہی اُس نے اپنے باپ کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ابا کہیں اتنی جلد نہ اُٹھ جائیں۔ ابھی تو اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

ملک وہاب نے بہت نرمی سے کہا ''احمد خلیل! آج کے دن کوئی کام نہیں ہے...... لہٰذا آج جو تمہارا جی چاہے وہی کرو''۔

جب بچوں نے نماز پڑھ لی، تو ان کا پورا دن شدید سردی سے بچنے کے لئے دُھوئیں سے بھری ہوئی آگ کے الاؤ کے گرد اکٹھے گھسیڑنے کے انداز میں بیٹھے ہوئے اپنی بوسیدہ عبائیں مرمّت کرنے اور انہیں پیوند لگانے میں گزر گیا۔ جبکہ حلیمہ نے اپنی چھاتی سے ننھے خلیفہ کو دُودھ پلایا وہ اپنی چچی کے دُودھ کے علاوہ کوئی دُوسری خوراک کھانے سے انکار کر دیتا۔ یوسف ملک نے فلوجہ اور رمجدل کے نواحی دیہات سے اپنے دوستوں کی ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔ اور اس موقع پر اس کی ممانی زینب نے مہمانوں کے لئے خصوصی طور پر لذیذ کھانا پکایا جو کہ سالم بھنی ہو بھیڑ کے ساتھ چاولوں پر مشتمل تھا۔ اس پر گرم گھی

Marfat.com

ڈالا گیا اور اسے لکڑی کے بڑے بڑے پیالوں میں بھرے ہوئے کھٹے اور ٹھنڈے دہی کے ساتھ مہمانوں کو پیش کیا گیا...... احمد خلیل نے اس مشترکہ اور بڑے کھانے کے گرد اکڑوں بیٹھ کر اپنے دائیں ہاتھ کی تین انگلیوں کے ساتھ اپنی پسند کے لقمے کھانا شروع کیے۔ ایک چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی کھانے کے اس صحیح طریقے سے آگاہ تھا...... احمد خلیل یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ عبدالعزیز پہلے کی نسبت کتنا بہتر اور صحت مند معلوم ہو رہا تھا۔ یہ اُس کی زندگی کے بہترین دنوں میں سے ایک دن تھا۔ اب اُسے بخار تھا نہ پہلے کی طرح بے تحاشا کھانسی تھی۔ شاید اللہ تعالیٰ نے ماموں زاد بھائی کی صحت وتندرُستی کے لئے اُس کی دُعائیں قبول کر لیں تھیں۔ شاید اللہ تعالیٰ اس کی بیماری دُور کرتے ہوئے جلد ہی اس کی صحت بحال فرما دے۔ اس سے پہلے تو یہ حال تھا کہ بیماری کے سبب عبدالعزیز کی بھوک بہت کم ہوگئی تھی اور وہ تقریباً کچھ بھی نہیں کھاتا تھا۔ لیکن آج تو وہ اس عمدہ کھانے سے پُوری طرح شکم سیر ہو کر لطف اندوز ہوا۔

اس نے اپنے سامنے کے سنبھالے ہوئے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے دھکیل کر احمد خلیل کے سامنے کر دیئے۔ جب وہ کھانے کی رفتار میں سُست روی دکھاتا تو عبدالعزیز چکنائی سے لتھڑی ہوئی اپنی انگلیوں سے ایک ایک کر کے گوشت کا ٹکڑا اُٹھاتا اور اسے عین اپنے پھوپھی زاد بھائی کے کھلے ہوئے دہن میں رکھ دیتا۔ دونوں لڑکے چہلیں کرتے ہوئے ہنس رہے تھے کہ یوسف ملک نے انہیں خاموش رہنے کا حکم دیا۔ ننھے رشید کو اس بات کی لگاتار نصیحت کی گئی کہ اُسے خودغرض یا لالچی' نہیں بننا چاہیے بلکہ اپنے سامنے والے کھانے میں سے کھاتے ہوئے دُوسروں کو ان کا حصہ دینا چاہیے۔ پُرشکم ہونے کے بعد سردی سے بچاؤ کے لئے آگ سے گرم کیے ہوئے کمرے میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر اکڑوں انداز میں اکٹھے بیٹھے ہوئے باہر چلنے والے جھکڑ کی آواز خاموشی سے سُن رہے تھے تو احمد خلیل کو اس پُرتپاک رفاقت نے ایک ناقابل بیان خوشی سے مالا مال کر دیا۔

☆......☆......☆

Marfat.com

دسواں باب

انوکھی امانت

آئے دن صحرا میں چلنے والے جھکڑ ریت کے بگولے اُڑاتے۔ احمد خلیل سرد نم آلود پتھر کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر اکڑوں بیٹھا ہوا جذبات سے عاری' اپنے بازوؤں میں نصف چہرہ ڈھانپے ہوئے دروازے کی درزوں میں سے گلی میں چلنے والے گردوغبار کے بادلوں کو دیکھتا رہتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس کی دعاؤں کے لئے در قبول وانہیں ہوا تھا۔ عبدالعزیز کے بارے میں اُس کی دُعا قبول نہیں ہوئی تھی اور اب عبدالعزیز کی حالت اچانک بہت خراب ہوگئی تھی۔ انتہائی طول پکڑ جانے والے شدید بخار نے اُسے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ وہ سہارے کے بغیر کھڑا ہوسکتا نہ چل سکتا تھا۔ وہ کھانسی کے شدید دوروں میں مبتلا تھا اور اکثر اوقات خون تھوکتا......! احمد خلیل کو اس بات کا یقین نہیں تھا کہ شاید کوئی...... حتیٰ کہ ڈاکٹر بھی اس کی کوئی مدد کر سکے۔ وہ اُداس' غمزدہ اور تھکے ماندے انداز میں کمر دُہری کیے ہوئے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا رہتا۔

اس وقت اُس کی چچی حلیمہ مسور اور چاولوں سے بھرے ہوئے ایک برتن میں کھانا پکا رہی تھی۔ رشید اور خلیفہ سمٹے سکڑے ایک دُوسرے کے ساتھ گھسیڑ کر اکٹھے آگ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ آٹا ڈالنے والی خالی ٹاٹ کے تھیلے' جن پر عبرانی زبان میں الفاظ لکھے ہوئے تھے، اُنہوں نے اپنے آپ کو گرم رکھنے کے لئے اپنے کندھوں کے گرد بہت کھینچ کر لپیٹے ہوئے تھے۔ سردی سے شل ہو جانے والی انگلیوں کو وہ آپس میں رگڑ رگڑ کر ملتے اور ٹھنڈ کی شدت سے نیلے ہو جانے والے دونوں ہاتھوں کو شعلوں کے اُوپر پھیلا کر تاپتے۔ رشید مسلسل اپنی امّی سے کھانا مانگے جا رہا تھا اور جب وہ کہتی کہ صبر کرو ابھی کھانا

Marfat.com

تیار نہیں ہوا ہے تو وہ رونا اور چلانا شروع کر دیتا۔

حلیمہ کو اس بات کی بہت خوشی تھی کہ چار سالہ خلیفہ نے آخر دُودھ چھوڑ ہی دیا تھا۔ اب اُس کی چھاتیوں میں بہت تھوڑا دُودھ رہ گیا تھا جو کہ خلیفہ کی بھوک مٹانے کے لئے کافی نہیں تھا اور وہ بھوک کے ہاتھوں کراہتے ہوئے لگا تار چلاتا رہتا۔ اُس کا بیٹا رشید' چھ سالہ بچہ ہونے کے باوجود انتہائی صبر سے خلیفہ کو بہلا کر مناتے ہوئے اُسے اپنے پاس بُلاتا، اور مُسور سے لتھڑی ہوئی چکنائی والی اپنی انگلیاں باہر نکالتا حتیٰ کہ خلیفہ انتہائی شوق سے انہیں چاٹتے ہوئے صاف کر دیتا۔ خلیفہ گرسنہ نگاہوں سے اس کی پلیٹ کو گھورتا رہتا۔ رشید روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو مُسور سے بھرتے ہوئے اس کے منہ میں رکھ دیتا۔ کھانا بہت اچھا اور بھوک مٹانے والا تھا۔ وہ اسے چباتے ہوئے ہڑپ کر جاتا۔ پھر خلیفہ اپنے چچا زاد سے مزید مانگتا......! اب اُس نے پھر کبھی دوبارہ حلیمہ سے دُودھ کا مطالبہ نہیں کیا۔

خلیفہ صبح سے لے کر شام تک محض ایک جگہ بیٹھے رہنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرتا تھا۔ گاؤں کے دُوسرے بچے اُسے چھیڑتے یا تنگ نہیں کرتے تھے۔ وہ اُسے نظر انداز کرتے ہوئے گلی میں سے یوں بھاگتے ہوئے گرز جاتے گویا وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ یہ صرف رشید ہی تھا جو اس کے ساتھ رفاقت رکھنا پسند کرتا اور پہلی دفعہ اُس نے خلیفہ کو سکھایا کہ کھیلا کیسے جاتا ہے۔

احمد خلیل اپنی ذہنی غفلت سے اُس وقت چونکا جب اُس نے سنا کہ عبدالعزیز نے اپنی غش زدہ آواز میں' جو کہ بمشکل ہی کسی سرگوشی سے زیادہ اُونچی تھی' اُسے بلایا۔ اُسے شدید درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں' احمد خلیل نے اُسے انتہائی بے بسی کے عالم میں چٹائی پر پڑے ہوئے دیکھا۔ وہ اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ اُٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ احمد خلیل کو دیکھتے ہی اس کے زرد بیمار چہرے پر نیلاہٹ سی آ گئی۔ ہر روز اُس کی آنکھیں دھنسے ہوئے حلقوں میں بڑی ہوتی جا رہی تھیں اور اس کی ملائمت سے بھرپور سیاہ آنکھوں میں ایک چمک نظر آتی گویا اس کی باقیماندہ زندگی کی تمام توانائی اور سرگرمی یہیں آنکھوں میں مرتکز ہو گئی ہو...... احمد خلیل اندیشوں اور وسوسوں سے کانپتا' لرزتا ہوا اُس کے پاس گیا۔ عبدالعزیز نے اپنا انتہائی نادر قسم کا خنجر نکالا۔ جسے وہ ہر حال میں حتیٰ کہ بیماری کے عالم میں بھی ہمیشہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ اُس نے روشنی میں اسے اُوپر کرتے ہوئے اپنے پھوپھی زاد بھائی کو دکھایا تا کہ وہ اس کی تعریف کرے۔ فولاد کا بنا ہوا اس کا تیز پھل نیم اندھیرے میں بھی چمک رہا

Marfat.com

تھا۔ ہاتھی دانت کا بنا ہوا سیارہ رنگ کا دستہ' بہت حسین انداز میں جڑاؤ کے کام والی میان، بہت خوبصورت اور ہاتھ سے کندہ کی ہوئی قرآنی آیات سے مزیّن تھا۔ یہ خنجر اس کا باپ رمضان کے آخری ایام میں غزہ سے ایک خاص تحفے کے طور پر لایا تھا۔ ایسے خنجر کا مالک ہونے کے سبب گاؤں کے تمام لڑکے اُسے رشک بھری نگاہوں سے دیکھتے۔ تمام قبائلی اس خنجر کو دیکھنے کے مشتاق تھے...... وہ یوسف ملک کو بتاتے کہ یہ خنجر آج سے صدیوں پہلے کسی بہت بڑے ماہر کاریگر نے بنایا ہوگا' جب تمام اشیاء ہاتھ بنائی جاتی تھیں۔ اُن کا کہنا تھا کہ یہ اصل میں قدیمی زمانہ میں دمشق سے بن کر آیا ہوگا۔ جو قدیمی زمانہ میں فولادی ہتھیاروں کا پرانا مرکز ہونے کے سبب دُور ونزدیک مدتوں تک مشہور رہا۔ یہ ایک بہت نادر اور نایاب شے تھی۔ کیونکہ جب سے مشن کی بنی ہوئی۔ کارخانہ کی تیار شدہ اشیاء کی بازار میں بھرمار ہو گئی تھی' ایسی خوبصورت اشیاء نہیں بنتی تھیں اور اب شاذ و نادر ہی کہیں ملتی تھیں۔

اُس کے باپ کا حکم تھا کہ وہ قبائلیوں کے ایک دستہ کے ہمراہ اس خنجر سے مسلح ہو کر نجبا جائے اور اپنے چھ چچوں کا انتقام لے...... لیکن اُس کا باپ اب اس سے مایوس ہو گیا تھا۔ کیونکہ اتنا زیادہ عرصہ بیمار رہنے کے سبب عبدالعزیز اب کسی لڑائی میں کوئی جوش وخروش یا سرگرمی دکھانے کا اہل نہ رہا تھا۔ وہ تمام دن چٹائی پر لیٹا رہتا جبکہ ماں اس کی دیکھ بھال کرتی۔ وہ اپنے باپ کی غضبناک اور سخت گیر نگاہوں سے بچنے کی کوشش کرتا رہتا۔ وہ اپنے والد کا زندہ بچ رہنے والا واحد بیٹا تھا اور وہ اس حقیقت سے بھی اچھی طرح آگاہ تھا کہ اُس نے اپنے والد کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا تھا......

وہ احمد خلیل کی طرف متوجہ ہوا اور اپنا ہتھیار اس کے ہاتھ سے میں تھماتے ہوئے اُس نے کہا ''میرا خنجر اب تم رکھو۔ یہ اب تمہارا ہے۔ میں اب اس سے کام لینے کا اہل نہیں۔ میرے ساتھ وعدہ کرو کہ تم اس کی حفاظت کرو گے اور جہاں کہیں بھی جاؤ اسے اپنے ساتھ رکھو گے۔ انشاء اللہ العزیز یہ دُشمنوں سے تمہارا بچاؤ کرے گا۔ میرے ساتھ وعدہ کرو کہ تم اسے تمام زندگی یادگار کے طور پر اپنے پاس رکھو گے تاکہ میرے بعد تمہیں یہ میری یاد دِلاتا رہے......''

احمد خلیل نے اُس کا دُبلا پتلا ناتواں ہاتھ اپنے گالوں کے ساتھ لگا کر چومنے کے بعد کہا ''میں وعدہ کرتا ہوں......''

☆......☆......☆

Marfat.com

گیارھواں باب

مستقبل کے خواب

موسم سرما کے طویل اور سست روی سے گزرنے والے ہفتوں کے دوران بارشیں زوروں کی ہوئی تھیں۔ گلیاں کیچڑ اور گارے سے بھرے ہوئے جوہڑ بن گئیں۔ اب کھیتوں میں کوئی کام نہیں تھا۔ فراغت کے انہی ایام میں ملک وہاب نے اپنے بیٹے کو لکھنا پڑھنا سکھانے کا ارادہ کیا۔ وہ غزہ جا کر امام مسجد سے قرآن پاک کا ایک بڑا نسخہ مستعار لے آیا تھا۔ جس کا چھاپہ بڑے حروف والا اور صاف واضح تھا۔ اس پر ایک مبتدی کے لئے تمام اعراب تفصیل سے درج تھے۔ اس کے علاوہ ایک بڑی تختی جس پر پورا سبق آسانی سے لکھ کر اسے دھونے کے بعد بار بار استعمال کیا جا سکے' قلم اور سیاہی بھی لایا۔

ملک وہاب نے احمد خلیل کو کئی بار آواز دی لیکن گیارہ سالہ لڑکا اتنا چڑچڑا ہو گیا تھا کہ اُس نے کوئی جواب تک نہ دیا...... اس نے ایک دفعہ پھر انتہائی اُونچی آواز میں بُلایا اور کہا کہ "تمہیں وہی کرنا ہو گا جو میں حکم دوں"۔

احمد خلیل حیرانی کے عالم میں اپنے باپ کے کرخت اور پُرعزم چہرے کی طرف دیکھتا رہا کہ آخر وہ اس سے چاہتا کیا ہے؟

"پڑھنے لکھنے کا کام تمہارے لئے کیسا رہے گا؟ ان دنوں کوئی دُوسرا کام تو ہے نہیں' اس لئے تمہیں پڑھانے کے لئے میرے پاس بہت وقت ہے......"

احمد خلیل جواباً ایک بیزار خاموشی سے اپنے باپ کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔ اس کے گھورنے میں بدگمانی حتیٰ کہ مخالفانہ تاثرات کے آثار بھی نمایاں تھے۔ وہ شروع سے ہی جانتا تھا کہ اُس کا والد اپنے ہاتھوں سے کھیتوں میں کام کرنے والے

Marfat.com

نوجوان کی حیثیت سے اُس کی پرورش کرنے پر شرمندگی محسوس کرتا تھا۔ اور اُسے شہر میں رہنے والے ایک خوشحال کاروباری آدمی بنانے کے خواب دیکھتا ہے۔ اور اس کام کے لئے اُس کا ایک جدید سکول میں تعلیم حاصل کرنا ضروری تھا۔

''سنو احمد خلیل! میں شروع سے ہی تمہیں سکول بھیجنے کے خواب دیکھتا رہا ہوں۔ لیکن کسی رسمی اور روایتی سکول میں نہیں جہاں لڑکے محض کٹھ پتلی کی طرح مشینی انداز میں قرآن پاک حفظ کرتے ہیں اور اس کے معانی و مفہوم سمجھے بغیر اسے طوطوں کی طرح دہراتے ہیں۔ بلکہ اس کے بجائے میں تمہیں ایک جدید سکول میں بھیجنا چاہتا ہوں۔ جہاں لائق اور ماہر اُستاد تمہیں تمام اچھے اور اعلیٰ علوم کے خزانوں سے متعارف کروائیں۔ صرف یہی ایک راستہ ہے جس سے تم کولہو کے بیل کی طرح بے کیف زندگی اور سخت محنت طلب زمین سے نجات حاصل کر سکتے ہو۔ یہ زمین اتنی بنجر ہے کہ سخت محنت کے بعد بھی یہاں فصل اگانے کے لئے کسی معجزے کی ہی ضرورت ہے...... تعلیم یافتہ ہونے کے بعد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ زندگی کتنی بھرپور اور خوشحال ہو سکتی ہے۔ نہ کہ یہاں کی طرح محض قوت لایموت لئے انسان ساری عمر جان توڑ جدوجہد کرتا ہی مر جائے۔ تمہیں جدید ترین سائنسی علوم پر عبور حاصل کرنا چاہیے پھر تم سمجھ جاؤ گے، جیسا کہ میں ہمیشہ سے ہی جانتا ہوں کہ قرآن اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات ہر جگہ پائی جانے والی صداقت سے ہم آہنگ ہیں۔ کاش! میں تمہارے ساتھ ساتھ خلیفہ، رشید اور اسماء کے لئے بھی ایسے ہی سکول کی تلاش کر سکوں۔ اور ہاں! میں اسماء کو بھولا تو نہیں ہوں۔ تعلیم حاصل کرنا لڑکیوں کا بھی اسی طرح پیدائشی حق ہے جیسا کہ لڑکوں کا۔! نئے جوتوں' کلف لگی ہوئی نئی سفید وردی' کنگھی کیے ہوئے اور سلیقے سے گوندھے ہوئے بالوں میں چمکدار ربن باندھ کر وہ سکول جاتی ہوئی کیا ہی بھلی معلوم ہو گی! شہر میں اس سے کمتر معیار کا کوئی سکول مجھے تمہاری تعلیم کے سلسلے میں مطمئن نہیں کر سکتا...... اس سے کمتر کسی بھی معیار پر میں مطمئن نہیں ہو سکتا......''

احمد خلیل خاموشی سے اپنے والد کی طرف مسلسل ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔ اُسے اپنے والد کی آرزوئیں پوری کرنے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ وہ اس قطعہ زمین کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا' جس سے اس کی وابستگی بھی اتنی ہی شدید تھی' جتنی کہ اُس کی والدہ اور اس سے پہلے لوگوں کی تھی...... زمین کی کاشت میں ہاتھ گندے ہونے پر اُسے کوئی عار نہ تھا۔ اُسے اس بات کی بھی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ یہاں عاجزوں کی طرح عمومی محنت کو لوگ کس

Marfat.com

حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوں گے...... یہاں اُگنے والے سبز پودوں کی نگہداشت پر ہی ان کی زندگی کا انحصار تھا' اور اس کام کو ہی اُس نے اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے لیا تھا۔ اور یہی بات اُس کی والدہ کے لئے بھی سب سے بڑے اطمینان کا باعث تھی۔ لیکن اُس کا باپ ہر زندہ شے کے لئے سب سے بڑے سرچشمے یعنی زراعت' کائنات اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظاروں سے لطف اندوز ہونے کی حس سے عاری تھا...... گویا مناظرِ فطرت کے بارے میں اُس میں جمالیاتی حس تھی ہی نہیں۔

ہاں یہ ضرور تھا کہ اُس کے باپ نے تو تعلیم حاصل کی تھی جبکہ وہ اپنے بارے میں خود آگاہ تھا کہ میں بالکل جاہل اور ان پڑھ ہوں...... اس ناموافق صورت حال کی دُشواریوں اور نقائص کے بارے میں انتباہ کرتے ہوئے گویا اس کے باپ نے اُسے چونکا دیا تھا۔ اب اُسے احساس ہونے لگا تھا کہ یقیناً زندگی کے اور بھی بہت سے حقائق ہیں' جن سے آگاہی کے لئے اُسے آرزو رکھنی چاہیے اور انہی کے بارے میں اب اُس کا باپ اُسے پڑھانا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ خود ہی قرآن مجید پڑھنے کا اہل ہو جائے اور اپنے طور پر ہی اس میں سے عمیق مطالب اور معارف اخذ کر سکے۔ وہ اپنے ایمان وعقیدہ اور خصوصاً احادیث کی کتابوں سے حضور ﷺ کی تعلیمات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ سیکھنا چاہتا تھا۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں کے بارے میں تفصیل سے علم حاصل کرنے کا خواہشمند تھا کہ وہ دیگر تمام مسلمانوں سے بہتر کیوں ہیں؟ وہ عہدِ حاضر اور ماضی کے عظیم مسلمانوں کی رُوح پھونک دینے والی حیرت انگیز زندگیوں کے بارے میں جاننے کا آرزومند تھا۔ وہ اپنے قبیلے اور دیگر لوگوں کی تاریخ کے بارے میں جاننے کا اشتیاق رکھتا تھا۔ اُس کے والد نے اُسے چونکا دینے کے انداز میں یہودیوں اور انگریزوں کے بارے میں آگاہ ہونے کا ایک گہرا تجسّس پیدا کر دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ ازخود ہی اخبار پڑھنے کے قابل ہو جائے تاکہ وہ حالیہ ایام میں رونما ہونے والے اہم واقعات سے آگاہ ہو سکے جن کے بارے میں وہ سمجھتا تھا کہ یہ اُس کی زندگی اور اس کے مستقبل پر براہِ راست اثر انداز ہو رہے ہیں اور علم کے بارے میں اپنی پیاس کو بجھانے کے لئے اُسے لکھنا پڑھنا سیکھنا چاہیے۔

اپنے باپ کو مخالفت اور بدگمانی پر مبنی ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا اب ختم ہو چکا تھا۔ اب وہ خوشی سے وہ سب کچھ سیکھنے کا شائق اور متمنی تھا جو اُس کا باپ اُسے پڑھانا چاہتا تھا۔

Marfat.com

ملک وہاب نے اصرار سے اُسے اپنے پاس بُلایا اور عبدالعزیز کی وفات کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ لڑکے کا چہرہ ایک روشن مُسکراہٹ سے جگمگا اُٹھا۔ وہ اپنے باپ کے پہلو میں چٹائی پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ جبکہ باپ نے عربی کے حروف تہجی خوبصورت انداز میں تحریر کیے۔ ان حروف کو جوڑ کر اس نے الفاظ اور الفاظ سے جملے بنا کر دکھائے۔ یہ کام احمد خلیل سے بہت برداشت اور صبر کا مطالبہ کرتا تھا اور اس کے سیکھنے کی رفتار بہت سُست تھی۔ اُسے سمجھانے سے پہلے اس کے باپ کو اپنی ہدایات اور تشریحات بار بار دہرانی پڑتی تھیں۔ اگرچہ ملک وہاب ایک بہت قابل اُستاد تھا جو اپنے اسباق وضاحت سے پڑھانے کے لئے بہت محنت کرتا لیکن تعلیمی ترقی کی رفتار بہت سُست اور تھکا دینے والی تھی...... ننھا خلیفہ جس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں غیر معمولی طور پر چمکدار تھیں۔ اپنے والد کے ان معمولات میں سرگرم دل چسپی رکھتا اور ہر چیز کو بڑے غور سے دیکھتا۔ اُس کا بھائی جب دن کا کام ختم کر چکتا تو وہ اپنے والد کو چوکس آنکھوں سے تختی پر حروف تہجی کے نقشے کرتا ہوا دیکھتا...... ملک وہاب یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ خلیفہ اپنے اسباق میں کتنا ہوشیار اور مستعد ہے۔ اگرچہ اُس کی عمر بمشکل چار سال تھی لیکن اُس کی لکھائی اپنے بھائی کی لکھائی سے کہیں زیادہ اچھی تھی۔ ملک وہاب' رشید کو بھی پڑھانا چاہتا تھا لیکن اس بچے کے بارے میں اُسے صرف یہی معلوم ہوا کہ یہ تعلیم کے بارے میں مایوس کن حد تک غیر معاون' ادھم مچانے والا اور ہٹ دھرم ہے۔

اُس کا باپ کئی کئی گھنٹے اُس کے سامنے قرآن پاک کی آیات پڑھتا رہتا......

اس طرح اُسے بھی آہستہ آہستہ قرآن پاک کے عجیب وغریب سیاہ حروف سے پوری طرح شناسائی ہو گئی۔ آخرکار وہ دن بھی آیا کہ قرآن پاک یہی حروف و علامات جو پہلے ایک ان پڑھ اور ناخواندہ ہونے کی صورت میں اُس کے لئے ساکن تھے، اب قرآن مجید کی مکمل خواندگی اور حرف شناسی کے بعد دفعتاً اُس کے سامنے زندگی سے بھرپور اور متحرک دکھائی دینے لگے! ملک وہاب نے قرآن کے آخری سپارہ کی ایک سورۃ نکالی' جس کے بارے میں اُسے مکمل وثوق تھا کہ اس کا بیٹا اس سورۃ سے آگاہ نہیں ہے۔ اُس نے کھلے ہوئے صفحہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اصرار کیا' ''احمد خلیل! آگے چلیے۔ میرا خیال ہے تم اسے بغیر اغلاط کے پڑھ سکتے ہو۔ پڑھو!''

اور جب اُس نے اپنے بیٹے کو قرآن پاک کی یہ آیات آہستہ آہستہ رفتار سے

Marfat.com

لیکن اُونچی آواز میں ٹھہراؤ کے ساتھ لیکن بغیر کسی غلطی کے تلاوت کرتے ہوئے سنا تو اُس کا سیاہ چہرہ فخر و شادمانی سے دمک اُٹھا......

(جب سُورج لپیٹ دیا جائے گا' اور جب تارے بکھر جائیں گے' اور جب پہاڑ چلائیں جائیں گے' اور جب دس مہینے کی حاملہ اُونٹیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی' اور جب جنگلی جانور سمیٹ کر اکٹھے کر دیئے جائیں گے' اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے' اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑ دی جائیں گی' اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟ اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے' اور جب آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے گا' اور جب جہنم دہکائی جائے گی' اور جب جنت قریب لے آئی جائے گی' اُس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے......'')
(التکویر۔ آیات ا۔۱۰)

☆......☆......☆

Marfat.com

بارھواں باب

نئی مصیبت

"اللہ اکبر"!!

مسجد سے آنے والی اذان کی شیریں آواز سے احمد خلیل کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اپنے بازو پھیلاتا ہوا، اُٹھ کر سیدھا بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے بھائی خلیفہ اور چچا زاد رشید کی طرف غور سے دیکھا۔ جو ابھی تک گہری نیند میں مدہوش اس کے پہلو میں لیٹے ہوئے تھے۔ اُس نے اپنے باپ کی بھاری بھرکم اُونی عبا' جس نے اُنہیں ڈھانپ رکھا تھا' اُن پر سے کھینچتے ہوئے اُتار پھینکی' تو صحرا کی سرد زمستانی ہوا نے اُنہیں جگا دیا۔ اپنے والدین کی طرف سے کسی یاددہانی کے بغیر ہی تینوں بچوں نے ریت اور خاک کے آمیزے سے تیمم کیا اور نماز پڑھنے کے بعد وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اُن کی اُمید بھری سیاہ آنکھوں کے تین جوڑے چولہے پر رکھی ہوئی ہنڈیا میں ڈوئی چلاتی ہوئی حلیمہ کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ آخر کار حلیمہ نے چولہے پر سے ہنڈیا اُتار کر فرش پر اُن کے سامنے رکھ دی۔ انہوں نے منہ ہی منہ میں بِسم اللہ پڑھی اور جو کی باسی روٹی کے ساتھ' خشک پھلیوں کو مٹھیوں سے لقمے بناتے ہوئے کھانے لگ گئے۔ برتن کو صاف کرنے کے بعد اُنہوں نے اپنی انگلیاں اس طرح چاٹیں کہ ان پر سالن کا خفیف سا نشان تک بھی باقی نہ رہا۔ "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِی اَطْعَمْنَا وَسَقَانا وجعلنا من المسلمین (سب تعریفیں اسی اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور ہمیں مسلمان بنایا) منصور کے بلند آواز میں دعا پڑھنے کے بعد حلیمہ نے چولہے میں سے آگ بجھا دی اور خالی ہنڈیا کو ایک کونے میں

Marfat.com

دھکیل دیا۔

ملک وہاب معاً اپنے بڑے بیٹے کی طرف متوجہ ہوا اور کہا ''کھیتوں میں کام کے لئے جانے سے پہلے ہمیں کنویں سے پانی لا دو۔ کیونکہ تمہاری چچی حلیمہ آج بہت زیادہ مصروفیات کے سبب کنوئیں پر نہیں جا سکتی۔ یہ گھڑا ہے اور خلیفہ کو ساتھ لے جاؤ۔ مجھے آج بہت سے کام کرنا ہیں اس لئے میں اس کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا...... اور وہ خود اتنا کم سن ہے کہ اپنا آپ سنبھالنے کا بھی اہل نہیں ہے......

احمد خلیل نے اپنے چار سالہ بھائی کی جانب سے انتہائی دل گرفتگی کے عالم میں گھور کر دیکھا۔ گویا وہ زبان حال سے کہہ رہا ہو، کاش! کہ خلیفہ پیدا ہی نہ ہوتا تو بہتر تھا۔ جب اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ اسے ایک بھائی یا بہن عطا ہو، تو اس سے مراد اس کی خواہش یہ تھی کہ اسے کھیلنے کے لئے ساتھی، رفیق اور دوست ملے لیکن اس کے بجائے اُسے یہ جھنجھلا دینے والا بوجھ مل گیا تھا...... جب سے خلیفہ کا دودھ چھڑا گیا تھا تو اسے سنبھالنے کی بھاری ذمہ داری احمد خلیل پر آن پڑی تھی۔ خلیفہ کی پیدائش سے پہلے سات سال کا عرصہ اس نے تنہا گزارا تھا۔ اب احمد خلیل تیزی سے نشو ونما پاتا ہوا تقریباً بارہ سالہ لڑکا اور وہ قد کی اونچائی میں اپنی چچی حلیمہ کے برابر ہو گیا تھا۔ خلیفہ اسے ایک شیر خوار بچے کی مانند دکھائی دیتا' جو کہ اپنی عمر سے بھی چھوٹے بچوں کی طرح حرکات وسکنات کرتا ہو۔ چھوٹا لڑکا اپنے بھائی کی طرف ایسی بے حسّی سے گھورتا جو تقریباً لا پرواہی کے ہم معنی تھی۔ یوں لگتا کہ دونوں بھائیوں کے مابین کوئی جذباتی لگاؤ ہے ہی نہیں!!!

خلیفہ کمرے کے ایک کونے میں چلا جاتا۔ وہ اکڑوں بیٹھ کر ایک صندوق سے اپنے کھیلنے کی چیزیں نکال لیتا۔ خلیفہ گاؤں میں واحد بچہ تھا جس کے پاس کچھ کھلونے تھے اور یہ تمام کھلونے اس نے اپنے لئے خود تیار کئے ہوئے تھے۔ اپنی چچی سے گیلی مٹی لے کر وہ بڑی مہارت سے بھیڑیں، بکریاں، گدھے، گھوڑے، اونٹ، ہوائی جہاز بناتا، ہوائی جہاز کا نمونہ اس کے ذہن میں اس وقت نقش ہو گیا تھا جب ایک دن دھوپ میں دیگر کھلونے سکھاتے وقت ایک طیارہ اپنے اُوپر سے پرواز کرتا ہوا گزرتا دیکھا تھا...... اس کی چچی ان کھلونوں کو پکانے کے لئے اپنے دیگر مٹی کے برتنوں کے ساتھ تنور میں رکھ دیتی۔ ابھی تک خلیفہ گاؤں کے دیگر بچوں سے گریزاں، سنجیدہ اور ہمیشہ سب سے الگ تھلگ اکیلا ہی کھیلتا رہتا۔

Marfat.com

خلیفہ نے ضد کرتے ہوئے اپنے بھائی کے ساتھ کنویں پر جانے سے انکار کر دیا اور ملک وہاب نے اُس کی مرضی کے مطابق اسے اکیلا گھر میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔

کنویں پر جمع گاؤں کی عورتوں کے جھرمٹ نے جب احمد خلیل کو ایک بہت بڑا گھڑا اپنے سر پر احتیاط سے متوازن انداز میں رکھے ہوئے، کنویں کی طرف آتے دیکھا تو اس بے محل منظر کو دیکھ کر ان کے منہ سے مضحکہ خیز ہنسی اور مذاق کا گویا فوارہ چھوٹ پڑا کنویں سے پانی بھرنا عورتوں کا کام تھا لیکن اب احمد خلیل کو اپنی والدہ کی جگہ گھڑا اٹھائے ہوئے دیکھنا، گاؤں کی عورتوں کے لئے۔ایک ایسا غیر مانوس منظر تھا کہ اس تضاد سے انہیں خواہ مخواہ ہنسنے کا موقع مل گیا...... احمد خلیل ان کے تنگ کرنے اور مذاق اڑانے کے انداز سے ناراض ہو گیا۔

کنویں پر بارُعب اور دُرشت خو دکھائی دینے والے بارہ سے بھی زیادہ تعداد میں قبائلیوں کا بھاری پہرہ دن رات جاری رہتا۔ رائفلیں ہاتھوں میں تھامے ہوئے انہوں نے اپنے کافیوں کو اس انداز میں سروں کے گرد لپٹا ہوتا کہ صرف ان کی عقابی آنکھیں ہی دکھائی دیتیں۔ خواتین کی طرف پشت کئے ہوئے نجبا کی طرف سے کسی ممکنہ خطرے سے نبٹنے کے لئے، وہ نجبا کے صحرائی افق کی طرف غور سے دیکھتے رہتے۔

احمد خلیل عورتوں کے مذاق آمیز طعنوں اور آوازے کسنے کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک طرف الگ تھلگ ہو کر کھڑا رہتا۔ عورتیں کنویں میں سے رسّے کو اپنی پوری قوت سے کھینچتیں حتیٰ کہ پانی کا بھاری ڈول اوپر کھنچتے کھنچتے سطح زمین کی بلندی تک آ جاتا تو احمد خلیل بھی عورتوں کے درمیان چلاتا، شور مچاتا ہوا اپنے حصے کا پانی وصول کر ہی لیتا۔

وہ گھر پہنچ کر دروازے کے باہر، پانی کا گھڑا دیوار کے ساتھ ٹکا کر اپنی چچی حلیمہ کو آواز دینے ہی والا تھا کہ اس نے ایک لاغر کتے کو دروازہ روکے ہوئے کھڑا پایا، جس کے خشک ، شگاف زدہ زبان پیاس کی شدت سے باہر نکلی ہوئی تھی اور وہ ہانپے جا رہا تھا...... احمد خلیل نے بیکار سمجھ کر پھینکے ہوئے ایک ادھ ٹوٹے پیالے میں کتے کے پینے کے لئے فوراً پانی بھرا۔ پھر اس نے کمرے سے باسی روٹی کے چند ٹکڑے اور گزشتہ رات کی فرش پر پھینکی ہوئی ہڈیاں تلاش کیں اور انہیں کتے کے سامنے لا کر ڈال دیا۔ کتا اپنے پنجوں سے اس خوراک کو چمٹ گیا، پھر اس بے زبان نے بھیگی ہوئی، غمگین اور تشکر آمیز نگاہوں سے لڑکے کو دیکھا۔ احمد خلیل نے دیوار کے ساتھ ٹکایا ہوا اپنا بھاری بیلچہ کندھے پر

Marfat.com

رکھا اور باہر کھیتوں کی طرف بھاگ گیا خلیفہ بھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا ہوا گیا۔

احمد خلیل اور رشید اپنے گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے ہر پودے کے گرد زمین نرم کر کے اس میں خشک کھاد ڈالتے۔ پھر انہوں نے لا تعداد خورد و گھاس پھوس کے پودے اور جڑی بوٹیاں اُکھاڑیں۔ آسمان بالکل صاف اور نیلا تھا اور دور دور تک کہیں بادلوں کا نشان تک نہ تھا۔ سورج عین ان کے سروں کے اوپر چمک رہا تھا اور بہت گرمی تھی۔ دونوں چچازاد بھائی، کبھی کبھی اپنے سیاہ چہروں سے پسینہ کی دھاریں پونچھنے کے لئے رُک جاتے۔ حلیمہ ان دونوں کے لئے پانی لائی اور دونوں اسے پیاس کے مارے غٹاغٹ پی گئے۔ پھر احمد خلیل پودوں پر کی ہوئی محنت کو فخر و انبساط سے دیکھتا رہا۔ جن پودوں کی دیکھ بھال وہ کر رہا تھا وہ دن بدن سید ھے اور لمبے ہوتے ہوئے نشو ونما پا رہے تھے۔ ان پودوں کے نرم چمکدار سبز پتے بڑی قوت اور تیزی کے ساتھ پھل پھول رہے تھے۔ انشاء اللہ اس سال فصلیں بہت اچھی ہوں گی۔ وہ زمین کی طرف جھکا اور اس نے مٹی کی ایک مٹھی بھر کر اٹھائی اور پھر اسے اپنی انگلیوں کے درمیان مسلتے ہوئے ریزہ ریزہ کر دیا۔ یہ مٹی سطح زمین کے نیچے والی مٹی ہونے کے سبب نم آلوذ زرخیزی سے سیاہ، کیڑوں مکوڑوں، چیونٹیوں اور دیگر حشرات الارض سے بھری ہوئی تھی۔ عراق المنشیا بالکل صحرا کے کنارے واقع تھا۔ جس سے آگے تا حد نگاہ دُور دُور تک ہر طرف ایک بے آب و گیاہ بنجر اور ویران زمین پھیلی ہوئی تھی۔ پھر بھی یہاں کے فلاحین (کسان) یہاں سے فصل اُگانا جانتے تھے۔ جبکہ ایک اجنبی اس علاقے کو دیکھ کر بمشکل ہی یقین کر پاتا کہ یہاں کوئی چیز زندہ بھی رہ سکتی ہے!!! سب سے انتہائی کم پیداوار دینے والی اس زمین کو وہ انتہائی جانفشانی اور عرق ریزی سے کاشت کرتے تھے۔ اس کے باپ کے لئے زمینوں پر کام کرنا محض بے کیف انداز سے کولہو بیل کی طرح دن رات چلنے اور غبار آلود اور کمر توڑ سخت محنت طلب کام تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ گاؤں سے باہر کا معاشرہ اس کام کو حقیر سمجھتے ہوئے اس کام سے نفرت کرتا تھا۔ ملک وہاب کی سمجھ میں یہ بات کبھی نہیں آئی کہ احمد خلیل ہر شے سے زیادہ کھیتوں میں کام کرنے کو ترجیح کیوں دیتا ہے......!!؟

اچانک ایک موٹر کار کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ خود بخود حرکت کرنے والی اس چیز (موٹر) کو دیکھتے ہی خلیفہ چیختے ہوئے اپنی چچی کی طرف دوڑتا ہوا گیا اور خوف کے مارے اس کے کپڑوں سے چمٹ گیا۔ احمد خلیل نے اس اپنے کھیتوں کے کنارے ایک

Marfat.com

پرانی بیٹری والی کار کو کھڑے دیکھا تو حیرت کے مارے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ شکن آلود انگریزی سوٹ میں ملبوس، سر پر ترکی ٹوپی پہنے ہوئے ایک ناٹے قد کا موٹا آدمی اس میں سے نکلا اور اس کے والد کے پاس پہنچ گیا۔

ملک وہاب نے پہلے تو اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی کیونکہ وہ ایک گڑھا کھودنے میں مصروف تھا۔ مصطفےٰ آفندی نے اسے بلند آواز میں بلایا، کیونکہ وہ حکم جاری کرنے اور پھر مسلسل ان کی تعمیل کو دیکھنے کا عادی تھا۔ ملک وہاب نے جب آنکھیں اوپر اٹھا دیکھا تو اس کا چہرہ الجھن، عداوت اور جھجک کے ملے جلے جذبات سے بھرپور تھا۔

ملک وہاب گڑھے میں باہر نکلا۔ اس کی عبا دگرد آلود اور ہاتھ پاؤں کیچڑ میں لتھڑے ہوئے تھے۔ ”آفندی! مجھے معلوم تھا کہ تم دوبارہ مجھ سے ملنے کبھی نہیں آؤ گے۔ کیونکہ تم نے مجھے اس منحوس زمین پر رہنے اور اپنے لئے بیگار کرنے پر مجبور کر دیا ہے اور تم مجھے اپنے غلام دیکھنے کے علاوہ اور کسی حالت میں دیکھنے کے روادار نہیں ہو...... اچھا! تو اب تک تم میرے ساتھ جو کچھ کر چکے ہو اس پر خوش تو ہونا! یا ہم پر کوئی مزید آفت ڈھانے کے لئے آئے ہو! کیا تمہارا جی ابھی نہیں بھرا؟“

”تمہیں کم از کم کچھ تو تمیز سے بات کرنی چاہئے ملک وہاب! لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم فطری طور پر اتنے گستاخ واقع ہوئے ہو کہ تمہیں کسی کا بھی، حتیٰ کہ اپنے خونی رشتوں کا بھی کوئی لحاظ نہیں......!

مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہارے دو بیٹے ہیں...... اس نے اپنی انگلی سے احمد خلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انتہائی حقارت آمیز انداز میں کہا، ”معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارا بڑا لڑکا ہے...... میں نے اسے اچھی طرح تو نہیں دیکھا، لیکن پھر بھی یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ وہ کافی صحت مند معلوم ہوتا ہے......“

کئی لمحات اسی طرح خاموشی سے گزر گئے۔ احمد خلیل ٹکٹکی باندھ کر آفندی کو دیکھتا رہا اور پہلی ہی نظر میں اسے فوری طور پر آفندی سے مکمل نفرت ہو گئی۔ وہ اس کے زرد چیچک زدہ چہرے، عیاری، حرص، فریب، مکاری اور عداوت سے بھرپور خون آلود آنکھوں، مڑی ہوئی طوطا نما ناک، اس کے فربہ شہوانی دہن اور دوہری ٹھوڑی کو گھور گھور کر دیکھتا رہا۔ اس نے ایسا خوفناک آدمی جس میں کراہت اور کشش دونوں شامل ہوں اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ مسلسل اس پر نظریں جمائے اسے یوں دیکھتا رہا کہ جیسے اسے ہپناٹائز کر دیا گیا

Marfat.com

ہو۔

آفندی نے اپنا رُخ دوسری طرف کیا اور لڑکے کی طرف نگاہ اٹھائی ...... اس کی نگاہوں میں سختی اور ظلم دونوں شامل تھے وہ حقارت سے گھورتے ہوئے لڑکے کو یوں دیکھتا رہا کہ جیسے وہ کسی انسان کو نہیں بلکہ کیڑے مکوڑے کو دیکھ رہا ہو۔

''تم میرے بچوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟'' ملک وہاب نے تلخی سے پوچھا۔

''مجھے ایک مزید نوکر کی ضرورت ہے، ایسا نوکر جو گھر کی صفائی کے علاوہ فرش کو دھو سکے...... اور تمہارا لڑکا اس کام کے لئے بہت موزوں اور صحت مند دکھائی دیتا ہے............''

''اس کام کے لئے تمہیں کوئی اور گاؤں دیکھنا چاہئے۔ میں تمہیں اپنے بیٹے کو غلام بنانے کی اجازت نہیں دوں گا! شاید تم بھول چکے ہو کہ ترک جا چکے ہیں اور سرکاری حکم کے ذریعے غلامی کو غیر قانونی قرار دیا جا چکا ہے...... تم میرے بیٹے کو ہاتھ لگا کر دیکھو تو سہی میں ابھی غزہ میں پولیس کو اطلاع کرتا ہوں اور تم جیل کی ہوا کھاؤ گے!''

مصطفیٰ آفندی انتہائی مکاری سے مسکراتے ہوئے بولا۔ ''غزہ............ میں تمام اعلیٰ برطانوی، سرکاری حکام میرے ذاتی دوست ہیں۔ رہی پولیس تو اسے میں رشوت دے کر چپ کرا سکتا ہوں۔ یہ گاؤں، یہ زمین اور اس پر کام کرنے والے تمام فلاحین (مزارعے) میری ملکیت ہیں۔ ان کے ساتھ میں جو سلوک چاہوں کر سکتا ہوں، تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ تمہاری ماں، میرے والد کی لونڈیوں اور داشتاؤں میں سے ایک داشتہ تھی۔ اپنے بیٹے سے کہو کہ میں جو حکم دوں اس کی تعمیل کرے، ورنہ میں یہاں کی تمام پیداوار پر دگنا لگان عائد کردوں گا اور اس کی تمام تر ذمہ داری صرف اور صرف تم پر عائد ہوگی!''

''نہیں! نہیں! یہ نہیں ہوسکتا۔ ایسا کرنے سے پہلے میں تمہیں قتل کر دوں گا!'' ملک وہاب نے باغیانہ انداز سے چلاتے ہوئے کہا۔

احمد خلیل ذہنی کش مکش اور تذبذب عالم میں اتنا دہشت زدہ ہو کر رہ گیا کہ اسے اور کچھ نہ سوجھا اور اُس نے یہاں سے زندگی بھر کے لئے کہیں فرار ہونے کے اپنے جسم کو تولا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ کہیں بھاگ کر جاتا کہ دو ہاتھوں نے اسے کندھوں سے

Marfat.com

مضبوطی سے یوں پکڑا گویا اسے جکڑ لیا گیا ہو، ایسے ہاتھ جن کے بارے میں واضح تھا کہ یہ جسمانی محنت کے عادی تو نہیں۔ لیکن پھر بھی بہت طاقتور اور مضبوط گرفت رکھنے والے تھے......

پھر اس نے کار سے مزید دو آدمیوں کو برآمد ہوتے ہوئے دیکھا، جو بہت لحیم وشحیم اور طاقتور تھے۔

''عارف! عونی!'' مصطفیٰ آفندی نے انہیں آواز دیتے ہوئے کہا ''اسے کار میں ڈال دو، لڑکے نے ان کے پنجے سے نکلنے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔

''تم تو کچھ بھی نہیں ہو'' ایک عجیب وغریب اکھڑ آواز نے اسے دھمکی دی ''تم آرام سے بیٹھتے ہو کہ یا ہم تمہیں رسیوں سے باندھ دیں۔''

''ہائے ابا! ہائے ابا!'' احمد خلیل چیختا چلاتا رہا۔

ایک ہاتھ، جس کی پشت پر یوں کثرت سے بال اُگے ہوئے کہ وہ بالوں سے بھرپور معلوم ہوتا تھا۔ اس ہاتھ نے لڑکے کا منہ بند کر دیا اور پھر اسے انتہائی سختی سے کار کی سیٹ کے پاؤں رکھنے والی جگہ پر اسے دھکیل دیا۔

کار اب جا چکی تھی............

☆......☆......☆

Marfat.com

تیرھواں باب

غلامی کے شب و روز

احساس تنہائی احمد خلیل پر ہر وقت چھایا رہتا...... اور گھر سے جدائی کا دُکھ اب پہلے سے کہیں زیادہ شدید ہو گیا تھا۔ چونکہ روز اوّل سے ہی اسے یہاں جبری طور پر لایا گیا تھا اس لئے موقع ملتے ہی وہ یہاں سے بھاگنے کا خواہشمند تھا۔ لیکن مصطفےٰ آفندی نے اسے مسلسل اور کڑے پہرے میں رکھا ہوا تھا...... اسے اپنے خاندان سے کسی قسم کا رابطہ رکھنے کی اجازت نہیں تھی...... انتہائی خواہش کے باوجود اس کے باپ کو اپنے بیٹے سے ملنے یا اس کے لئے خوراک و لباس بھیجنے کی کوئی اجازت نہ تھی۔ اسے اپنے گاؤں کے بارے میں کوئی خبر نہ تھی کہ وہاں کیا حالات ہیں۔ وہ بالکل دشمن قسم کے اجنبیوں کے درمیان گھر کے اندر قید ہو کر رہ گیا تھا اور یہاں فرش دھونے، نمدے جھاڑنے، فرنیچر پونچھنے اور باغ میں نلائی کرنے کی بیگار میں جتا رہتا...... اس کام کے لئے اور کوئی نوکر نہیں تھا جو اس کا ہاتھ بٹا سکے...... بند کمروں میں دن کے وقت بھی اندھیرا سا معلوم ہوتا۔ ان میں ناگوار قسم کا پرانا سامان اور فرنیچر وغیرہ پڑا ہوا تھا۔ ان میں کئی سالوں سے صفائی نہیں کی گئی تھی اور یہ گرد و غبار اور مکڑی جالے سے اٹے پڑے تھے...... اگر وہ کام کی رفتار میں ایک لحہ کے لئے بھی سستی کرتا اسے بے دردی سے مارا پیٹا جاتا...... ایک دفعہ رات کے وقت اس نے فرار ہونے کی کوشش کی لیکن مصطفےٰ آفندی کا خونخوار کتا بھونکتے ہوئے اس پر جھپٹا۔ احمد خلیل کو کتے نے بہت بری طرح کاٹا اور جاگیردار اس وقت بھی اسے بچانے یا کتے کو بھگانے کے لئے نہ آیا کہ اس وحشی جانور نے احمد خلیل کو بھنبھوڑ کر رکھ دیا۔ جب مصطفےٰ آفندی نے اسے رات کے وقت بھاری زنجیروں سے جکڑنے کی دھمکی دی تو گیارہ سالہ لڑکے نے

Marfat.com

خوفزدہ ہو کر حالات کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور فرمانبرداری پر مجبور ہو گیا۔ یہ پُرشکوہ حویلی جسے اس کے باپ نے بچپن میں دیکھا تھا اب زوال پذیر ہو چکی تھی۔ دیواروں سے پلستر اکھڑ چکا تھا۔ فرنیچر ٹوٹا ہوا اور خراشوں سے بھرا پڑا تھا۔ وہ ایرانی قالین، جن کا ذکر اس کا باپ بڑے ولولہ انگیز لہجے میں کیا کرتا تھا، ان کے رنگ اب پھیکے پڑ چکے تھے اور وہ بوسیدہ ہو چکے تھے۔ وسیع وعریض صحن میں تعمیر شدہ فوارہ خشک ہو چکا تھا اور باغ خود رو پودوں سے اٹا پڑا تھا۔

احمد خلیل کتے کے لئے خوراک تیار کرنے کے روز مرہ معمول کو بڑے اشتیاق سے دیکھتا۔ آفندی اپنے کتے کو گوشت انڈے اور دودھ پر مبنی خوراک کھلاتا...... اتنی عمدہ خوراک کو دیکھ کر، یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ کتے کی غذا ہے۔ احمد خلیل کے ہاتھ یہ کھانا اگر کبھی لگ جاتا تو وہ بے تحاشا پیٹ بھرتے ہوئے اسے کھا جاتا۔

احمد خلیل کو وہ مواقع بھی بہت پسند تھے، جب مصطفیٰ آفندی اعلیٰ برطانوی حکام کو اپنے گھر دعوت پر بلاتا۔ وہ مہمانوں کے لئے پھلوں، پنیر، زیتون، انڈوں، بھنے ہوئے مرغ، چاول اور بھیڑ کے میمنے کے کبابوں سے بھرے ہۓ طشت لے کر جاتے ہوئے نوکروں کو حاسدانہ نگاہوں سے دیکھتا رہتا، اور بڑی بے صبری سے ان کے کھانا ختم ہونے کا انتظار کرتا۔ تاکہ اگر وہ کوئی چیز جھوٹی چھوڑیں تو وہ چٹ کر ڈالے۔

آفندی اور اس کے گھر میں اکثر و بیشتر آنے والے برطانوی افسران اسے اعلانیہ نفرت کے انداز میں یوں گھورتے کہ گویا کہ وہ کوئی لادو جانور ہے۔ اور اب بوجھ اٹھانے کا عادی ہو گیا ہو...... اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ وہ اس کے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں، اسے تو ممکنہ حد تک ان کے چھوڑے ہوئے جھوٹے کھانوں سے پیٹ بھرنے کی غرض تھی۔

جب کبھی اسے بھوک سے نجات ملتی تو وہ ڈرائنگ روم میں آفندی اور اس کے برطانوی دوستوں کے درمیان ہونے والی گفتگو چھپ کر سننے کی کوشش کرتا۔ جن کے ہاتھوں میں جلی اور نمایاں سرخیوں والے عربی اخبارات ہوتے کہ وہ ان کے کندھوں کے اوپر سے انہیں آسانی سے پڑھ سکتا تھا۔ جرمنی نے ہتھیار ڈال دیئے تھے ،ہٹلر نے خودکشی کر لی تھی اور دوسری جنگ عظیم ختم ہو چکی تھی...... اگر چہ احمد خلیل کو معلوم تھا کہ یہ ایک بہت اہم واقعہ ہے، لیکن اسے ان باتوں سے کوئی جوش و ولولہ یا خوشی محسوس نہ ہوئی اسے

Marfat.com

تو یوں لگتا کہ وہ ان تمام واقعات و حالات سے بالکل الگ تھلگ اور بے تعلق ہے۔ اور اس سے اس کی زندگی میں کسی طرح کی بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔

وہ ڈرائنگ روم میں، انتداب کے آخری انجام کے بارے میں اکثر و بیشتر ہونے والی گفتگوئیں اور بحثیں چھپ کر سنتا رہتا۔ دہشت پسندوں کا ظلم و تشدد دن بدن بڑھتا جا رہا تھا اور حکومت ان پر قابو پانے کے سلسلے میں بے بس تھی اور نہ ہی وہ کوئی ایسا حل تلاش کرنے کے قابل تھی جو عربوں یا یہودیوں کے دونوں کے لئے قابل قبول ہو۔ وہ دبی دبی سرگوشیاں سنتا کہ اگر صورت حال زیادہ ابتر ہوئی تو برطانیہ انتداب کو ختم کرتے ہوئے اپنی فوجیں یہاں سے نکال لے گا اور فلسطین کو یہاں کے عرب اور یہودی باشندوں کے لئے چھوڑ جائے گا کہ وہ خود لڑ کر اپنی قسمت کا فیصلہ کر لیں۔ احمد خلیل حیران تھا کہ آئندہ کیا ہو گا؟ رات پڑ چکی تھی۔ اس کا سارے دن کا کام ختم ہو چکا تھا۔ آفندی، اس کی بیویاں، بیٹے اور کنواری لڑکیاں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بالائی منزلوں میں اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ اب اسے کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ اب اسے اکیلے میں کتنا سکون محسوس ہو رہا تھا۔ یہاں سے فرار ہونے کا خیال ایک بار پھر اس کے ذہن میں پھرنے لگا۔ لیکن بھاگ کر جاؤں گا کہاں؟ اگر وہ کسی طرح اپنے گاؤں پہنچ بھی جائے تو آفندی کو فوری طور پر اس کی خبر ہو جائے گی' اسے پھر پکڑ کر واپس لایا جائے گا اور شدید سزا دی جائے گی۔

اندھیرے میں احمد خلیل اپنے کپڑوں کے نیچے چھپائے ہوئے خنجر کو اپنے پاس پا کر بہت محفوظ سمجھتا۔ اگر آفندی نے اسے دوبارہ تنگ کرنے کی جرأت کی تو وہ جانتا تھا کہ اپنی حفاظت کیسے کی جاتی ہے...... پھر وہ اپنی نیلی اور سفید دھاریوں والی عبا کو سہلاتا رہا...... یہ عبا عبدالعزیز اسے دے کر دنیا سے رخصت ہو گیا تھا!!! اس کے نیچے اس نے تین اور عبائیں پہن رکھی تھیں، یہ عبائیں مرنے سے قبل اس کے ماموں زاد کے استعمال میں رہ چکی تھیں اور اچانک اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے عبدالعزیز پُر رعب اور سنجیدہ انداز میں یہیں، اس کے آس پاس کہیں موجود ہو!!! ....!!! پھر اسے رشید اور اپنے چھوٹے بھائی کی یاد آئی۔ اس نے اللہ کے حضور یہ وعدہ کیا کہ اگر میں آزاد ہو کر دوبارہ گھر واپس پہنچ گیا تو میں خلیفہ کو کبھی تنگ نہیں کروں گا اور نہ ہی اس سے کوئی سخت بات کروں گا۔ اپنے تخیل کی دھند میں وہ کھیتوں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ زمین میں ہل چلانے کا موسم ہے۔

Marfat.com

جلد ہی بھیگی بھیگی گرم زمین سے نرم و نازک سبز کونپلیں پھوٹ رہی ہوں گی۔ وہ اپنے بچپن میں جب ابھی پاؤں پاؤں چلنے کے قابل ہوا تو اس کی امی اسے کھیتوں میں لے جا کر ہر قسم کے پودوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے نام بتاتی اور اسے بار بار ان کی شناخت کراتی یہ معمول اس وقت تک جاری رہا جب تک اس کی امی کو پورا یقین نہیں ہوا کہ اب میرا ننھا ان پودوں کے نام نہیں بھولنے پائے گا۔

اپنے آنسوؤں کو روکنے کی جدوجہد میں وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا باورچی خانے تک گیا۔ اس نے نلکے کی ٹونٹی کھولی اور بڑی توجہ سے چہرہ، ہاتھ، بازو اور پاؤں دھوتے ہوئے وضو کیا۔ نماز پڑھنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ میں اکیلا نہیں ہوں میں تو اللہ کو بھول سکتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ مجھے نہیں بھول سکتا۔ آخر کار اسے نیند آنا شروع ہو گئی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا طویل اندھیری غلام گردش میں گیا اور دیوار کے ساتھ سمٹ کر ایک نمدے پر سو گیا......

☆......☆......☆

Marfat.com

چودھواں باب

پھر وہی کنج قفس

ایک صبح مصطفیٰ آفندی نے احمد خلیل کو بلایا اور اسے یہ بتا کر حیران کر دیا کہ آج تم گھر میں کوئی کام نہیں کرو گے..... لڑکا خوشی اور ولولے کی ترنگ میں جھوم اٹھا۔ کیا اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ جس دن کا اس نے اتنا طویل عرصہ انتظار کیا دن آ پہنچا ہو۔ اس کی آزادی اور گھر واپسی کی گھڑی آ گئی ہو! شاید اس کے باپ کی دائمی امید کے مطابق کسی نرم دل برطانوی افسر نے اپنی طرف سے مداخلت کرتے ہوئے اسے یہاں سے آزاد کرا دینے کا فیصلہ کر لیا ہو.....؟ وہ امیدوں اور آرزوؤں کے تانے بانے بن رہا تھا کہ اسے آفندی کی آواز سنائی دی۔

لڑکے! ادھر آؤ میری بات سنو! آج تمہیں دوڑ کر بازار جانا ہو گا اور ہمارے لئے سودا سلف لانا ہو گا...... آج سہ پہر ہمارے ہاں بہت سے مہمان آ رہے ہیں اور تم ان کے لئے مٹھائیاں اور تمباکو خرید کر لاؤ گے اور غور سے سنو کہ تمہیں کس جگہ جانا ہے اور کہاں کہاں سے یہ چیزیں ملیں گی...... اور کسی قسم کا دھوکہ فریب کرنے کی کوشش نہ کرنا...... یاد رکھو! اگر تم نے فرار ہونے کی کوشش کی تو تم جہاں کہیں بھی ہوئے، مجھے فوری طور پر تمہارے ٹھکانے کی اطلاع مل جائے گی۔

احمد خلیل فوراً شہر کے بڑے بازار میں پہنچ گیا اور اسے اپنا راستہ ڈھونڈنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی کیونکہ وہ بچپن میں اپنے ماموں کے ساتھ پہلے بھی کئی مرتبہ یہاں آ چکا تھا۔ غزہ کا شہر قاہرہ کی طرح نہیں تھا...... قاہرہ جس کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے اس کا والد تھکتا نہیں تھا...... اور خوب نمک مرچ لگا کر جدید زندگی کی رنگینیاں بتاتے ہوئے

Marfat.com

سماں باندھ دیتا اور انہی رنگینیوں انہیں کی طرف وہ اپنے بیٹے کو بڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا اور اس بارے میں اس کی رہنمائی کا خواہاں تھا...... غزہ کو تو اس نے بہت زیادہ بڑھے ہوئے گاؤں سے کچھ زیادہ ہی پایا، صرف اس میں دکانیں اور بازار شامل تھا، اور مارکیٹ بھی بہت تھوڑی سی جگہ پر واقع تھی اور یہ خراب اور گھٹیا قسم کے گرد وغبار سے بھرپور تھی اور یہاں جگہ جگہ غلاظت بکھری ہوئی تھی۔ کچھ ٹرک اور موٹر گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ زیادہ تر ٹریفک تنگ کچی سڑک پر چل رہی تھی ۔ جو کہ ٹریفک کی ضروریات کے لحاظ سے بالکل ناکافی تھی۔ لیکن چھوٹے قد کے موٹے موٹے گدھے، جن پر ان کے مالک سوار تھے ان پر پٹرول لاد کر وہاں سے گزر رہے تھے اور اکثر گدھوں پر ان کے اپنے وزن سے تین گنا زیادہ بوجھ لدا ہوا تھا۔ آج تقریباً ایک سال کی جان لیوا قید، مسلسل نگرانی کی اذیت، مار پیٹ کی دھمکیوں کے بعد وہ کھلے آسمان کے نیچے تازہ ہوا سے پر ہجوم گلیوں میں آزادی سے لطف اندوز ہوا۔

آخرکار رہ رکا اور دُزدیدہ نگاہوں سے ایک چھوٹی سی دکان کے اندر جھانکا۔ اندھیرے کونے میں ننگے سر اور واسکٹ پہنے ہوئے' سٹول پر تاجر عیسیٰ برکات بیٹھا ہوا تھا۔ وہ حقہ پیتے ہوئے بڑا مگن معلوم ہوتا تھا اور اپنے چھوٹے ریڈیو سیٹ پر قاہرہ سے نشر ہونے والی تیز موسیقی سن رہا تھا۔ معاً اس نے اپنی موٹی موٹی زرد آنکھیں اوپر احمد خلیل کی طرف اُٹھائیں اور اس پر ایک پھسلتی ہوئی نگاہ ڈالی......

''مجھے شہد اور کشمش سے بنے ہوئے پچاس چھوٹے کیک اور ترکی حقے کے لئے تمباکو چاہئے۔ لڑکے نے بڑی محنت کے ساتھ اخباری کاغذوں میں یہ چیزیں لپیٹ کر باندھیں اور تاجر کے بھورے رنگ کی ہتھیلی پر چاندی اور تانبے کے کچھ سکے رکھ دیئے......

''اتنے تھوڑے پیسے؟؟'' تاجر نے غرانے کے انداز میں کہا۔ اور تمہیں تمباکو کتنا چاہئے؟''

''جو چھ حقوں میں تمام سہ پہر کے لئے کافی ہو' احمد خلیل نے جواب دیا۔ اس نے اسی انداز میں سودا چکانے کی کوشش کی جس طرح اس نے اپنے ماموں کو دیکھا تھا، لیکن وہ اپنے ماموں کی طرح زیرک نہ تھا۔ آخرکار وہ مایوسانہ انداز میں بول اٹھا ''لیکن میرے پاس تو سارے پیسے بس یہی ہیں!''

عیسیٰ برکات خاموش ہوگیا اور اس نے ریڈیو بند کر دیا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ کسی

Marfat.com

گہری سوچ میں محو ہے۔ اُس نے اپنا چھوٹا سا فربہ ہاتھ اُٹھایا اور اپنے گنجے سر کو سہلایا اور دوسرے ہاتھ سے اپنی تیل لگی ہوئی سیاہ مونچھ کے کونے مروڑنے لگ گیا۔

''تم یہ کیک اور تمبا کو لے لو' اس نے بڑی نرمی سے کہا۔''لیکن تم ابھی نہ جاؤ۔ کیونکہ تم ایک طویل راستہ طے کر کے آئے ہو'' اس نے ایک دوسرا سٹول کھینچتے ہوئے بڑے تپاک سے کہا''بیٹھ جاؤ! اور تھوڑی دیر کے لئے دَم لے لو' ایک لمبی ٹونٹی والے کافی کے بہت بڑے بڑے سماوار کو اٹھا کر اس نے احمد خلیل کے لئے مزے دار اور گرم کافی کا ایک کپ اس میں سے انڈیلا۔ جب وہ بیٹھا تو پرانا اسٹول اس کے فربہ جسم کے بوجھ سے چوں چوں کرنے لگ گیا''میرے بیٹے! اب مجھے بتاؤ تم کون ہو؟''

''میں ملک وہاب کا بیٹا ہوں......''

''ملک وہاب'' دکاندار کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس نے کہا۔''تمہارا والد اور میں اتنے گہرے اور بہترین دوست تھے کہ یوں معلوم ہوتا کہ جیسے ہم دونوں آپس میں بھائی ہیں۔ ان دنوں میرا گھر مصطفیٰ آفندی کے گھر سے متصل تھا۔ بچپن میں ہم اکٹھے کھیلتے ۔ وہ طویل اوقات میں کیسے بھول سکتا ہوں جب میں اور ملک وہاب یہاں بیٹھ کر گاہکوں سے دکانداری کرتے تھے اور میرے برجستہ کہے ہوئے اشعار وہ مجھے مترنم آواز میں سناتا۔ جنہیں میں نے خود موزوں کیا تھا کیونکہ مجھے شروع میں شعر کہنے کی رغبت تھی۔ کرسمس کا زمانہ آنے پر جب میں اپنے بہنوں بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کے لئے تحفے تحائف خریدنے بازار جاتا تو وہ ہمیشہ میرے ساتھ ہوتا۔ میری بہت خواہش تھی کہ میں اسے اپنے ساتھ''بیت اللحم'' لے جاؤں۔ کیونکہ ہم ہر سال زیارت کے لئے یہاں جاتے ہیں............''

''کیا آپ حاجی ہیں؟ آپ کبھی مکہ یا مدینہ بھی تو گئے ہوں گے''؟
احمد خلیل نے بڑے تجسس سے پوچھا۔

''نہیں میرے بچے! میں مکہ یا مدینہ کبھی نہیں جا سکتا، کیونکہ وہاں تو صرف مسلمانوں کو جانے کی اجازت ہے ۔تم دیکھتے ہو کہ میں عیسائی ہوں، لیکن تمہارے باپ نے مجھے قرآن کی کچھ آیات تلاوت سے سنائی تھیں اور میں جانتا ہوں کہ تم بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے عقیدت مند ہو۔ میں نے پورے فلسطین کا سفر کرتے ہوئے تمام مقدس مقامات یروشلم' بیت اللحم' رملہ' ہبرون' الخلیل اور نابلوس کی زیارت

Marfat.com

کی ہے۔ جہاں زیتون ، انگوروں اور اناروں کے باغات میں گھرے ہوئے سرخ پتھروں سے تعمیر شدہ مکانات کے آثار پر سورج کی گرم شعاعیں عکس ریز ہوتی ہیں۔ جہاں ہر طرف مکمل خاموشی اور سکون کی کیفیت تھی۔ میں اپنے مذہب سے محبت کرتا ہوں اور اس ملک کے ہر حصے سے پیار کرتا ہوں ۔ کیونکہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بہت سے برگزیدہ پیغمبر اور ان کے قابل احترام والدین یہاں قیام پذیر رہے ، جنہوں نے اس سرزمین کو مقدس اور پاک بنا دیا ہے تم ان کے اثرات کو آج بھی یہاں محسوس کر سکتے ہو اور یہی وجہ ہے کہ میں یہاں کے علاوہ دُنیا کے کسی بھی خطے میں رہنا پسند نہیں کرتا......''

''کیا آپ نے میرا گاؤں نہیں دیکھا'' احمد خلیل نے پوچھا۔''وہ یہاں سے کوئی زیادہ دور تو نہیں ہے''

''یہ جنوب کا حصہ قدرے مختلف ہے، کیونکہ زیادہ تر مقدس مقامات اور خوبصورت علاقے شمال میں واقع ہیں۔ لیکن ملک کا یہ حصہ بھی کچھ کم مقدس نہیں ہے۔ بہت سال گزرے کہ میں نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تمام تفصیلات مجھے ابھی تک یاد ہیں۔ میں تمہارے والد کی تلاش میں عراق المنشیا کے راستے پر ہو لیا تھا۔ جب میں پیدل چل رہا تھا تو میں نے ریت پر قدموں کے نشانات دیکھے۔ میں نے اپنے آگے بہت دور ایک آدمی دیکھا۔ پہلے تو میں نے خیال کیا کہ وہ کوئی معمولی بدو ہوگا، وہ ٹھہر گیا اور میرا انتظار کرنے لگا۔ اگرچہ اس کا قد و قامت ایک عام آدمی کی طرح تھا۔ لیکن اس کی عظمتِ اور جاہ و جلال نے مجھے مرعوب کر دیا۔ اس کا کافیہ، اس کے سر کے گرد اس طرح لپٹا ہوا تھا کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ میں نے وہاں صرف ایک چمکدار خیرہ کن روشنی دیکھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے !.. مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ ایک طویل ثانیے کی خاموشی کے بعد مجھے انہوں نے بتایا کہ میں ابراہیمؑ ہوں...... اور ریت پر نشانات میرے قدموں کے ہیں اگر فلاح پانا چاہتے ہو تو ہمیشہ انہی نقوش قدم پر چلتے رہو......''

''جب میں عراق المنشیا گیا تو بلاشبہ میں نے تمام راستے میں بعینہٖ یہی نقوش قدم ریت میں دیکھے۔ لیکن میں تمہارے ابا سے نہ مل سکا............''

''کیوں نہ مل سکے؟'' لڑکے نے پوچھا ''وہ تو سارا دن وہیں رہتے ہیں''

''یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس سے پہلے کیا کیا واقعات رونما ہوئے۔ مصطفیٰ آفندی اور تمہارے والد نے نجی طور پر پڑھا اور اعلیٰ تعلیم

Marfat.com

سے بہرہ یاب ہوئے۔ مصطفیٰ آفندی کا باپ فواد آفندی دونوں لڑکوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے یورپ بھیجنا چاہتا تھا لیکن یورپ کی پہلی جنگ عظیم کے سبب وہ اپنے اس ارادے کو ملتوی کرنے پر مجبور ہو گیا۔ آخرکار جب جنگ ختم ہوئی تو دونوں نے ایک اعلیٰ اور مشکل تعلیمی امتحان دیا۔ لیکن اس سے قبل کہ انہیں نتائج کے بارے میں کچھ معلوم ہوتا مصطفیٰ آفندی کا باپ، فواد آفندی انفلوائنزا کی ایک ہولناک وبا میں ایسا بیمار ہوا کہ آن کی آن میں دنیا سے چل بسا۔ اس کی وفات کے بعد آکسفورڈ یونیورسٹی نے ملک وہاب کو ایک طالب علم کی حیثیت سے داخلہ دینا منظور کر لیا جبکہ مصطفیٰ آفندی کی درخواست مسترد ہو گئی۔ یہ ذلّت اٹھانے کے بعد مصطفیٰ تمہارے والد سے اتنی شدید نفرت کرنے لگا کہ وہ اس کی شکل تک دیکھنا گوارا نہ کرتا۔ اس نے تمہارے باپ اور چچا دونوں کو یہاں سے نکال کر اپنی جاگیر پر بھیج دیا اور عراق المنشیا کے فلاحین (مزارعوں، راہکوں) کے ساتھ انہیں بھی کام کرنے پر مجبور کر دیا...... میرا تو شروع سے یہی خیال تھا کہ وہ خاندان میں ملازم ہے۔ لیکن یہ تو میرے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ایک غلام ہے۔ میں اس پر اتنا دل گرفتہ ہوا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں؟ سوائے اس کے کہ جن مصائب کے بھگتنے پر اسے مجبور کر دیا گیا ہے۔ میں اسے، اس کے حال پر چھوڑ دُوں۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں اس کے آلام و مصائب اپنے اُوپر لے لیتا.......... میرے بچے! میں تمہارے لئے کافی کا ایک اور کپ ڈال دوں، یہ تمہارے لئے بہتر رہے گا..........

لیکن احمد خلیل یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا ”مجھے اب جانا چاہئے۔ مجھے دیر ہو رہی ہے.......... اس نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا! اللہ تمہارا نگہبان ہو“ عیسیٰ برکات نے کہا ”اور اپنے ابا سے میرا ذکر کرنا نہ بھولنا“..........

خریدی ہوئی چیزوں کا پلندہ اپنی بغل میں مضبوطی سے دبا کر، ہجوم میں سے تیر کی طرح راستہ بناتے ہوئے احمد خلیل گلیوں میں سے جتنا تیز بھاگ سکتا تھا، دوڑتا گیا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اگر دیر ہو گئی تو مصطفیٰ آفندی غضبناک ہو کر اسے سخت سزا دے گا۔ کچھ دیر بعد وہ سانس لینے کے لئے پتھر کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

ایک دراز قد، صحت مند دیہاتی عورت اس کے پاس سے گزری۔ وہ عنفوان شباب میں ہی اپنے سیدھے اور خوددار سر پر پکے ہوئے کھیروں اور ککڑیوں کی ٹوکری

Marfat.com

اٹھائے ہوئے تھی۔ وہ ننگے پاؤں تھی لیکن ایک فطری اور پرشکوہ' حیادار انداز سے چل رہی تھی۔ اس کی چال بالکل ایسے تھی جیسے اس کی امی چلا کرتی تھی اور ایک لمحہ کے لئے تو احمد خلیل کو یقین ہو گیا کہ اس کی امی دوبارہ اس دنیا میں آ گئی ہو..........! عقب میں اس نے ایک دوسری عورت کو دیکھا، جو کہ انتہائی دبلی اور لاغر تھی۔ ضعیفی کے سبب اس کمر دہری ہو گئی تھی۔ وہ پھٹے پرانے چیتھڑوں میں ملبوس تھی جو اس کا جسم ڈھانپنے کے لئے نا کافی تھے۔ وہ ٹاٹ کی بوری میں پیاز کا بوجھ اٹھائے ہوئے منڈی کی طرف جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ بوجھ اس کی ہمت سے کہیں زیادہ تھا...... وہ ٹھوکر کھا کر گر گئی لیکن پاس سے گزرنے والے آدمیوں کے ہجوم نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی...... وہ اس کی طرف گیا اور بڑھیا کو کھڑے ہونے میں مدد دی۔ پھر وہ اسے نزدیکی مسجد میں لے گیا تا کہ وہ آرام کرتے ہوئے اپنے آپ میں آ سکے۔ اس نے مصطفیٰ آفندی کے دیئے ہئے تانبے کے آخری سکے جیب سے نکالے اور ایک شربت بیچنے والے کو روکا۔ اور اس بے چاری بڑھیا کو ٹھنڈا اور فرحت بخش مشروب پلایا۔ جلدی سے اس نے اپنا بنڈل کھولا۔ تین شہد لگے ہوئے کیک نکال کر بڑھیا کے پژمردہ ہاتھوں میں دیئے اور پھر جلدی سے بھاگ گیا۔

یکا یک اسے بے جا خوف و ہراس نے آ لیا۔ وہ کہاں تھا؟ ایک بہت بڑے احاطہ میں، جو کہ برطانوی ٹرکوں اور جیپوں سے بھرا ہوا تھا، جہاں لوہے کے خود پہنے ہوئے فوجی ادھر ادھر تیزی سے بھاگتے ہوئے ایک عجیب و غریب زبان میں چلا رہے تھے، جسے وہ سمجھ نہیں سکتا تھا۔ یورپی لباس پہنے ہوئے خوشحال عرب شہریوں کے ہجوم اس کے پاس سے گزر رہے تھے۔ پہلے ہی سہ پہر کا وقت ہو چکا تھا اور وہ ابھی تک جاگیردار کی حویلی سے بہت دور تھا جو کہ شہر کے مضافات میں واقع تھی۔ اسے سخت بھوک لگ رہی تھی اور باقی کیک اس نے چبانے شروع کئے حتیٰ ایک ایک کر کے وہ سارے کے سارے ہی کھا گیا.......... اب وہ واپس جانے سے ڈرتا تھا کہ اسے اپنے خنجر کا خیال آیا لیکن اس بات سے خوفزادہ ہوا کہ اپنا دفاع کرنے کی صورت میں انجام اس کے سوا اور کچھ نہ ہو گا کہ اس کی مزید پٹائی ہو جائے!!!

☆......☆......☆

Marfat.com

پندرھواں باب

قید سے رہائی

جوں جوں وقت گزرتا گیا، مصطفےٰ آفندی کے گھر میں احمد خلیل کے لئے زندگی گزارنا آسان ہو گیا۔ اب اس سخت نگرانی نہیں کی جاتی تھی اور نہ ہی معمولی معمولی باتوں پر مشتعل ہو کر اس کی پٹائی کی جاتی تھی ۔ ایک دفعہ ان کے تنگ کرنے سے احمد خلیل اس قدر مشتعل ہوا کہ اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور اس نے مصطفےٰ آفندی کو اپنے خنجر سے قتل کرنے کی دھمکی دے دی، آفندی محض پیچھے ہی ہٹتا گیا حتیٰ کہ احمد خلیل نے اسے ایک کونے میں گھر لیا۔ اس نے تو اتنا بھی نہ ہو سکا کہ لڑکے سے خنجر چھین لے کیونکہ لڑکا طاقت میں اس سے جیت چکا تھا۔ اس واقع کے بعد وہ احمد خلیل کے ساتھ عزت سے پیش آتا اور اسے تازہ اور گرم کھانا ملتا تھا۔ اب اُسے اس کی ہمت سے زیادہ کام پر مجبور نہ کیا جاتا تھا۔ اور اب تو اسے اپنی مرضی کے مطابق فراغت سے رہنے کے لئے بہت وقت دیا جاتا تھا۔

احمد خلیل اب اپنی عمر کے تیرہ سال پورے کر چکا تھا۔ اس کا بچپن اب ہمیشہ کے لئے تیزی سے پیچھے کو سرک رہا تھا۔ اور وہ اپنے ذہن اور جسم میں تیزی سے رونما ہونے والی نشوونما کو محسوس کر رہا تھا۔ آنے والی بلوغت اس کے لئے شگفتگی، خوشی اور فخر کا باعث بن کر آئی۔ ایک دن جب وہ کمرے کی صفائی میں مصروف تھا تو اسے چند پرانی کتابوں کے علاوہ اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے چند رسالے ملے۔ جب اُسے فرصت کے لمحات میسر آتے وہ ان کی ورق گردانی کرتے ہوئے انہیں پڑھنے کی کوشش کرتا۔ لیکن پڑھنا ابھی تک اس کے لئے دردِ سر کی حد تک ایک پریشان کن دشواری تھی۔ اس پڑھائی سے اسے جو

Marfat.com

تھوڑی بہت سمجھ آتی بھی تھی وہ بہت بے کیف اور غیر دل چسپ تھی ۔ جن چیزوں کے بارے میں جاننے کے لئے وہ گہری رغبت رکھتا تھا۔ یہاں کوئی بھی ایسی چیز پڑھنے کے لئے اسے مل نہ سکی۔

گھر میں جب اس کا کام ختم ہو جاتا تو وہ اکیلا اور کسی نگرانی کے بغیر غزہ کے بازاروں میں دُور دُور تک پھرتا رہتا۔ دکانوں میں سجائی ہوئی رنگا رنگ دلکش مصنوعات و اشیاء کو دیکھتا اور اکثر اوقات وہ بدوؤں کے ہجوم میں گھل مل جاتا، جو کہ شہر کی منڈی میں بھیڑیں، بکریاں اور اونٹ فروخت کرنے کے لئے آئے ہوئے ہوتے تھے۔ حج کے ایام قریب آ رہے تھے اور شہر کے بازاروں کی دیواریں مکہ معظمہ اور مسجد نبویؐ کی تصویروں والے آویزاں پوسٹروں اور کیلنڈروں سے بھری ہوئی تھیں۔ احمد خلیل ان تصویروں کو دیر تک ٹکٹکی باندھ کر کھڑا دیکھتا رہتا.......... لیکن اب محض تصویریں اسے مطمئن نہیں کر سکتی تھیں وہ بذات خود وہاں جانے کا خواہاں تھا...... وہ چلتا رہا حتیٰ کہ ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔وہ پلیٹ فارم پر بیٹھ گیا اور آنے جانے والی ریل گاڑیوں کو دیکھتا رہا۔ اچانک وہ اپنے سر کے اوپر سے گزرتے ہوئے ہوائی جہاز کو دیکھ کر چونک گیا۔ آہ! آج اگر عبدالعزیز اس دنیا میں ہوتا.......... تو وہ دونوں ہوائی جہاز میں سوار ہو کر سب سے پہلے مکہ معظمہ جاتے...... اور پھر باقی ساری دنیا کی سیاحت کرتے...... ! نئے مناظر! نئے چہرے...... ! نئی سنسنی خیز اور جان جوکھوں والی مہمات...... ! آج یروشلم! کل دمشق! پھر وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر قاہرہ کی نوتعمیر شدہ پر رونق اور پر شکوہ جگہوں کی سیر کرتے!!

احمد خلیل زیادہ تر وقت غزہ کی گلیوں میں مٹر گشت کرتے ہوئے گزارتا...... پھر ایک وقت آیا کہ مصطفےٰ آفندی نے اسے نزدیک ترین واقع ایک عام قسم کے حمام میں بھیجنا شروع کر دیا۔

آفندی نے ایک دن اسے ڈانٹتے ہوئے کہا ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے غلیظ ہو کر بھی تم دنیا میں کیسے زندہ پھرتے ہو؟ اس حالت میں دیکھ کر تو تمہیں ہر کوئی بھکاری ہی سمجھتا ہوگا! ہوں! تم سے تو کوڑے کرکٹ جیسی بدبو آ رہی ہے...... ! کیا تمہیں خود اپنی اس حالت سے گھن اور شرم محسوس نہیں ہوتی؟ یہ لو! کچھ پیسے اور جب تک تم نہا دھو کر صاف ستھرے نہ ہو جاؤ۔ مجھے دوبارہ نظر نہ آنا!

شرم اور گھٹن کی ایک لہر لڑکے، کے تن بدن میں دوڑ گئی! لیکن وہ کیا کر سکتا

Marfat.com

تھا؟ یہاں آئے ہوئے اسے دو سال سے بھی زیادہ کا عرصہ ہو گیا تھا، لیکن مصطفےٰ آفندی نے پہننے کے لئے اسے کپڑوں کا ایک جوڑا تک نہ دیا تھا اور اب تو یہ حال ہو گیا تھا کہ معمولی چیتھڑوں میں اس کا وجود چھپا ہوا تھا۔ لیکن درد اور رنج کی لہریں فرو ہو گئیں کہ آنے والے وقت کے بارے میں اسے تھوڑا بہت یقین تھا کہ مستقبل میں اس کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے گا۔

گلیاں فوجیوں سے بھری ہوئی تھیں اور لوگ اپنا سامان اور دیگر اشیاء بڑی بڑی بسوں اور ٹرکوں میں لاد رہے تھے۔ وہ حیران تھا کہ حمام جہاں صبح کے وقت نہانے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا، آج صبح بالکل سنسان پڑا تھا۔ حمام کا خادم وہاں ایک طرف پڑے ہوئے میز پر بیٹھا ریڈیو سن رہا تھا۔ لیکن عام معمول کے برعکس یہ ریڈیو قاہرہ نہیں تھا، جہاں سے تیز موسیقی نشر ہوئی تھی بلکہ اس کے بجائے ایک بھاری آواز بلند ہوئی، جس کا لہجہ غیر ملکی ہونے کے چغلی کھا رہا تھا۔

اسرائیل کی آزادی کا اعلان

''یہ ریڈیو صدائے اسرائیل، کول یسرول کی عربی سروس ہے...... ابھی ابھی ایک ایک دستاویز میرے حوالے کی گئی ہے کہ میں برطانوی انتداب کے خاتمے اور اسرائیل کی ریاست کے قیام کی خبر نشر کروں...... یعنی اسرائیل کی آزادی کا اعلان.......... جس کا متن یہ ہے۔

''اسرائیل کی سرزمین یہودیوں کی جنم بھومی تھی۔ اس تاریخی انجمن کی تحریک پر اپنے آباؤ اجداد کی زمین پر واپس آنے اور اپنی ریاست واپس لینے کے لئے یہودیوں نے صدیوں تک جدوجہد کی ہے حالیہ گزشتہ عشروں میں وہ بہت بڑی تعداد میں واپس آئے۔ انہوں نے صحرا واپس لیا۔ اپنی زبان دوبارہ زندہ کی،، شہر تعمیر کئے، لہلہاتے کھیت آباد کئے، صنعتیں قائم کیں اور ایک نئی ترقی پسند قوم کی تعمیر کی، جس کا اپنا اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی طرز زندگی ہے۔ وہ امن کی تلاش میں تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنا دفاع کرنے کی خود ہی تیاریاں کیں۔ وہ یہاں کے تمام باشندوں کے لئے خوشحال اور روشن خیالی کی نعمتیں لے کر آئے۔

Marfat.com

اعلان بالفور

یوں تو اعلان بالفور۔ 2 نومبر 1917ء کو ہی ہمارے حقوق کا اعتراف کر لیا گیا تھا۔ لیکن مجلس اقوام کے نافذ کردہ برطانوی انتداب نے واضح طور پر اور باضابطہ انداز میں انہیں بین الاقوامی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ یورپ میں نازیوں نے لاکھوں یہودیوں کو آگ میں زندہ جلا کر جب ان کا قتل عام کیا، تو اس سے ایک نئی ضرورت کا ثبوت مہیا ہو گیا۔ دوسری جنگ عظیم میں فلسطین میں آباد، یہودیوں نے بھرپور انداز میں اتحادیوں کا ساتھ دیا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 29 نومبر 1947ء کو ایک قرارداد منظور کی، جس میں فلسطین کے خطے میں ایک یہودی ریاست کے قیام کے مطالبہ پر زور دیا۔

یہودی قوم کے لئے اپنی آزاد ریاست قائم کرنے کا حق ایک اٹل حقیقت ہے۔ دوسری تمام قوموں کی طرح، یہودی قوم کا بھی یہ فطری حق ہے کہ وہ بھی ایک آزاد اور خود مختار شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کریں، اسرائیل کی ریاست، دنیا بھر میں پھیلے ہوئے یہودیوں کو، بغیر کسی پابندی کے اسرائیل میں آباد ہونے کی اجازت دے گی۔ اس سے یہاں کے تمام باشندوں کی معاشی اور صنعتی ترقی میں اضافہ ہوگا۔ یہ ریاست بنی اسرائیل کے پیغمبروں اور برگزیدہ بزرگوں کے بتائے ہوئے آزادی رائے، انصاف اور امن کے اصولوں پر قائم ہوگی اور کسی نسلی، مذہبی اور صنفی امتیاز کے بغیر مذہب، ضمیر، تعلیم اور ثقافت کے بارے میں مکمل آزادی دی جائے گی اور اقوام متحدہ کے منشور کے اصولوں کی وفادارانہ پابندی کرتے ہوئے تمام مذاہب کے مقدس مقامات کی حفاظت کی جائے گی۔ ایک ناروا اور اندھا دھند جارحیت کے مرتکب ہونے کے باوجود، اس ریاست کے مساوی شہری اور تمام تنظیموں اور اداروں میں بھرپور نمائندگی کے حقدار ہونے کے سبب ہم اسرائیل کے تمام عرب باشندوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ امن و امان برقرار رکھیں اور ملک کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔ ہم تمام ہمسایہ ملکوں اور ان کے عوام کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے انہیں دعوت دیتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر 5708 موسوی کے پانچویں مہینے اور 14 مئی 1948ء کو فلسطین کے علاقے اور تل ابیب کے شہر میں باضابطہ طور پر یہودیوں کی ریاست کے قیام کا اعلان کرتے ہیں جس کا نام اسرائیل ہوگا.........."

اس کے فوراً بعد ریڈیو میں سے بلند ہونے والے، کانوں کے پردے پھاڑ

Marfat.com

دینے والے شور نے اس آواز کو دبا لیا اور حمام کے خادم نے ریڈیو بند کر دیا۔ احمد خلیل یہ تو جانتا تھا کہ بلائے ناگہانی پر مبنی کوئی بہت بڑا واقعہ رونما ہو چکا ہے۔ لیکن اس آفت نما صورت حال کے اس پر کیا اثرات ہوں گے، وہ اس کا اندازہ نہ کر سکا۔ وہ اس صورتحال کے بارے میں کسی سے بات چیت کرنے کا خواہش مند تھا لیکن حمام کے خادم نے ایک بیزار اور جذبات سے عاری چہرے کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

وہ ٹائیلوں کے فرش سے مزین خالی کمرے میں چلا گیا۔ اس نے اپنی چاروں عبائیں، کفیہ اور باقی ماندہ پہنے ہوئے کپڑے اتار دیئے...... جبکہ حمام کے خادم نے اس کی طرف پشت کئے ہوئے فوارارے کی ٹونٹی کو کھول دیا۔ نیم گرم پانی کی دھاریں اس کے جسم کے اوپر بہنا شروع ہوئیں تو اس نے خوشی سے چلانا شروع کر دیا۔ گھر پر غسل کے لئے پانی ملنا ایسے تعیّشات میں شامل تھا، جس کا موقع بہت کم آتا اور اکثر اوقات خصوصاً خشک اور گرم طویل موسم گرما میں تو وضو کے لئے پانی نہ ملنے کے سبب گرد اور ریت سے تیمّم ہی کرنا پڑتا تھا۔ جب اس نے ایک سکہ مزید دیا تو حمام کے خادم نے اسے بہترین صابن کی ایک ٹکیہ، ایک برش اور ایک پرانی استعمال شدہ لکڑی کی کنگھی دی، تاکہ وہ اپنے جسم پر میل کی جمی ہوئی تہوں کو رگڑ رگڑ کر صاف کر سکے۔ اور اس کے جنگلیوں جیسے پراگندہ سیاہ بال، جنہیں کئی سال سے کاٹنے کی نوبت نہیں آتی تھی اور اب وہ اس کے کندھوں تک آ رہے تھے، صاف ہو سکیں، آخر میں خادم نے غسل خانے کا دروازہ بند کر دیا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ احمد خلیل کے بھیگے ہوئے جسم سے پانی ٹپک رہا تھا اور وہ اسی طرح لنگوٹی باندھے ہوئے ہی ٹائیلوں کے فرش کو پار کر کے کمرے کے دوسری طرف گیا جہاں سامنے والی دیوار پر ایک قد آدم آئینہ اس کے مد مقابل نصب تھا۔ اس نے اس سے پہلے کبھی آئینہ بھی نہیں دیکھا تھا اور کئی لمحے تک وہ اپنے عکس سے حیرت زدہ انداز میں مسحور ہو کر کھڑا رہا' اور اس کے لئے یہ اچنبھے کی بات تھی کہ اپنا عکس ہی اسے جواباً ٹکٹکی باندھ کر گھور رہا تھا۔ ایک پتلے سے سیاہ چہرہ کے غیر معمولی نقوش، ایک گہری اثر انگیزی اور کشش کے حامل تھے ...... اس کا چہرہ موٹے افریقی نقوش اور عربوں کی روایتی خوبصورت ناک کا حسین امتزاج تھا...... اوپر کے ہونٹ سے اندازہ ہوتا تھا کہ مسیں بس اب بھیگنے ہی والی ہیں...... پچھلے سال وہ محض ایک لڑکا تھا، لیکن اب وہ ایک بھرپور اور مکمل جوان آدمی دکھائی دیتا تھا۔ لیکن اپنے باپ کے برعکس جو کہ ایک سرو کی مانند سیدھے اور دراز قد و قامت اور ہر لحاظ سے

Marfat.com

متناسب جسم کا مالک تھا۔ اگرچہ احمد خلیل میں درازیٔ قد کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن یہ جان کر اسے دھچکا لگا کہ اس کا جسم اعصاب اور عضلات کی نسبت کمزور تھا۔ ہڈیاں باہر نکلی ہوئی اور اتنی پتلی تھیں کہ جسم کی نسیں تھوڑی سی لچک دینے سے نمایاں نظر آتی تھیں۔ وہ دل گرفتہ سا ہو کر آئینے سے ہٹ گیا اور کھونٹی پر لٹکے ہوئے تولیے سے اپنا جسم خشک کر لیا۔ پھر اس نے دوبارہ وہی گندے کپڑے پہن لئے کیونکہ اس کے پاس اس کے علاوہ دوسرا لباس کوئی نہیں تھا۔

اب تو دوپہر سے بھی زیادہ وقت ہو گیا تھا۔ احمد خلیل نے واپسی کا ارادہ کیا۔ گلیاں ٹرکوں سے بھری ہوئی تھیں اور ہر عمر کے لوگ ان میں گنجائش سے کہیں زیادہ اپنے سامان سمیت، سامان کے ڈھیروں کے اوپر ٹرکوں پر لدے بیٹھے تھے اور جب ٹرکوں کے ریلے اس کے پاس سے گزرتے گئے تو وہ ان پر سوار دہشت زدہ چہروں کی ایک جھلک ہی دیکھ سکا۔ وہ خوف زدہ ہو گیا کہ کیا آفت ٹوٹ پڑی ہے؟ یہ تمام لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ وہ کچھ بھی سمجھ نہ پایا!!!!

جب وہ واپس آیا تو وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ مصطفےٰ آفندی کا گھر مکمل طور پر ویران پڑا تھا۔ ہر دروازہ دوہرے تالوں سے مقفل تھا، کھڑکیاں بند پڑی تھیں۔ بدحواسی میں اس نے کئی بار آوازیں دیں...... لیکن جواباً کہیں سے کوئی آواز نہ آئی...... زمین پر کوڑا کرکٹ بکھرا پڑا تھا اور صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ بہت افراتفری کے عالم میں یہاں سے فرار ہوئے تھے۔ لیکن کہاں اور کدھر؟ اور کیوں؟ وہ انتظار کرتا رہا۔ لیکن یہاں تو زندگی اور کسی ذی نفس کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ حیرت زدہ تھا کہ مصطفےٰ آفندی شاید اب کبھی واپس نہیں آئے گا! شاید وہ قتل ہو چکا ہو......! اب تو مصطفےٰ آفندی کو اسے خود ہی تلاش کرنا پڑے گا۔ وہ افسوس زدہ انداز میں ہکا بکا ہو کر پچھتا رہا تھا کہ مجھے کبھی اخبار تک پڑھنے کا بھی خیال کیوں نہیں آیا تھا...... اب اس کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا...... اور اس نے فوراً گھر جانے کا فیصلہ کیا۔

☆......☆......☆

Marfat.com

سولھواں باب

گھر واپسی

ماہ رمضان آ گیا تھا۔ سال کا مبارک ترین مہینہ......! وہ مہینہ جب قرآن پاک کی پہلی وحی حضور نبی اکرم حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔ فجر سے غروب آفتاب تک روزے رکھنے کا مہینہ، قرآن پاک کی تلاوت اور رات کو مساجد میں طویل قیام پر مبنی نماز تراویح پڑھنے کا مہینہ...... گزشتہ سالوں کی طرح دوسرے دیہات کی مانند عراق المنشیا کے بچوں کے لئے بھی رمضان کا مطلب تھا رنگا رنگ اور جگمگاتے ہوئے قمقموں کی رونق۔ جس سے پورا گاؤں روشن ہو جاتا......گلیوں میں جلوس ہی جلوس' سدھائے ہوئے بندروں، طوطوں اور ناچنے والے ریچھوں کو لئے ان کے سدھانے والے بچوں کو خوش کرنے اور ان کا دل بہلانے کے لئے گاؤں گاؤں پھرتے...... کرتب دکھانے والے، داستان گو، اور جہاں گشت مغنی شاعر ڈھول اور اکتارے جیسے سادہ قسم کے سازوں کے ساتھ سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطان ببرس کے عظیم عسکری بہادرانہ کارنامے نظموں کی صورت میں گاتے ہوئے گاؤں گاؤں پھرتے...... ان عظیم فرزندان اسلام کے کارنامے جنہوں نے صلیبی جنگجو عیسائیوں کو فلسطین سے نکال کر اسے اسلام کا گہوارہ بنا دیا تھا۔ احمد خلیل کو یاد آیا کہ اپنے بچپن کے ایام میں سحری کے ابتدائی اوقات میں وہ اور عبدالعزیز اپنے اپنے والد کے ساتھ ہر دروازے پر جا کر دیہاتیوں کو سحری کھانے کی غرض سے جگانے کے لئے پورے گاؤں میں گشت کرتے، ڈھول بجاتے ہوئے یہ گاتے:

اے! اللہ کے عبادت گزارو!
کرو اس کی توحید کا اقرار!

Marfat.com

اور اٹھو اے روزہ دارو!
کر لو آخرت کو یاد!

لیکن حالیہ رمضان، احمد خلیل کے لئے مقدس ہونے کے بجائے کہیں زیادہ ستم شعار تھا...... یہ تنہائی کا مہینہ تھا! وہ مہینہ جب اس پر منکشف ہوا کہ اس کی طویل غیر حاضری میں اس کا باپ اور بھائی، اس کے لئے بالکل اجنبیوں کی طرح ہو گئے تھے۔ یہ مہینہ گلا گھونٹ دینے والی خشک سالی اور بے رحم بھوک کا مہینہ تھا۔ وہ مہینہ جب نجبا کے کسانوں نے پانی کے بہاؤ کا رخ اپنے کھیتوں کی جانب موڑ لیا تھا اور عراق المنشیا کی زمین تپتے ہوئے گرم سورج کے نیچے جھلسی جا رہی تھی۔

پہلے پہلے تو احمد خلیل کو اپنے ابا سے دوبارہ ملنے کی بہت خوشی ہوئی، لیکن جلد ہی اس کا طلسم ٹوٹ گیا، کیونکہ اب ایسا لگتا تھا جیسے وہ ایک دوسرے سے بہت کم واقف ہوں۔ وہ حتی الوسع اپنے باپ سے کنی کترانے کی کوشش میں رہتا کیونکہ ایسا لگتا تھا کہ ہر بات سے بحث اور نکتہ چینی بڑھتی جائے گی۔ ایک دن ملک وہاب نے سختی کے انداز میں اس سے پوچھا تم نے شہر کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟ دوسرے شہروں کی طرح غزہ کتنی تیزی سے تغیر پذیر ہو رہا ہے۔ کتنی عمارات تعمیر ہوئی ہیں! میں نے سنا ہے کہ غزہ میں عنقریب ایک نیا ریڈیو اسٹیشن قائم ہونے والا ہے! میں تمہیں کیا بتاؤں میں آج تک اس بات کو نہیں سمجھ سکا کہ امریکہ سے آنے والے بیرونی سیاح، ماڈرن ازم کے لئے میرے فخر و انبساط اور قدامت کے لئے نفرین پر مبنی میرے جذبات کو کیوں نہیں سمجھ سکے...... مجھے شروع ہی سے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ یہ لوگ قدیم تباہ شدہ گھروں کے بوسیدہ کھنڈرات، کوڑے کرکٹ سے بھرے ہوئے گلی کوچوں یا خیرات کے لئے رقت آمیز صدائیں لگانے والے کریہ المنظر اندھے گداگروں کی تصاویر کھینچنے کو گروہ در گروہ کیمرے اٹھائے ہوئے کیوں لپکتے ہیں؟ اور وہ ہمارے ریلوے سٹیشن یا نئے خوبصورت ڈاکخانوں کی تصاویر کیوں نہیں کھینچتے؟ لیکن نہیں! ان سیاحوں کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ ہم لوگ کتنے پسماندہ ہیں! احمد خلیل! تم کوئی بات کیوں نہیں کرتے؟"

احمد خلیل کو صرف اتنا یاد تھا کہ ایک دفعہ جب وہ نماز پڑھ رہا تھا تو کچھ امریکی سیاحوں نے اس کی تصویر اتارنے کی کوشش کی، تو اس نے غضب ناک ہو کر سنہرے بالوں

Marfat.com

اور عریاں بازوؤں والی ان عورتوں کو گھور کر دیکھا جنہوں نے لمبے چھجوں والے ہیٹ، دھوپ کی عینکیں، سفید دستانے، چھوٹے لہنگے اور اونچی ایڑیوں والے جوتے پہنے ہوئے تھے...... اس نے ان کے ہاتھوں سے قیمتی کیمرہ چھین کر اپنی پوری قوت کے ساتھ سامنے والی پتھر کی دیوار پر دے مارا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ عورتیں چیختی چلاتی رہیں اور وہ بھاگ گیا۔ وہ پولیس کی گرفت اور عتاب سے صرف اس لئے بچ گیا کہ وہ غزہ کی پر پیچ اور تنگ گلی کوچوں سے خوب واقفیت رکھتا تھا۔

کئی دنوں کے بعد اس کے والد نے پوچھا کہ یہاں سے جانے کے بعد تم نے کون کون سی کتابیں اور رسائل پڑھے؟ جواباً احمد خلیل اپنے باپ کو محض خالی نگاہوں سے دیکھتا رہ گیا...... ملک وہاب نے ناراضگی سے پوچھا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ میں نے تمہیں پڑھنا لکھنا سکھانے پر کئی مہینے صرف کیے اور پھر بھی تم نے کوئی چیز نہیں پڑھی! کیا تم آنکھیں نہیں رکھتے تھے۔ جدید دنیا کی حیرت انگیز معجز نما ایجادات، جنہیں تم دیکھتے اور جن کے بارے میں تم سنتے اور محسوس کرتے ہو اگر تم جدوجہد کرو تو یہ سب کی سب تمہاری ہو سکتی ہیں۔ لیکن ابھی تک تو تم نے ان کے بارے میں معمولی سی دلچسپی بھی ظاہر نہیں کی...... کیا تم خوشحالی کی زندگی بسر کرنا نہیں چاہتے؟ ایک یاس انگیز آواز میں وہ چلا اٹھا، ''آہ! میں یہ کیسے برداشت کرسکتا ہوں کہ تمہیں اور خلیفہ کو، تمہاری والدہ کی مانند ایک جاہل اور نا خواندہ کی حیثیت سے پروان چڑھتے ہوئے دیکھوں!''

یوں تو احمد خلیل اپنی والدہ کی وفات کے بعد سے ہی ایک ہولناک کسمپرسی کی کیفیت محسوس کرتا تھا...... اور اب جبکہ اس کا باپ اسے ہمیشہ شرمندہ کرتا اور اسے کٹیلی باتوں سے ڈانٹتے ہوئے ایسی غصیلی آنکھوں سے دیکھتا کہ جن کی دل آزار اذیت کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

خلیفہ، جو دروازے کے پاس بیٹھا ہوا ایک چھڑی کے باریک سرے کے ساتھ ریت اور گیلی مٹی کے آمیزے میں قرآنی آیات کی نقل کرنے کی مشق میں محو تھا۔ یہ باتیں سن کر وہ بھی چوکنا ہو گیا۔ اب وہ اپنی چچی کی دی ہوئی مٹی سے اپنے کھیلنے کے لئے چھوٹے چھوٹے اور بھدے سے کھلونے بنانے میں زیادہ دیر تک خوش نہ رہ سکا۔ اس کے بجائے وہ خاموشی سے دیوار کے ساتھ دبک کر بیٹھ گیا۔ اس کی پتلی اور اُبھری ہڈیوں والی

Marfat.com

ٹانگیں اس کے پھولے ہوئے پیٹ کے ساتھ لگی ہوئی تھیں...... اس کی بڑی بڑی نرم مخمل جیسی سیاہ آنکھیں، اپنے بھائی کے تاثرات کے مطابق حرکت کرتی رہیں۔ احمد خلیل نے اپنے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کے بھائی کا چہرہ بھی اسی کی طرح حساس تھا۔ اس کا رنگ احمد خلیل سے بھی زیادہ کالا اور چہرے کے نقوش مزید نازک اور حسین تھے۔ اپنے سر کے گرد ایک بوسیدہ کافیہ کے بچے کھچے چیتھڑوں کو لپیٹنے کے علاوہ وہ کسی بھی قسم کے کپڑے پہننے سے انکار کر دیتا۔ گھر کے تمام بڑے بوڑھے اس پر بہت اصرار کرتے اور اس بارے میں بہت متفکر اور گہری سوچوں میں غرق رہتے۔

جب وہ گاہے گاہے ایک دوسرے کی طرف اجنبیوں کی طرح گھور گھور کر دیکھتے تو اپنے بھائی کے متعلق احمد خلیل کی آزردگی، تلخ مایوسی اور لا پرواہی آہستہ آہستہ تجسس میں ڈھلتی گئی۔ وہ حیران تھا کہ اس کے گھر سے باہر دو سالہ قیام کے دوران خلیفہ کے ساتھ نجانے کیا کیا کچھ پیش آیا تھا! اس نے محسوس کیا کہ اس کا باپ، اس کی نسبت خلیفہ کا باپ ہونے کے سبب خود کو زیادہ شرمندہ محسوس کرتا اور خلیفہ کی طرف کوئی توجہ نہ دیتا۔ جب کبھی احمد خلیل کا سامنا اپنے بھائی سے ہو جاتا تو اس کی خودترسی کی تمام تر کیفیت ختم ہو جاتی۔ کیونکہ اس نے اتنا بدنصیب، انتہائی غمگین، بے بس ٹھکرایا ہوا بچہ گاؤں کے کسی خاندان میں نہیں دیکھا تھا۔ اگرچہ لڑکے کی عمر اب تقریباً سات سال ہو چلی تھی، لیکن احمد خلیل اس کی دیکھ بھال کرتے ہوئے اسے شیر خوار بچہ سمجھ کر اس سے پیش آتا، سارا دن وہ اپنے ماموں اور ممانی کی عباؤں سے چمٹا ہوا ان کے پیچھے پیچھے پھرتا رہتا اور جب کبھی وہ کام کے بعد آرام کے لئے بیٹھتے تو وہ ان کی گود میں بیٹھنے کا ایسے مطالبہ کرتا۔ جیسے وہ ابھی تک دودھ پیتا بچہ ہو۔ اپنے اکلوتے بیٹے عبدالعزیز کی وفات کے بعد وہ خلیفہ کے ساتھ ایسا سلوک کرتے، جیسے وہ ان کا اپنا بچہ ہو۔ اس سے والہانہ محبت کرتے اور ان کا تمام تر التفات اسی کے لئے تھا اور جواباً وہ کسی صلہ کی توقع نہیں رکھتے تھے۔ ملک وہاب، یوسف ملک سے بہت ناراض ہوتا اور اصرار کرتا کہ وہ ناشائستہ حرکات پر خلیفہ کو بھی سزا دے۔ لیکن اس کا ماموں سمجھتا تھا کہ اس کے ساتھ عام بچوں جیسا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ اسی لئے خلیفہ اس قسم کی جابرانہ تربیت، سخت گیر نظم و ضبط، سخت محنت، ڈانٹ ڈپٹ اور مار پٹائی سے قطعاً بے خبر تھا جو اس کا بڑا بھائی اور چچا زاد، ماموں زاد بھائی سہنے اور بھگتنے پر مجبور

Marfat.com

تھے۔ اسے اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی آزادی تھی۔ اسے کبھی سرزنش نہ کی جاتی۔ خواہ وہ کپڑوں کے بغیر ہی عریاں ہی بھاگتا پھرتا، کسی بندش کے بغیر ہی رفع حاجت کرتا پھرتا، حتیٰ کہ رات کو چیختا چلاتا، لیکن کوئی بھی اس سے ناراض نہیں ہوتا تھا۔ جب راتوں کو خلیفہ کابوس کے ڈراؤنے خوابوں سے ذہنی اور روحانی اذیت میں مبتلا ہو جاتا تو اس کا ماموں، رات کے اندھیرے میں، اس کے پہلو میں کئی کئی گھنٹے اسے تسلی دینے کے لئے بیٹھا رہتا، حتیٰ کہ صبح ہو جاتی......! جب کبھی کھیتوں میں تھکاوٹ کی شکایت کرتے ہوئے وہ مسلسل چلاتا اور تھکن اس پر غالب آ جاتی تو یوسف ملک اپنے بھانجے کے لئے کپڑے کا سایہ بناتے ہوئے فصلوں کے ڈنٹھل اور پتوں سے ایک آرام دہ بستر تیار کر دیتا اور خلیفہ اکثر وہیں سو جاتا۔ جبکہ وہ سارا دن سورج ڈوبنے تک اس کے پاس ہی کام کرتے رہتے۔ اس کے ماموں کے ہوتے ہوئے کسی کی یہ جرأت نہ تھی کہ کوئی اس کی نیند میں خلل ڈالے۔ جب بھی وہ کھانا مانگتا تو فوری طور پر رات یا دن کا لحاظ کئے بغیر جو کھانا بھی ان کے پاس ہوتا، اسے کھلایا جاتا اور جب کبھی وہ چلاتا تو اسے تسلی دیتے ہوئے مطمئن کیا جاتا۔

ملک وہاب کی آرزو تھی کہ اس کے بیٹے وہ کام کریں جسے وہ خود انجام نہیں دے سکا تھا، اور وہ تھا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اہل علم زعماء کے منصب تک پہنچنا......! کئی سال قبل جب وہ صحت مندانہ انداز میں نشو و نما پا رہا تھا، تو احمد خلیل نے چھپ کر اپنے باپ کو دوسرے آدمیوں سے گفتگو میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ خلیفہ کسی دن ڈاکٹر، استاد یا سماجی کارکن بن کر گاؤں کی کایا پلٹ دینے کے عزم کے ساتھ واپس آئے گا......! لیکن اب تو یہ واضح ہو چکا تھا کہ اب اسے ایسی کوئی امید نہیں، وہ اپنی تقدیر کو ہزاروں مرتبہ کوس چکا تھا کہ اسے ایسا مجہول بچہ ملا...... ایک دفعہ جب وہ اپنے سالے سے ملنے کے لئے گیا تو اس نے دیکھا کہ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر خلیفہ کو گود میں لئے بیٹھا ہے اور خود کچھ کھانے کے بجائے باسی روٹی کے تمام لقمے، اس کے منہ میں ڈال رہا ہے...... اس نے بڑی تندی سے پوچھا، ''معلوم نہیں یہ تمہیں پیارا کیوں لگتا ہے؟ حالانکہ اس کی حالت تو ایک جانور سے بھی بہتر نہیں۔ کیا تم سمجھتے نہیں ہو کہ یہ کبھی ٹھیک نہیں ہوگا......''

یوسف ملک نے ملک وہاب کو بڑے کرخت انداز میں جواب دیا ''اگر تم بھی اسے، اسی طرح نظر انداز کرتے رہے، تو پھر اور کون اس کی دیکھ بھال کرے گا''؟

Marfat.com

یہ سن کر احمد خلیل کو بہت صدمہ ہوا۔ اس نے اپنے بھائی کے بارے میں اس طرح کبھی نہیں سوچا تھا۔ اپنے باپ کے اس لہجے کے بعد اب اسے یقین ہو گیا کہ خلیفہکو دیکھ کر ہمسایوں کے حیرت انگیز مذاق پر مبنی چیخ و پکار، پھبتیاں اور دوسرے بچوں کے طعنے صرف احمد خلیل کے خیال میں ہی بدترین اور دل آزار تھے ورنہ گاؤں کے باقی تمام لوگوں کے لئے خلیفہ ایک تماشا اور دل لگی کا سامان تھا......! اس کا باپ اجنبی لوگوں کے سامنے اس بات سے شرم محسوس کرتا کہ ایک مجہول لڑکا اس کا بیٹا ہے......! کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے بھی ایسے لڑکے کا بھائی ہونے کی وجہ سے شرمندہ ہونا چاہیے؟ یہ خوفناک اور منحوس مرض نظر کیوں نہیں آتا تھا! جس کا اضطراب اور نہ ظاہری علامات دکھائی دیتی تھیں، لیکن یہ مرض اپنے ہدف شدہ شخص کے ہاتھ پاؤں ناکارہ کر دینے سے بھی زیادہ خطرناک تھا...... وہ کھیتوں میں، گھر پر یا مسجد میں نماز ادا کر رہا ہوتا تو خلیفہ کا چہرہ اس نے ذہن و تصورات پر چھایا رہتا۔

سہ پہر کے آخری لمحات میں احمد خلیل اکیلا ہی دیوار کے ساتھ دبک کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ غروب ہوتے ہوئے سورج پر لگی ہوئی تھیں۔ اور وہ روزے کی افطاری کے وقت ہونے والے بندوق کے فائر کا انتظار کر رہا تھا...... رشید اس کے پاس آیا، لیکن اس سے تھوڑے سے فاصلے پر الگ بیٹھ گیا جیسے وہ اس کے قریب آنے سے خوفزدہ ہو! اس کا چہرہ کبھی بہت خوش باش، روشن اور دوستانہ تھا...... لیکن اب تو گویا اس کی کایا ہی پلٹ گئی تھی اور وہ ایک، بیزار اور شکی انداز کے ساتھ یوں گھور گھور کر دیکھتا تھا کہ جیسے اسے کسی پر بھی اعتماد نہ ہو۔

جب وہ بالکل چھوٹا سا بچہ تھا تو اُس وقت اُسے روزہ رکھنے کے لئے مانگ کر، چرا کر یا اِدھر اُدھر سے اُٹھائے ہوئے خوراک کے بچے کھچے ٹکڑوں پر گزارہ کرنا پڑتا۔ احمد خلیل اب یہ سوچتے ہوئے بے چینی محسوس کر رہا تھا کہ اس کے حصے میں خوراک بہت کم آئے گی۔ وہ دونوں خاموشی سے بیٹھے ہوئے بڑی شدید بے صبری سے اندھیرا پڑنے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس دوران اتنی دیر ہو گئی تھی کہ محسوس ہونے لگا کہ یہ انتظار کبھی ختم نہ ہو گا۔ حلیمہ نے جو کی تازہ پکی ہوئی روٹیاں اور مُسور کے سالن کی ہنڈیا مردوں کے سامنے سلیقے سے رکھی...... سال کے مقدس ترین مہینے رمضان کا احترام بالکل نظر انداز کرتے

Marfat.com

ہوئے دونوں چچا زاد اپنے حصّے کے کھانے پر وحشی جانوروں کی طرح اتنی بے دردی سے لڑتے ہوئے دست وگریباں ہوئے کہ دونوں کے باپوں نے مداخلت کرتے ہوئے اُن کو بزور ایک دُوسرے سے کھینچ کر چھڑایا۔

اس کے بعد کئی دن گزر گئے' سورج ڈوبنے والا ہی تھا کہ احمد خلیل بدحواس عورتوں اور خوفزدہ بچوں کے شور سے چونک اُٹھا۔ ایک قوی ہیکل بند ٹرک اُن کے دروازے کے سامنے آ کر رُکا۔ خاکی وردیوں میں ملبوس اور مشین گنوں سے مسلح ایک درجن یہودی فوجی چھلانگیں لگاتے ہوئے باہر نکلے۔ عریاں رانوں والی موٹی تازی عورتوں کو دیکھ کر وہ ہکابکا رہ گیا...... وہ مردوں سے بھی زیادہ ظالم اور سفاک دکھائی دیتی تھیں۔ اس سے قبل کہ وہ اگلے لمحے ہونے والے وقوعہ سے آگاہ ہو' ہٹے کٹے اور لمبے تڑنگے فوجی اس کی طرف جھپٹے اور بغیر کسی تنبیہہ کے اُسے اس کے بھائی کو' چچا زاد' ماموں زاد بھائیوں' والد' ماموں اور چچا سب کو گرفتار کر لیا...... اور انہیں گاؤں کے دیگر تیس آدمیوں کے ساتھ دھکیلتے ہوئے ٹرک کے اندر بند کر کے ساتھ لے گئے...... دس منٹ سے بھی تھوڑے وقت بعد ٹرک رُکا' سپاہیوں نے انہیں باہر آنے کا حکم دیا اور انہیں جنگلے والی کوٹھڑی نما کمرے میں بند کر دیا جو کہ نجبا میں جیل کا کام دیتی تھی۔ بندوق کی نوک سے تمام قبائلیوں کو دیوار کے ساتھ کھڑا کیا گیا اور ہتھیار ان کی ٹھوڑیوں سے لگا کر اُن کے سر اُوپر کرتے ہوئے اُن سے ہتھیاروں کی تلاشی لی جانے لگی۔

''ان کے سردار کو یہاں میرے سامنے پیش کیا جائے!'' ایک تحکمانہ آواز نے حکم دیا۔

یوسف ملک کو دروازے کے بالمقابل ایک کندہ کاری کے کام سے سجے ہوئے میز کے سامنے حاضر ہونے کا حکم دیا گیا۔ جہاں ایک سرخ وسفید چہرے والا ہاجانہ کا لیڈر بیٹھا ہوا تھا۔ جس کے بارے میں واضح طور پر نظر آ رہا تھا کہ وہ ان کا حاکم ہے۔ دبیز اور سفید کاغذ پر عبرانی زبان میں چھپے ہوئے ایک پرچے کو جو کہ ایک قانونی دستاویز معلوم ہوتی تھی' یوسف ملک کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے حکم دیا کہ اس روشنائی میں ڈبو کر اس کاغذ کے نیچے اپنا انگوٹھا ثبت کر دے......! یوسف ملک نے اپنی نگاہوں کو دُوسری طرف پھیر لیا اور اس کا کوئی اثر نہ لیا۔ پھر اُس نے ہاجانہ کے کمانڈر کی طرف دیکھا جو کہ بہت چھوٹا اور کمزور دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے کندھے اُوپر کو نکلے ہوئے اور کمر بوڑھوں کی

Marfat.com

طرح جھکی ہوئی تھی۔

''کیا تم بھی اپنے باپ کی طرح احمق ہو اور اب بھی ہماری مزاحمت ہی کیے جاؤ گے؟ اگر تم اس زمین پر ہمارے سرکاری حقوق تسلیم کرنے پر رضا مند ہو جاؤ' جسے بہت عرصہ پہلے مصطفیٰ آفندی ہمارے پاس بیچ چکا ہے اور جس کی ہم نے بہت زیادہ قیمت ادا کی ہے...... نہ صرف اپنے پیسے سے' بلکہ ہم نے تو اسے اپنے خون سے سینچا ہے......! اگر تم ہتھیار ڈال دو! اخوان المسلمون کے رضا کاروں اور دُوسرے گوریلوں کے دستوں کو پناہ دینا بند کر دو' امن و امان سے رہتے ہوئے ہمارے ساتھ تعاون کرو تو ہم تمہارے لئے اور تمہارے خاندان کی ترقی و خوشحالی کے لئے وہ کچھ کر سکتے ہیں جو کہ تمہارے اپنے لوگ ہزاروں سالوں میں بھی نہیں کر سکے......! ہم تمہارے لئے نئے گھر مہیا کریں گے' تمہیں ٹریکٹروں اور جدید ترین مشینری سے کاشتکاری کرنا سکھائیں گے۔ تمہیں پائپ پر مبنی پانی کے نظام' اور جدید صفائی اور بجلی اور روشنی کے نظام سے متعارف کرائیں گے...... تمہاری گلیوں میں پختہ فرش لگائیں گے اور تمہارے بچوں کو اپنے جدید سکولوں میں نئے طرزِ زندگی سے بہرہ اندوز ہونا سکھائیں گے۔ یہاں اپنے ڈاکٹر' نرسیں اور دوائیاں بھیجیں گے' کیونکہ تمہارے ہاں ہر چار میں سے تین بچے تو چھ سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی تمہاری جہالت' تو ہمات اور غفلت کے سبب مر جاتے ہیں......

یوسف ملک کا پارہ چڑھ گیا۔ اُس نے انتہائی غضبناک ہو کر میز پر سے دستاویزات اُٹھائیں۔ انہیں پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کاغذ کے ان کے پرزوں کو میز پر پٹخ دیا ''تم ہمارے اُوپر کبھی حکومت نہیں کر سکو گے'' اُس نے باغیانہ انداز سے چلاتے ہوئے کہا۔ ''یہاں کوئی چیز بھی تمہاری ملکیت نہیں ہے! یہ زمین ہماری ہے! ہمیں ہمارے کھیت' میٹھے پانی کے چشمے' ہمارے چرائے ہوئے گھوڑے' اُونٹ اور ہمارے ریوڑ واپس کر دو اور پھر تمہارے غیر قانونی طور پر آنے والے آباد کاروں نے ہماری اجازت کے بغیر جو جائیداد حاصل کی ہے، اس کا تاوان ادا کرو اور اس کے بعد تم امن و امان سے سمندر کے راستے اپنے آبائی ممالک کو واپس جا سکتے ہو......''

ہاجانہ کے کمانڈر نے دوبارہ اُس کی طرف جھپٹنے کے انداز سے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

Marfat.com

''ہم جانتے ہیں کہ اخوان المسلمون نے ہمارے اُوپر حملہ آور ہونے کے لئے تمہارے گاؤں میں ایک مرکز بنایا ہے...... اور تم انہیں خوراک مہیا کرنے' چھپانے اور پناہ دینے کے علاوہ ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہو۔ اب یا تو تمہیں یہ سلسلہ بند کرنا ہو گا یا ہم تمہیں گولی مار دیں گے!''

کمانڈر نے فائر کرنے کے لئے اپنا پستول اُٹھایا۔ لیکن پھر وہ اس کی شعلہ بار سیاہ آنکھوں' عقابی ناک' جھاڑی جیسی داڑھی اور کافیے سے آدھے ڈھکے ہوئے اس کے آہنی چہرے کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے تو خوفزدہ ہی ہو گیا اور واپس سکڑ کر بیٹھ گیا۔

''اسے باہر لے جاؤ''! کمانڈر نے اپنے ماتحت افسر کو حکم دیا۔ یہ صحرائی چوہے اپنا بھلا نہیں چاہتے۔ انہیں اِرگون کے قید خانے میں لے جا کر ایسا سبق سکھاؤ کہ انہیں تادیر یاد رہے۔

تقریباً دو درجن کے قریب سخت گیر دہشت پسند غنڈوں کا ٹولہ جو کہ زیرِ زمین خوفناک دہشت گردی میں ماہر تھے۔ ان میں سے اکثر بوچن والڈ' ڈاچوا' برگن' بیلسن اور آچوز کے نازی تعذیبی باڑوں سے بچکر آئے تھے اور ان میں کچھ عورتیں میں شامل تھیں۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے کسی بھی قسم کی شناخت کے امکان سے بچنے کے لئے اپنے چہروں پر سیاہ نقاب اوڑھ رکھے تھے' جس سے وہ اور بھی خوفناک دکھائی دیتے تھے۔ تیرہ سالہ احمد خلیل' نو سالہ رشید اور چھ سالہ خلیفہ ایک کونے میں دبکے بیٹھے معجزانہ طور پر بچ گئے۔ وہ پوری قوت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ چمٹے رہے۔ اگرچہ اُنہیں ایک دوسرے سے جدا کرنے کی' کئی بار کوشش کی گئی' لیکن پھر بھی وہ جان پر کھیل جانے کی قوت کے ساتھ ایک دوسرے کو پکڑ کر اکٹھے آپس میں ایک دوسرے سے چمٹ کر بیٹھے رہے...... احمد خلیل نے اپنے حقیقی بھائی اور چچا زاد بھائیوں کے کافیوں سے اُن کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی تھیں تا کہ وہ یہ اندوہناک منظر نہ دیکھ سکیں۔ لیکن وہ انہیں اندوہناک چیخوں اور دلدوز آوازوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا۔ آخرکار فجر کے وقت انہیں رہا کرتے ہوئے آزاد کر دیا گیا۔ اس جسمانی تعذیب و تشدد کے نتیجے میں سات افراد جاں بحق ہو گئے تھے۔ زندہ بچ جانے والوں نے اپنے مردہ ساتھیوں کی لاشیں اُٹھائیں' اور انہیں بھی اُٹھایا جو پیدل واپس گاؤں جانے کے قابل نہ رہ گئے تھے۔ احمد خلیل کے لئے یہ خیال

Marfat.com

بہت اطمینان کا باعث تھا کہ اُس کی تلاشی نہ لی گئی اور اس کا خنجر اُن کی پہنچ سے باہر رہا جو ابھی تک اُس کے کپڑوں کے نیچے محفوظ تھا۔ اُس نے خنجر کو ٹٹول کر اسے ہاتھ لگا کر محسوس کیا اور اس کے بارے میں مطمئن ہو گیا۔

اخوان کے رضا کار اُن کا استقبال کرنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ اخوان میں سے دو نوجوان قاہرہ یونیورسٹی کے میڈیکل کالج کے گریجویٹ ڈاکٹر تھے جنہوں نے اپنے قلیل سامان اور تھوڑی بہت موجود ادویات سے ان کے شدید زخموں کے درد کو تسکین دینے کی پوری کوشش کی۔ وہ یوسف ملک کے لئے سٹریچر لائے تھے' جس کے نہ صرف معدہ میں گولی لگی تھی بلکہ سنگینوں اور جلتی ہوئی دیا سلائیوں سے اس کے جسم کے نازک اعضاء کو بھی شدید اذیت دی گئی تھی۔ انہوں نے فوری طور پر اُسے مارفیا کا ٹیکہ لگا دیا تاکہ اُسے درد سے نجات ملے جو اس کے لئے سوہانِ رُوح بنا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے زخموں پر جراثیم کش ادویات لگا کر مرہم پٹیاں باندھ دیں۔ اگرچہ اُس کی حالت نازک تھی لیکن وہ پوری طرح ہوش میں تھا۔ انہوں نے اصرار کیا کہ یوسف ملک کو فوری طور پر غزہ کے ہسپتال میں لے جایا جائے تاکہ وہاں اس کا آپریشن ہو سکے اور اس کی زندگی بچانے کے لئے خون دینے کا انتظام ہو سکے۔ لیکن یوسف ملک کو یقین ہو چکا تھا کہ اب بہت تاخیر ہو چکی ہے اور اگر اسے اس کی خفیہ پناہ گاہ سے باہر جہاں کہیں بھی لے جایا گیا تو ہاجانہ کے ایجنٹ اُسے تلاش کر کے یقینی طور پر موت کی نیند سلا دیں گے۔

گزشتہ رات کے خوف و دہشت نے احمد خلیل کو یوں بے حس کر دیا کہ گویا اس کے حواس مختل ہو گئے ہوں۔ محض اُبلے ہوئے مسور کے لئے ذرا سی بات پر رشید کے ساتھ لگاتار فضول جھگڑے پر اُس کا پارہ چڑھ گیا تھا۔ اور کئی مرتبہ وہ روٹی کے ایک ٹکڑے پر خلیفہ کے ساتھ لڑنے مرنے کی حد تک اُتر آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُس کا باپ ٹھیک ہی کہتا تھا کہ وہ ایک جنگلی جانور سے زیادہ بہتر نہ تھا جو چالاکی سے ہمیشہ یہی سازش کرتا کہ کسی طرح خلیفہ سے اُس کی خوراک کا آخری لقمہ بھی چھین لے۔ غصے میں پاگل ہو کر وہ اپنے بھائی سے روٹی چھین لیتا' اور اس کا گلا گھونٹتے ہوئے اسے مارنے کے درپے ہو جاتا۔ اور جانوروں کے پنجوں جیسی اپنی طاقتور انگلیوں سے اس کی پتلی گردن کو تیزی سے مروڑتا جبکہ خلیفہ اس کا ایک ہاتھ کھینچ کر اپنے دانتوں سے اس پر وحشیوں کی طرح کاٹ کھاتا تھا۔

Marfat.com

چار دن اور گزر گئے۔ قبائلیوں میں سے آٹھ مزید آدمی جو کہ بہت شدید زخمی تھے، زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسے۔ لیکن یوسف ملک اسی تشویشناک حالت میں ابھی تک زندہ تھا۔ وہ خون کی کمی سے بہت کمزور اور لاغر ہو گیا تھا اور زخموں کے اثرات اندرونِ جسم سرایت کر جانے کے سبب وہ اندرونی بخار سے جلتا رہتا تھا۔ لیکن سلفا' پنسلین اور درد و اذیت سے عارضی نجات دینے والی نشہ آور ادویات کے سبب ابھی تک ناگہانی موت سے بچا ہوا تھا......

مہاجرین کی اتنی بڑی تعداد کو باہر سرحدوں کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر احمد خلیل یہ سوچتے ہوئے حیرت زدہ تھا کہ فلسطین میں کوئی عرب باقی رہے گا بھی یا نہیں! خوفزدہ لوگ ہجوم در ہجوم پناہ کی تلاش میں عراق المنشیا میں آپڑے تھے۔ پیاسوں کے پانی پینے کے لئے بہت بڑے بڑے مٹکے پانی سے بھر کر گاؤں میں جگہ جگہ نصب کر دیئے گئے تھے۔ ان کے کھانے کا انتظام کرنے کے لئے اس کا ماموں اور چچا ایک کے بعد دُوسری بھیڑ ذبح کرتے' حتیٰ کہ چند ایک ہی باقی رہ گئیں۔ ممانی اور چچی حتی المقدور خطرے کی حالت سے باہر والے زخمیوں اور بیماروں کی دیکھ بھال کرتیں...... رات کے وقت تھکے ہارے لوگوں سے ان کا گھر یوں بھر جاتا کہ جو لوگ گھر میں نہ سماتے ان کا سلسلہ باہر گلی تک پھیل جاتا۔ جبکہ اُس کا باپ رات سے فجر تک پہرہ دیتا۔ اس کی بندوق اس کے گھٹنوں کے آرپار ہوتی تاکہ یہ پناہ گزین لوگ کسی بھی ممکنہ خطرے سے محفوظ ہو کر سو سکیں۔

رمضان المبارک ختم ہونے کو تھا...... اور آج ماہِ رمضان المبارک کی ستائیسویں ۲۷ رات تھی...... سال کی مبارک ترین رات! اندرُونی دیواروں پر سفیدی کی گئی مسجد میں مٹی کے تیل سے جلنے والی لالٹین سے مدھم سی روشنی ہو رہی تھی۔ ہر طرف مکمل سکون تھا۔ سفید عباؤں میں ملبوس' کافیوں سے ڈھکے ہوئے باریش چہرے' ہوا سے جب کافیے پھڑ پھڑاتے تو اُن کے سنجیدہ اور بارعب چہرے نظر آتے...... سپاہیوں کی طرح نظم و ضبط سے صفوں میں کھڑے ہوئے بڑے جوش و ولولہ سے' چٹائی والے فرش پر رکوع و سجود کرتے۔ صرف قرآنی تلاوت کی مترنم آواز سے خاموشی کا سحر ٹوٹتا دکھائی دیتا......

تراویح کی طویل نماز کے بعد جو کہ تقریباً آدھی رات کو ختم ہوئی۔ یوسف ملک دو توانا و صحتمند اخوان رضا کاروں کے سہارے اُٹھا' جنہوں نے اسے دونوں طرف سے سہارا

Marfat.com

دیا ہوا تھا۔ بہت آہستہ آہستہ اور درد سے کراہتا ہوا نمازیوں کے اجتماع سے خطاب کرنے کے لئے منبر پر چڑھا۔ نمازیوں نے جب اس کا بیماری سے زرد اور بے رونق چہرہ' ہڈیوں پراس کی تنی ہوئی جلد اور بخار سے جلتی ہوئی آنکھیں دیکھیں تو اُن کے ہوش اُڑ گئے۔ خون کی چمکتی ہوئی سرخ پتلی دھار اُس کے منہ سے بہہ رہی تھی۔ اس کے باوجود اس کی آواز توانا اور صاف تھی۔

نمازیوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے یوسف ملک نے کہا ''ہم قوم پرست فلسطینیوں کی طرح نہیں ہیں' ہم ان قوم پرست فلسطینیوں سے دھوکہ کھانے والے نہیں جو کہ ہمارے دشمنوں کی طرح ہی لادین اور بے ایمان ہیں۔ جو یہودیوں کی طرح ہی ہر قسم کا ظلم وستم اور بے رحمی وسنگدلی روا رکھتے ہوئے صرف اور صرف زمین کے خطے کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ ہماری لڑائی تو جہاد ہے اور ہمارا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا اور دُنیا میں مستقبل کے لئے امن قائم کرنا ہے......''

یوسف ملک کی تقریر کے دوران' احمد خلیل کے آگے بیٹھے ہوئے بیماری سے گھلے ہوئے جسم والے ایک نوبلوعت لڑکے کی کھانسی سے خلل واقع ہوا۔ جسکا جسم کھانسی کے دوروں سے بری طرح لرز رہا تھا۔ جب اُس نے اپنے منہ کو ایک گندے چیتھڑے سے پونچھا تو یہ خون کی سرخ دھاری سے بھر گیا۔

یوسف ملک کی تقریر جاری تھی''......ہم غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف نہ صرف اپنے گھروں اور ملک کے لئے لڑ رہے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہماری جنگ اس لئے بھی ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اصل لڑائی دائمی سچائی کے اصولوں اور بدی کے طور طریقوں کے درمیان ہے! وہ برائیاں جنہیں یہودی دُشمن ہماری مرضی کے خلاف ہم پر ٹھونسنے کی کوشش میں ہیں۔ ہمیں اس بات کی پرواہ نہیں کہ آئندہ کیا ہوتا ہے؟ نہ ہی اس کی پرواہ ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ ہم اپنے دیہات' قصبات اور شہروں کے اُن لوگوں کی طرح بھاگنے والے نہیں' جنہوں نے مزاحمت کی ادنیٰ سی کوشش کے بغیر ہی اپنے گھر چھوڑ دیئے۔ حتیٰ کہ ارگون کے ظالم یہودیوں کی طرف سے' دائر یاسن کی طرح یہاں بھی قتلِ عام کی کہانی دُہرائی جائے تو بھی ہم ہرگز خوفزدہ نہیں ہوں گے اور بھیڑ بکریوں اور بے زبان ڈھور ڈنگروں کی طرح یہاں سے فرار نہیں ہوں گے۔ ہم یہیں ڈٹ کر اُن کا مقابلہ کریں گے۔

Marfat.com

خلیفہ بھاگتا ہوا اپنے ماموں کی طرف گیا اور اُس سے لپٹ گیا۔ یوسف ملک اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ وہ زیادہ دیر تک کھڑا نہیں رہ سکتا تھا' اس لئے وہ منبر کی سب سے اُوپر کی سیڑھی پر بیٹھ گیا اور اپنے ننھے بھانجے کو اس نے گود میں بٹھا لیا۔ خلیفہ ا. صاحبِ فکر آدمیوں کی طرح یوں پرسکون چہرے کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ یوں معلوم ہوتا کہ جیسے وہ تقریباً سب کچھ سمجھ رہا ہو......

''ہم باوقار انداز سے اپنے خاتمے اور انجام کے آرزومند ہیں کیونکہ ذِلت اور پستی کی زندگی موت سے کہیں بدتر ہے...... کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ وعدہ نہیں فرمایا:

> (''اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی جو رحمت اور بخشش تمہارے حِصّہ میں آئے گی وہ اُن ساری چیزوں سے زیادہ بہتر ہے جنہیں یہ لوگ جمع کرتے ہیں......'') (آل عمران ۔۱۵۷)

☆......☆......☆

Marfat.com

سترہواں باب

آخری معرکہ

رمضان کا مہینہ ختم ہونے کو آ گیا تھا' لیکن بڑھتی ہوئی خشک سالی ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔ حتیٰ کہ کھیتوں اور لق ودق صحرا میں بمشکل ہی فرق کیا جا سکتا تھا۔ اس دفعہ پھر موسمِ سرما کی بارشیں نہیں ہوئی تھیں اور سبزے اور روئیدگی کے تمام آثار مرجھا کر خشک ہو چکے تھے۔ چھپکلیاں بہت عرصہ پہلے ہی نم آلود زمین تک پہنچنے کے لئے اپنے گہرے بلوں میں غائب ہو چکی تھیں۔ کرگسوں کے علاوہ چند پرندے باقی رہ گئے تھے۔ کرگس بہت بلندی پر گاؤں کے اُوپر مسلسل چکر کاٹتے رہتے تھے۔ اِکادُکا غزال ہرنوں کی ٹولیاں زرخیز وشاداب زمین کی تلاش میں شمالی علاقوں کی طرف نقل مکانی کر چکی تھیں۔

احمد خلیل اپنے بھائی اور چچازاد کے ہمراہ بیٹھا ہوا آسمان کو دیکھ رہا تھا...... اُڑتی ہوئی ریت اور شدید گرمی سے بچنے کے لئے اُنہوں نے کافیے اپنے چہروں پر کس کر لپیٹ رکھے تھے۔ وہ کئی گھنٹوں سے یونہی خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ سیاہ آنکھوں کے تین جوڑے' دُور افق پر نظریں جمائے نیم وا آنکھوں سے آنے والی بارش کا بے سود انتظار کر رہے تھے۔ اُن کے درمیان تمام جھگڑے ختم ہو چکے تھے...... لیکن اس وقت اُفق پر ایک وسیع ولامحدود خلا کے علاوہ باقی کچھ بھی نہ رہا تھا...... نیلا آسمان ایسا سخت اور خالی تھا جیسے بنجر زمیں...... ایسے میں انہیں قرآن پاک کی یہ آیتیں یاد آتیں۔

> (''......... جنہوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے
> دشتِ بے آب میں سراب کہ پیاسا اُس کو پانی سمجھے ہوئے تھا' مگر جب

Marfat.com

وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا' بلکہ وہاں اس نے اللہ کو موجود پایا' جس نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا' اور اللہ کو حساب لیتے دیر نہیں لگتی!!......

(النور...... آیت ۳۹)

......

...... درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے......

...... اور دونوں نمایاں راستے اُسے (نہیں) دکھا دیئے؟

مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی۔

اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دُشوار گزار گھاٹی؟

کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا'

یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشیں مسکین کو کھانا کھلانا۔

پھر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی اُن لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دُوسرے کو صبر اور (خلقِ خدا پر) رحم کی تلقین کی......

(سورہ البلد آیات ۴۔۱۰ تا ۱۷)

......

ہم نے اسے راستہ دکھا دیا' خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا......

کفر کرنے والوں کے لئے ہم نے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ مہیا کر رکھی ہے۔

نیک لوگ (جنت میں) شراب کے ایسے ساغر پئیں گے........... یہ ایک بہتا چشمہ ہوگا جس کے پانی کے ساتھ اللہ کے بندے شراب پئیں گے اور جہاں چاہیں گے بسہولت اس کی شاخیں نکال لیں گے۔

یہ وہ لوگ ہوں گے جو...... اُس دن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہر

Marfat.com

طرف پھیلی ہوئی ہوگی۔

اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور اُن سے کہتے ہیں کہ) ''ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں' ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ......

پس اللہ تعالیٰ انہیں اُس دن کے شر سے بچالے گا۔

اور انہیں تازگی اور سرور بخشے گا......'')

(سورہ الدھر آیات ۳،۴،۵، ۶ تا ۹، ۱۱)

کچھ دنوں کے بعد' ملک وہاب اور اس کے بھائی منصور نے کچھ زندہ بچے رہنے والے باقی چند قبائلیوں اور اخوان رضا کاروں کے ساتھ مل کر گاؤں کے گرد قلعہ بندی کی غرض سے ایک گہری خندق کھودنے کے لئے بہت محنت سے کام کیا تا کہ گاؤں کو حملہ سے محفوظ رکھا جا سکے۔ احمد خلیل مسلسل بھوک سے اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ وہ نقاہت کے مارے اُن کا ہاتھ بھی نہیں بٹا سکتا تھا۔ وہ ناتوانی کی وجہ سے دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھا رہتا۔ اُسے دُھندلا اور مدھم سا دکھائی دیتا کہ اُس کا باپ اور چچا' ڈھیلی ڈھالی وردیوں میں ملبوس اخوان مجاہدوں کے ساتھ گاؤں کے گرد گہری خندق کھودنے میں ان کی مدد کر رہے ہیں اور اُس کی ممانی اور چچی پتھر کی دیواروں کو ریت کی بوریوں کو ریت کی بوریوں سے اُونچا کرتی دکھائی دیتیں...... غیور قبائلی بدّو اُونٹوں پر سوار ہو کر تنگ گلیوں میں پریڈ کرتے۔ جنگ کے نعرے لگاتے ہوئے وہ اپنی بندوقیں ہوا میں یوں اچھالتے جیسے اُن کے تخیل میں مصر کی حملہ آور فوج نے نجبا کا محاصرہ کر لیا ہو اور ہوائی حملوں کے بعد یہودی آبادکار ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے ہوں...... اور بغیر کسی تگ و دَو اور جدوجہد کے انہیں اپنی فتح کا یقین ہو گیا...... اگرچہ یہاں زمینی جھڑپوں میں نجبا کی تباہی مکمل ہو چکی تھی اور ان کے حصّے کی خوراک عراق المنشیا کے فلاحین کی طرح کم ہوتے ہوتے فاقہ کشی کی حدود کو پہنچ گئی تھی لیکن آبادکار زیرزمین پناہ گاہوں میں چھپ جاتے اور بڑی مستقل مزاجی سے مزاحمت جاری رکھے ہوئے تھے۔ جونہی ہاجانہ کے لئے تازہ کمک پہنچی۔ نجباہ کا محاصرہ ٹوٹ گیا اور معاً لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا۔ اب عراق المنشیا کے باقی ماندہ لوگ آنے والے وقت میں ایک بھرپور حملہ کی تیاریوں میں لگ گئے۔ لیکن احمد خلیل خود کو یوں محسوس کرتا کہ جیسے وہ

Marfat.com

خواب کی حالت میں ہو اور اُسے مسلسل قرآن حکیم کی آیات کی بازگشت کے سوا اور کچھ سُنائی نہ دیتا۔

("............ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں اُنہیں مُردہ نہ سمجھو' وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں............

(آل عمران۔ ۱۶۹)

ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا اُن سے مقابلہ پیش آئے اور انہیں نکالو جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا ہے۔ اس لئے کہ قتل اگرچہ بُرا ہے' مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ بُرا ہے............ اس گروہ کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اگر تم تکلیف اُٹھا رہے ہو تو تمہاری طرح وہ بھی تکلیف اُٹھا رہے ہیں اور تم اللہ سے اُس چیز کے اُمیدوار ہو جس کے وہ اُمیدوار نہیں ہیں۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکیم و دانا ہے............ تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے............ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لئے بری ہو اللہ جانتا ہے' تم نہیں جانتے............") (سورہ البقرہ آیت ۱۹۱) (سورہ النساء آیت ۱۰۴)
(سورہ البقرہ آیت ۲۱۶)

گلی میں ہونے والا شور و غوغا بتدریج اُس سے دُور ہوتے ہوتے کانوں میں بجنے والی گنگناہٹ میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے کا منظر دُھندلا گیا۔ زمین اُسے گھومتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ وہ گھٹنوں کے بل دھڑام سے گرا اور ٹامک ٹوئیے مارتا ہوا اپنی چٹائی کی طرف رینگنے لگا اور پھر ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا............

جب اُس کی آنکھیں کھلیں تو اسے اندھیرے کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ وہ بدحواسی کی حالت میں اُٹھ کر چٹائی پر بیٹھ گیا۔ آہستہ آہستہ اس کی بصارت واضح ہوئی۔ وہ آگ کے گرد گھسیڑ کر بیٹھے ہوئے انے باپ' چچا' بھائی اور اپنے چچازاد کے مدھم سے نقوش ہی دیکھ سکا...... شعلوں کے بلند ہونے سے مٹی کے بڑے بڑے برتنوں' اُس کی ماں

Marfat.com

کی دستی کھڈی' جو کہ اب اُس کی ممانی کے زیرِ استعمال تھی' اُس کے والد کا ٹین کا بہت بڑا صندوق' جس میں اُس کی تمام قیمتی اشیاء مقفل تھیں' ہنڈیا' زرعی الات اور قریب ہی پڑے ہوئے ہتھیاروں کے عجیب و غریب سائے آگ کی روشنی میں پتھر کی دیواروں پر نمودار ہو رہے تھے۔ شروع بچپن سے ہی ان مانوس اور پیاری چیزوں کا منظر دیکھ کر وہ دوبارہ اپنے آپ میں آتے ہوئے تسکین محسوس کرنے لگا...... یہ گھر اور کمرہ اُس کا جنم بھومی ہونے کے ناطے اس کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ لیکن وہ تو کمرے کو اندرون چاروں طرف سے یوں ٹکٹکی باندھ کر ایسے شوق سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ اسے پہلی اور آخری بار دیکھ رہا ہو۔

وہ سب بجھتی ہوئی آگ کے گرد اکڑوں ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ملک وہاب اور منصور اپنی اپنی رائفلوں کی صفائی اور انہیں تیل دینے میں منہمک تھے اور رشید بڑی توجہ کے ساتھ انہیں دیکھ رہا تھا۔ یہ صرف بجھتی ہوئی آگ کے انگاروں کے چٹخنے کی آواز تھی' جو خاموشی کے طلسم کو توڑ رہی تھی۔ دفعتاً ایک جذبہ شفقت کے ساتھ احمد خلیل نے اپنا ہاتھ اپنے بھائی کے گھنے گھنگریالے بالوں میں پھیرنے کے لئے بڑھایا۔ خلیفہ تو یوں دبک کر پیچھے ہٹ گیا جیسے وہ اسے تھپڑ کا وار سمجھ رہا ہو۔

''خلیفہ! مجھ سے ڈرو نہیں۔ میں اب تمہیں کوئی دُکھ نہیں دُوں گا......''

''نہیں! نہیں!'' خلیفہ کی تیز دھمکا دینے والی آواز اندھیرے کو چیرتی ہوئی سنائی دی۔ ''میں اب تمہارے قریب بالکل پھٹکوں گا بھی نہیں! میں تم پر کبھی بھروسہ نہیں کروں گا۔ تم دُشمن کے ایک جاسوس بھی تو ہو سکتے ہو!''

احمد خلیل نے اُسے بڑے پیار سے کہا ''میں تمہارا بھائی ہوں! میں نے نماز میں اپنے اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ میں اب تم سے کبھی نہیں لڑوں گا...... میں کوئی نازیبا بات نہیں کہوں گا...... جو کچھ میرے پاس ہو گا اس میں سے تمہیں حِصّہ دُوں گا...... میں تمہیں دوبارہ کبھی نہیں ماروں گا......کبھی نہیں!''

اُس نے اپنے بازو پھیلا کر خلیفہ سے التجا کی کہ وہ اس کے پاس آ جائے لیکن خلیفہ خوفزدہ ہو کر اس کی طرف گھورتا رہا اور پیچھے ہٹتا ہوا عقبی دیوار کے ساتھ سمٹ گیا۔

''یہاں سے بھاگ جاؤ!'' خلیفہ نے چلاتے ہوئے کہا۔

اور خلیفہ اُسے مشتبہ نظروں سے یوں گھورتا رہا کہ گویا بمشکل اُسے پہچان پا رہا ہو......!

Marfat.com

''میں تمہارا بھائی ہوں!'' احمد خلیل مایوسی کی حالت میں چلایا ''اور جب تک تم مجھے معاف نہیں کرو گے' میں کبھی خوش نہیں رہ سکوں گا''!

احمد خلیل اندھیرے میں گھورتا ہوا بہت دیر تک اپنی چٹائی پر لیٹا ہوا جاگتا رہا۔ وہ سردی کے سبب سو نہیں سکتا تھا۔ پھر اُس نے اپنے پہلو میں دُبلے پتلے ہڈیوں کے ڈھانچے والے جسم کی حرارت محسوس کی۔ اُس نے آہستگی سے اُسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے اپنا بازو اس کے گرد حمائل کر دیا تا کہ اُسے شدید سردی سے بچا سکے' لیکن اس دفعہ خلیفہ پیچھے پیچھے ہٹتے ہوئے دبکا نہیں۔ بلکہ اس پر سکون کی کیفیت طاری تھی۔ احمد خلیل اُس کے دل کی دھڑکن کی آواز محسوس کرتے ہوئے سن رہا تھا۔ اور بچے کے سکون دینے والے گرم سانس اُس کے چہرے کو چھو رہے تھے...... بڑے پیار سے اُس نے خلیفہ کو اپنے والد کی پرانی چادر سے ڈھانپ دیا...... اُس کے پرسکون اور باقاعدہ سانس لینے کی ہمت افزاء آواز نے جلد ہی اُسے لوری دے کر سُلا دیا............

☆......☆......☆

Marfat.com

اٹھارواں باب

اسماء سے شادی اور آزمائش

اپنے زخموں سے آہستہ آہستہ افاقہ ہونے کے طویل مہینوں کے دوران احمد خلیل اپنے خاندان کے زندہ بچ جانے والے باقی افرادِ خانہ کے ہمراہ مہاجرین کیمپ کے خیمے کے داخلی دروازے اور گزرگاہ والی جگہ جو اس کے حصہ میں آئی تھی، وہیں بیٹھا رہتا۔ جب اُس کے دُبلے پتلے بازوؤں پر سورج کی گرم شعاعیں پڑتیں تو وہ تلملا اُٹھتا۔ اُس کی پالکتی میں پیال کی چٹائی پر سراسیمگی اور مدہوشی کی حالت میں خلیفہ یوں پڑا رہتا کہ حرکت تک نہ کر سکتا تھا۔ اُس کی آنکھیں غیر فطری طور پر پتھرائی ہوئی اُوپر کی طرف لگی رہتیں، یوں معلوم ہوتا کہ وہ کسی کو نہیں دیکھ رہا...... احمد خلیل کا ہاتھ کپڑوں کے نیچے خنجر تک پہنچا جو عبدالعزیز بہت عرصہ پہلے اُس کے لئے چھوڑ گیا تھا...... اور یہ خنجر اس وقت تک نجبا کے پانچ اسرائیلی سپاہیوں کے خون سے اپنی پیاس بجھا چکا تھا۔ جنہیں احمد خلیل نے دست بدست لڑائی میں قتل کیا اور جس لڑائی کے نتیجے میں اُسے اپنے گھر سے ہمیشہ کے لئے نکلنا پڑا تھا۔ اگرچہ وہ کمزور اور لاغر ہونے کے سبب لڑائی میں بالکل اناڑی تھا۔ یہ تو اُس کی یہودیوں سے اندھادُھند نفرت اور محض اپنی زندگی بچانے کے لئے مرنے مارنے کی جدوجہد ہی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے والد کے ساتھ مل کر یہودیوں کا مقابلہ کرنے کے بعد انہیں زیر کرنے میں کامیاب ہوا تھا...... اُس نے اپنے گھر کا دفاع کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ لیکن ایک تو حملہ آور تعداد میں اُن سے کئی گنا زیادہ تھے اور پھر جسمانی لحاظ سے بھی وہ اس سے کہیں زیادہ طاقت ور تھے۔ مشین گنوں کی فائرنگ سے ہونے والے قتلِ عام میں صرف وہ اور چند دُوسرے لوگ ہی زندہ بچ سکے تھے...... نیچے جہاں تک اُس

Marfat.com

کی نگاہ جاتی ہر طرف مہاجر پناہ گزینوں کا کیمپ اُس کے سامنے پھیلا ہوا دکھائی دیتا۔ یہ کیمپ کیا تھا' کینوس کے پھٹے پرانے خیموں کا ایک گھنا جنگل تھا۔ جسے خاردار تاروں سے گھیر کر اس میں بھوکے اور شکستہ حال لوگوں کو ہجوم در ہجوم قید کیا ہوا تھا......

آخرکار ایک دن خلیفہ جرأت کرتے ہوئے خیمے سے باہر کھیلنے کے لئے نکلا' لیکن کیمپ کا کوئی بچہ بھی اس کے ساتھ کھیلنے کو تیار نہیں تھا۔ جب کبھی وہ دوسرے بچوں کے ساتھ مل کر کھیلنے کی کوشش کرتا تو وہ اُس کا مذاق اُڑاتے اور اکثر اوقات اسے پتھر مار کر بھگا دیتے۔ وہ صرف رشید کے ساتھ کھیلتا جو اُس کے ساتھ کشتی کرتا اور گدگدی کرتے ہوئے اسے ہنساتا رہتا......

غزہ کے مضافات میں واقع کیمپ میں پہنچنے کے فوراً بعد ہر مہاجر کو انفرادی طور پر راشن کارڈ جاری کیا گیا تھا۔ جس سے اُسے اس بات کی یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ اب وہ بیرونی ملکوں سے ملنے والی خیرات کو حاصل کرنے کا اہل ہو گیا ہے' جس پر اس کی زندگی کا دارومدار ہے۔ راشن کارڈ ہر مہاجر کے لئے سب سے زیادہ قابلِ رشک متاع تھی جسے وہ بہت احتیاط سے سنبھال کر رکھتے لیکن احمد خلیل کے لئے یہ ایک ایسی بدترین ذلت تھی جس سے اب تک اُسے واسطہ نہ پڑا تھا۔

اس کارڈ کا مطلب یہ تھا کہ آدمی ماہانہ آٹا' مسور' چاول' چینی' خوردنی چربی اور گاہے گاہے صابن' پھٹے پرانے استعمال شدہ کمبل اور کپڑے حاصل کرنے کے لئے بھکاریوں کی طرح لمبی قطاروں میں کھڑا ہو کر گھنٹوں انتظار کرتا رہے۔ پہلے پہل تو احمد خلیل نے کیمپ میں ملنے والی روٹی کھانے سے انکار کر دیا کیونکہ ایسے کھانے کا مطلب یہ تھا کہ آدمی عزتِ نفس اور خودداری کے تمام تقاضوں سے دستبردار ہو گیا ہے۔ لیکن حالات کے سامنے جھکنے یا فاقہ کے سوا کوئی تیسرا متبادل راستہ بھی نہ تھا۔ تین دن کے فاقہ کے بعد احمد خلیل نے کھانا کھایا لیکن یہ کھانا اُس کے گلے میں اٹک جاتا تھا۔ ہر دفعہ کھانے کے لمحات میں وہ یہ محسوس کرتا جیسے وہ آلودہ ہو گیا ہے۔

احمد خلیل کے لئے اپنے باپ کو اُس وقت پہچاننا مشکل ہو گیا' جب اُس نے اُسے داڑھی منڈوانے کے بعد پتلون قمیض کے ساتھ انگریزی وضع کے بوٹ پہنے ہوئے دیکھا اور اُس کے ترغیب دلانے کے نتیجہ میں اکثر آدمیوں اور لڑکوں نے بھی حتی الوسع انگریزوں اور یورپی لوگوں کی سی وضع قطع اختیار کر لی۔ اُس کا باپ نماز پڑھنے کے بارے

Marfat.com

میں بہت لاپرواہ ہو گیا تھا اور معمولی سی بیماری کے بہانے وہ رمضان کے روزے رکھنے سے معذوری ظاہر کرتا۔ اگرچہ احمد خلیل کو شروع ہی سے اس بارے میں بہت سے شبہات تھے۔ لیکن اب مذہب سے اُس کے والد کی بے رُخی' شعائر اسلامی سے اُس کی اعلانیہ نفرت اور نام نہاد ترقی پسندوں سے اس کی ہمسری کی کوششوں کے حالیہ مظاہر اس کے لئے بہت زیادہ تکلیف دہ تھے۔ احمد خلیل کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آتے اور یہ قیافہ تو اُسے پریشان کر کے رکھ دیتا کہ ماضی میں اُس کے والد نے محض گاؤں کے لوگوں کی ناپسندیدگی پر مبنی ردعمل کے ڈر سے شعائر اسلامی کی ریاکارانہ پرجوش انداز سے پابندی کا کھڑاگ محض گاؤں کے لوگوں کی ناپسندیدگی پر مبنی ردعمل کے ڈر سے رچایا ہوا تھا کہ اگر وہ گاؤں کے لوگوں کی مانند اسلامی معاشرت اختیار نہیں کرے گا تو اس کا گاؤں میں رہنا دوبھر ہو جائے گا۔ چونکہ اب یہاں مہاجر کیمپ میں اس قسم کا کوئی خوف اور دباؤ نہیں تھا تو وہ اپنے اصلی روپ میں آ کر کھل کھیلا تھا! احمد خلیل کو اس صورت حال سے بہت دھچکا لگا لیکن وہ کچھ کہہ نہیں سکتا تھا! وہ اپنے باپ پر نکتہ چینی کیسے کرتا؟؟

لیکن اس کے برعکس اُس کا والد کسی تذبذب اور حجاب کا لحاظ کیے بغیر اُس پر اعتراض کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ کیمپ کے اندر اور باہر زندگی کے تمام طبقوں' پیشوں' حیثیتوں' عہدوں اور منصب سے تعلق رکھنے والے مہاجر موجود تھے۔ ان کی اکثریت شہروں یا بڑے بڑے قصبوں سے فرار ہو کر آئی تھی۔ یہ انتداب کے زیرِ انتظام برطانوی سکولوں کے تعلیم یافتہ تھے اور ان میں سے بعض نے تو سرکاری وظیفہ حاصل کرتے ہوئے بیرونِ ملک کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی تھی' اور تاجروں' اساتذہ' ڈاکٹروں' صحافیوں' وکلاء یا انجینئروں کی حیثیت سے تربیت حاصل کی تھی۔ دورانِ جنگ اپنے گھروں سے نکالے جانے اور بے دخلی کے وقت یہ اگے بڑی بڑی جائیدادوں کے مالک تھے اور خوشحالی کے ساتھ ممتاز معاشرتی مقام سے بہرہ یاب تھے۔ ان میں سے اکثر ایسے لوگ تھے جو آتے وقت اپنے ساتھ کافی مال و دولت لائے تھے۔ اس لئے اُنہیں خیموں یا غاروں میں رہنے کی کوئی مجبوری نہیں تھی اور اُنہوں نے اپنے لئے اور اپنے خاندانوں کے لئے کرائے پر رہائش گاہیں لے رکھیں تھیں۔ ان میں سے تقریباً سبھی نے یوروپین لباس' اندازِ معاشرت اور وضع قطع اختیار کر لی تھی اور یہ لوگ انگلش بڑی روانی سے بول سکتے تھے۔

ملک وہاب نے انہی لوگوں سے مراسم استوار کرتے ہوئے انہیں اپنے دوست

Marfat.com

بنا لیا تھا اور جب تک وہ اپنی اصل چھپانے میں کامیاب رہا وہ اُن کے درمیان بہت خوشی اور مکمل بے تکلفی کی فضا محسوس کرتا۔ جتنے زیادہ شوق سے وہ ان کی محفل میں بیٹھتا' اتنا ہی احمد خلیل اپنے باپ سے رنجیدہ اور برگشتہ ہوتا گیا۔ باپ بیٹے کے درمیان تلخی اور آرزو کی شدید سے شدید تر ہوتی گئی۔ جب کبھی دونوں کو اکٹھا باہر جانا پڑتا تو ملک وہاب اُس کے پہلو بہ پہلو چلنے میں شرمندگی محسوس کرتے ہوئے اُسے قصداً کئی قدم پیچھے رکھتا تاکہ یہ ظاہر ہو کہ وہ اُسے نظر انداز کر رہا ہے اور اجنبی لوگ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اکٹھے چل رہے ہیں۔ اُس نے حتی المقدور اپنے دوستوں سے یہ حقیقت چھپانے کی انتہائی کوشش کی کہ احمد خلیل اُس کا بیٹا ہے! آخر کار جب یہ حقیقت منظرِ عام پر آئی تو لڑکے پر باپ کا غضب ٹوٹ پڑا! وہ توہین آمیز رویہ اختیار کرتے ہوئے اس کی بے عزتی کرتا۔ اور کٹر' رجعت پسند اور بنیاد پرست' جیسے الفاظ استعمال کرتے ہوئے اُسے بُرا بھلا کہتا۔ اور ''پرانی اور دقیانوسی'' عادات کے سبب مسلسل اس کی تذلیل کرتے ہوئے اُسے طنزو ملامت کرتا رہتا۔

اپنے باپ اور بڑے بھائی کے درمیان کشمکش کو نظر انداز کرتے ہوئے خلیفہ' خیمہ میں اکیلا ہی اپنے اسباق یاد کرنے میں لگا رہتا یا زمین پر ہی گٹھڑی بن کر سو جاتا۔ سکول جانے کے علاوہ جہاں اُس کا والد پڑھاتا تھا وہ بہت کم باہر نکلتا۔ سکول جانا اُسے اتنا مرغوب تھا کہ اُس نے ایک ناغہ بھی نہیں کیا تھا۔

''رشید! تم میرے ساتھ سکول جا کر پڑھنا لکھنا کیوں نہیں سیکھتے؟''

''سکول''! رشید حقارت سے مذاق اُڑاتے ہوئے کہتا۔ ''سکول میں تو صرف بچے جاتے ہیں۔ انشا اللہ میں جلد ہی نوجوان ہو جاؤں گا...... میں فدائین کے ساتھ مل کر دُشمن سے لڑنا چاہتا ہوں۔ میں سب دُشمنوں کو نیست و نابود کر دوں گا۔''

جب ملک وہاب نے احمد خلیل کو اپنے بھائی کے ساتھ سکول جانے کی ترغیب دینے کی کوشش کی تو اُس نے ہٹ دھرمی سے انکار کر دیا۔

''نہیں ابا جان! میں بچوں کے ساتھ نہیں بیٹھوں گا۔''

لیکن ملک وہاب نے ہمت نہ ہاری۔ اُس نے احمد خلیل کو سکول سے ابتدائی سائنس اور ایک انگلش قاعدہ پر مشتمل کتابیں لا کر دیں۔ ''یہ اتنی مشکل نہیں ہیں جتنی تم سمجھے بیٹھے ہو۔ صرف تمہاری کوشش کی ضرورت ہے۔'' وہ اصرار کرتے ہوئے کہتا ''آؤ!

Marfat.com

میں تمہاری مدد کروں گا۔"

لیکن احمد خلیل نے مطلق دلچسپی نہ لی۔ اُس کا باپ چاہے جو بھی کہتا یا کرتا' اس کا رویہ تبدیل نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن انگلش کے مضمون سے اپنی نفرت کے باوجود اُس نے خلیفہ کے اُستادوں سے گہری دوستی قائم کر لی۔ اُس کی طلب پر جتنی کتابیں بھی اُنہوں نے اسے دیں' وہ اُس نے تمام کی تمام انتہائی شوق سے پڑھ ڈالیں۔ آخرکار اُسے ان کتابوں میں وہ سب کچھ مل گیا' جس کے جاننے کے بارے میں وہ برسوں سے شدید خواہش رکھتا تھا۔ ان زوردار اور بیانیہ انداز میں لکھے ہوئے واقعات میں وہ یوں کھویا رہتا کہ اپنے اردگرد کی افراتفری کے ماحول کو بھی بھول جاتا۔ وہ اپنی چٹائی پر سمٹے ہوئے حضورﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کے اُن حیرت انگیز اور رُوح پرور کارناموں کو پڑھنے میں منہمک رہتا۔ جنہیں اس سے پہلے وہ براہِ راست اپنا مطالعہ نہ ہونے کے سبب مشاہدے اور تجربے کے لحاظ سے مبہم خیال کرتا تھا کہ زندگی کے بارے میں کون سی باتیں اہم ہیں اور کون سی غیر اہم صحابہ کرامؓ کی عزیمت کے ایسے واقعات پڑھ کر اس میں ایک نئی رُوح دوڑ جاتی۔

"حضرت مصعب بن عمیرؓ اسلام لانے سے پہلے بڑے ناز ونعم کے پلے ہوئے اور مالدار لڑکوں میں تھے۔ ان کے باپ ان کے لئے دو (۲) دو (۲) سو درہم کا جوڑا خرید کر پہناتے تھے۔ نوعمر تھے بہت زیادہ ناز ونعم میں پرورش پاتے تھے...... یہ بات زبان زد عام تھی کہ وہ مکہ کے سب سے بڑھ کر خوش پوش نوجوان ہیں۔ اسلام کے شروع زمانے میں ہی گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے اور اسی حالت میں رہتے۔ کسی نے ان کے گھر والوں کو بھی خبر کر دی۔ گھر والوں نے ان کو باندھ کر قید کر دیا۔ کچھ روز اسی حالت میں گزرے اور جب موقع ملا تو چھپ کر بھاگ گئے اور جو لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے ان کے ساتھ ہجرت کر کے چلے گئے وہاں سے واپس آ کر مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی اور زہد وفقر کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور ایسی تنگی کی حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضور اقدسﷺ صحابہ کرامؓ کے درمیان تشریف فرما تھے۔ حضرت مصعبؓ سامنے سے گزرے۔ ان کے پاس صرف ایک چادر تھی جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی اور ایک جگہ کپڑے کے بجائے چمڑے کا پیوند لگا تھا۔ حضورﷺ اُن کی اس حالت اور اس سے پہلی حالت کا تذکرہ فرماتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ غزوۂ اُحد میں مہاجرین کا جھنڈا اُن کے ہاتھ میں تھا۔ جب مسلمان نہایت پریشانی کی حالت میں منتشر ہو رہے تھے

Marfat.com

تو یہ جمے ہوئے کھڑے رہے۔ ایک کافر ان کے قریب آیا اور تلوار سے ہاتھ کاٹ دیا کہ جھنڈا گر جائے اور مسلمانوں کو گویا کھلی شکست ہو جائے۔ انہوں نے جھنڈا فوراً دُوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ اُس نے دوسرے ہاتھ کو بھی کاٹ ڈالا...... انہوں نے دونوں بازوؤں سے جوڑ کر جھنڈا سینہ سے چمٹا لیا کہ گرے نہیں۔ اس نے ان کے تیر مارا جس سے شہید ہوگئے۔ مگر زندگی میں جھنڈے کو نہ گرنے دیا۔ اس کے بعد جھنڈا گرا جس کو فوراً دوسرے شخص نے اُٹھا لیا۔ جب ان کو دفن کرنے کی نوبت آئی تو صرف ایک چادر ان کے پاس تھی جو ان کے بدن پر پوری نہیں آتی تھی۔ اگر سر کی طرف سے ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کی جاتی تو سر کھل جاتا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ چادر کو سر کی جانب کر دیا جائے اور پاؤں پر اِذخر کے پتے ڈال دیئے جائیں......

''............ رسُول اللہ ﷺ غزوہ تبوک کے لئے، تبوک کے مقام پر تشریف فرما تھے کہ حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

اُن کی تدفین اس شان سے ہوئی کہ سرورِ کون مکان ﷺ، حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ مل کر قبر کھود رہے تھے اور دُعا فرما رہے تھے۔ حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ نوجوان ہی تھے کہ قبول اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ لیکن اپنے چچا کے خوف سے اپنے اسلام کو خفیہ ہی رکھا...... آخرکار عبداللہؓ کا پیمانہ صبر بریز ہو گیا۔ اور ایک دن وہ چچا کے پاس گئے اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اسلام قبول کر لوں۔ چچا نے یہ سن کر نہ صرف تمام مال و متاع سے محروم کر دیا بلکہ تن کے کپڑے تک اُتروا لئے۔ بیوہ ماں نے انہیں چوری چھپے ایک چادر دی کہ اپنے جسم کو ڈھانپ سکیں...... مدینہ پہنچ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے بعد بارگاہِ رسالت سے انہیں ذُوالبجادین کا لقب عطا ہوا۔ غزوہ تبوک کے موقع پر لشکرِ اسلام کے ہمراہ جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو حضرت عبداللہؓ کو شدید بخار آ گیا اور اسی بخار سے وہ رحلت فرما گئے...... حضرت عبداللہؓ ابنِ مسعود کا کہنا ہے کہ رات کی تاریکی میں' میں نے روشنی دیکھی۔ میں فوج سے نکل کر روشنی کی طرف گیا۔ میں نے دیکھا کہ بلالؓ کے ہاتھ میں مشعل ہے اور عبداللہ ذوالبجادینؓ کو دفن کیا جا رہا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی مدد سے حضرت عبداللہؓ کی میت کو لحد میں رکھا۔ حضور اکرمؐ بڑی محبت سے کہہ رہے تھے۔ ''اَدِّبَااِلٰی اَخِیْکُمَا'' (اپنے بھائی کا ادب ملحوظ رکھو)۔ پھر آپؐ نے دُعا فرمائی: ''اے باری

Marfat.com

تعالیٰ! میں آج شام اس سے راضی تھا پس تو بھی (اپنے اس بندے پر) راضی ہو جا!''

حضرت عبداللہؓ ابن مسعود کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ قابلِ رشک منظر دیکھا تو بے ساختہ پکار اُٹھا۔ ''اے کاش! اس قبر میں آج مجھے دفن کیا جاتا''

.........حضرت ام عمارہؓ اُحد کی لڑائی کا قِصہ خود ہی سناتی ہیں کہ میں مشکیزہ پانی کا بھر کر اُحد کو چل دی کہ دیکھوں مسلمانوں پر کیا گزری اور کوئی پیاسا زخمی ملا تو پانی پلا دوں گی۔ اس وقت ان کی عمر تینتالیس ۴۳ برس کی تھی۔ ان کے خاوند اور دو بیٹے بھی لڑائی میں شریک تھے۔ مسلمانوں کو فتح اور غلبہ ہو رہا تھا۔ مگر تھوڑی دیر بعد جب کافروں کا غلبہ ظاہر ہونے لگا تو میں حضورؐ کے قریب پہنچ گئی اور جو کافر ادھر کا رُخ کرتا اُس کو ہٹاتی تھی۔ ابتداء میں ان کے پاس ڈھال بھی نہ تھی' بعد میں ملی جس پر کافروں کا حملہ روکتی تھیں' کمر پر ایک کپڑا باندھ رکھا تھا جس کے اندر مختلف چیتھڑے بھرے ہوئے تھے۔ جب کوئی زخمی ہو جاتا تو ایک چیتھڑا نکالتے ہوئے جلا کر اس کے زخم میں بھر دیتیں۔ خود بھی کئی جگہ سے زخمی ہوئیں۔ بارہ (۱۲) تیرہ (۱۳) جگہ زخم آئے جن میں سے ایک بہت سخت تھا۔ ام سعیدؓ کہتی ہیں کہ میں نے ان کے مونڈھے پر ایک بہت گہرا زخم دیکھ۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس طرح پڑا تھا۔ کہنے لگیں کہ اُحد کی لڑائی میں جب لوگ ادھر ادھر پریشان پھر رہے تھے تو ابن قمیہ یہ کہتا ہوا بڑھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں کوئی مجھے بتا دے' کدھر ہیں۔ اگر آج وہ بچ گئے تو میری نجات نہیں۔ مصعب بن عمیرؓ اور چند آدمی اس کے سامنے آ گئے جن میں' میں بھی تھی۔ اس نے میرے مونڈھے پر وار کیا۔ میں نے بھی کئی وار کیے۔ مگر اس پر دوہری زرہ اس لئے زرہ سے حملہ رُک جاتا تھا۔ یہ زخم ایسا سخت تھا کہ سال بھر تک علاج کیا مگر اچھا نہ ہوا۔ اس زخم کے علاوہ احد کی لڑائی میں اور بھی بہت سے زخم آئے تھے۔ ام عمارہؓ کہتی ہیں کہ اصل میں وہ لوگ گھوڑے پر سوار تھے اور ہم پیدل تھے اور وہ بھی ہماری طرح پیدل ہوتے تو جب بات تھی۔ اس وقت اصل مقابلہ کا پتہ چلتا۔ جب کوئی گھوڑے پر آتا اور مجھے مارتا تو اُس کے حملوں میں ڈھال پر روکتی رہتی اور جب وہ مجھ سے منہ موڑ کر دوسری طرف چلتا تو میں اس کے گھوڑے کی ٹانگ پر حملہ کرتی اور وہ کٹ جاتی جس سے وہ بھی گرتا سوار بھی گرتا اور جب وہ گرتا تو حضورؐ میرے لڑکے کو آواز دے کر میری مدد کے لئے بھیجتے۔ اور ہم دونوں مل کر اس کو نمٹا دیتے۔ ان کے بیٹے عبداللہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ میرے بائیں بازو میں زخم آیا اور خون تھمتا نہ تھا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا

Marfat.com

پٹی باندھ لو۔ میری والدہ آئیں' اپنی کمر سے کچھ کپڑا نکالا پٹی باندھی اور باندھ کر کہنے لگیں کہ جاؤ کافروں سے مقابلہ کرو۔ حضور اقدس ﷺ اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ فرمانے لگے۔ ام عمارہؓ اتنی ہمت کون رکھتا ہے جتنی تو رکھتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوران میں ان کو اور ان کے گھرانے کو کئی بار دُعائیں دیں تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں آپؐ کی رفاقت نصیب فرمائے۔ جب حضورؐ نے اس کے بارے میں دعا فرما دی تو کہنے لگیں کہ اب مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ دُنیا میں مجھ پر کیا مصیبت گزری..........

جب احمد خلیل نے اپنے خیمے کے ساتھیوں کو یہ واقعات اُونچی آواز میں پڑھ کر سنائے تو انہوں نے ان واقعات کی صداقت کو ناممکن خیال کرتے ہوئے ان پر یقین کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اس معیار کے لوگ اُنہیں آج کی دنیا میں کہیں بھی نظر نہیں آتے تھے۔ اُس کے والد نے اُسے ماضی کی بے کار دُنیا کے خوابوں میں کھوئے رہنے پر اُسے ڈانٹ پلائی اور کہا کہ اس کے بجائے وہ عملی مضامین پر عبور حاصل کرتے ہوئے حقائق کا سامنا کرے اور دورِ حاضر میں رہ کر خود کو مستقبل کے لئے تیار کرے! اُس کی عمر کے تمام لڑکوں نے اس کا مذاق اُڑاتے ہوئے ان کتابوں کے بارے میں حقارت آمیز رویے کا اظہار کیا۔ صرف خلیفہ نے ہی اس میں دل چسپی کا اظہار کرتے ہوئے اُس سے مطالبہ کیا کہ وہ اسے اس بارے میں مزید پڑھ کر سناتا رہے۔

اس کے بعد احمد خلیل نے کئی ہفتے اور کئی مہینے ان کتب کا مطالعہ جاری رکھا۔ اور اب تو وہ انگریزی لغات کے بغیر بھی ان کتب کو پڑھ سکتا تھا جو کہ سکول کے اساتذہ نے اس کے محدود ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کے لئے معاونت کے طور پر اُسے مستعار دی تھی۔ آہستہ آہستہ ان کتابوں کو سمجھنے کے لئے اس کی دُشواری میں کمی آتی گئی اور وہ بہت تیزی اور آسانی کے ساتھ پڑھ سکتا تھا۔ اُس نے حتی الوسع اپنی قوم کے اس دور کی تمام تاریخ پڑھ ڈالی جب وہ دُنیا کے زیادہ تر حصے پر حکمران تھے۔ اور دُنیا کی تمام دیگر اقوام پر علم و فضل میں' آرٹس اور سائنس کے شعبوں میں بالادستی رکھتے تھے...... اور اب تو وہ اس بات کی حسرت کرتا کہ کاش! میں آج سے ایک ہزار سال پہلے اسلام کی حکمرانی کے سنہری زمانہ میں پیدا ہوا ہوتا اور مجھے اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرنے کا موقع ملتا! اور میرا تعلق جس عظیم ملت سے ہے اس کے عقیدہ و ایمان کی وہ کون سی قوت ہے جس سے اس کے

Marfat.com

آباؤ اجداد نے اتنے عظیم کارنامے اور فتوحات انجام دیں۔ یا تو اُدھر یہ عالم کہ تاریخ پڑھ کر وہ اپنے آپ میں ایک نئی توانائی محسوس کرتے ہوئے اُس دور میں پیدا ہونے کی حسرت کرنے لگا...... اور آج اس کے برعکس ذلت' پستی' بے درپے شکستوں اور تکلیف دہ احساس کمتری کی شدت کا یہ حال کہ اس کے والد اور اس کے ملنے والوں کی اکثریت کے نتیجہ فکر کی معراج صرف غیر مسلموں کی نقالی اور ان کے فرنگیانہ آداب و اطوار اپنانے تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہے۔

لیکن احمد خلیل نے کیمپ کی تکلیف دہ' بے مقصد اور فضول زندگی سے بچنے کے لئے ایک راہ نجات تلاش کر ہی لی تھی۔ خلیفہ کے اُستادوں نے اپنی اکثر کتب اُسے عاریتاً دیتے ہوئے مطالعہ میں اُس کی بہت مدد کی۔ اور وہ ایک مستعار لئے ہوئے مٹی کے تیل کے دیئے کی روشنی میں ان کتابوں کو رات گئے تک پڑھتا رہتا۔ چونکہ اس وقت تمام لوگ سو جاتے تھے اس لئے اُسے توجہ کی یکسوئی کے لئے جس سکون کی ضرورت تھی وہ اُسے میسر آجاتا' اُس نے مسلمانوں کے قدیم ماضی اور ماضی قریب و حالیہ دور میں ہی دنیا سے رحلت کر جانے والے عظیم مسلمانوں کی زندگیوں کے بارے میں کتب سے وابستگی کا سامان پیدا کر لیا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ، ابن تمیمیہؒ، شیخ محمد بن عبدالوہاب اور سنوسی تحریک کے رہنماؤں کے علاوہ آج کے دور میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اخوان المسلمون کی تحریک بھی کچھ کم کشش کی حامل نہ تھی۔ جس کے اثرات سکولوں' کالجوں کے علاوہ یونیورسٹیوں کے عرب نوجوانوں میں بڑی تیزی سے نفوذ کرتے ہوئے پھیلتے جا رہے تھے۔ اور اسی لئے اس نے شیخ حسن البناء کی خودنوشت سوانح عمری' تقریروں اور تصنیفات کا بار بار مطالعہ کیا۔

اگرچہ خلیفہ ایک محنتی شاگرد تھا اور اتنا ہوشیار طالب علم کہ اُس نے دو سال سے بھی کم عرصے میں سکول کی چار جماعتیں پاس کر لی تھیں لیکن اُس کا والد اور اساتذہ اُس وقت بہت مایوس ہوئے جب اُس نے انگریزی کا سبق پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اُس کے ہم جماعت ساتھی انگلش کا کام بڑے شوق سے کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انگلش کے مضمون کا علم ہی اُنہیں کیمپ کی زندگی سے نجات دلانے اور مستقبل میں ترقی کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ لیکن خلیفہ قرآن' حدیث' عربی اور اُن عظیم مسلمانوں کی زندگیوں کے واقعات کا مطالعہ کرتا جن کے بارے میں احمد خلیل اُسے اُونچی آواز میں پڑھ کر سنا چکا تھا۔

Marfat.com

خوش خطی اور ڈرائنگ میں نہ صرف وہ اپنے تمام ہم جماعتوں سے بازی لے گیا بلکہ اس معاملے میں وہ اپنے اُستادوں سے بھی آگے تھا۔ یہ انوکھا لڑکا اُن کے درمیان گفتگو کا موضوع بنا رہتا اور سکول کے معائنے کے لئے جب بھی افسر یا دیگر لوگ آتے تو وہ خلیفہ کے ڈرائنگ کیے ہوئے نمونے انہیں بڑے فخر سے دکھاتے۔ لیکن خلیفہ کو اس بارے میں کوئی علم نہیں تھا اور نہ ہی وہ ان چیزوں کو خاطر میں لاتا تھا۔ وہ ہر وقت دوسرے لڑکوں سے یکہ وتنہا اور جدا رہتا۔ اور کبھی کوئی لڑکا اس کے پاس نظر نہ آتا۔ اُن کے برعکس مستقبل کے بارے میں اُس کی آرزوئیں بڑی معصومانہ تھیں۔ وہ بڑا ہو کر کیا بنے گا! اُس نے اس بارے میں کبھی کوئی بات تک نہ کی تھی۔ تعلیم دیگر مہاجر بچوں کی نظر میں جہد للبقا کی دوڑ کے لئے ناگزیر تھی...... لیکن اس بچے کے لئے تمام اساتذہ اپنے دل میں بے پایاں کشش اور شفقت رکھتے جو کہ محض حصول علم کے جذبے سے تعلیم حاصل کر رہا تھا۔

دیگر تمام چھوٹے لڑکوں سے الگ، زمین پر بیٹھ کر خلیفہ قرآن کے آہنگ کے ساتھ آگے پیچھے جھومتا ہوا قرآن پڑھتا...... تندی سے چلنے والی آندھیاں فضا کو گرد کے بادلوں سے بھر دیتیں۔ کینوس کے خیموں کی پھڑ پھڑاہٹ سے صحرائی ریت کے ذرے زور زور سے اُن کے چہروں سے ٹکراتے، لیکن پھر بھی بچے اپنی تلاوت جاری رکھتے اور ان کی آوازیں فاتحانہ انداز سے بلند ہوتی جاتیں۔

سورہ فاتحہ (ترجمہ)

> تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام کائنات کا ربّ ہے۔ رحمان اور رحیم ہے۔ روزِ جزا کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا، جو معتوب نہیں ہوئے۔ جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔

اپنے اُستادوں کی رہنمائی میں وہ اُونچی آوازوں میں زیر و بم کے آہنگ سے فلسطین کے خوبصورت مناظر اور یروشلم کے مقدس شہر کے بارے میں نظمیں پڑھتے۔ جہاں وہ ایک دن فاتحانہ انداز میں پھر داخل ہوں گے۔ جب ملک وہاب اپنے لوگوں کی تاریخ ڈرامائی انداز میں بیان کرتا تو بچے اس کے اردگرد جمع ہو کر بڑے شوق، توجہ اور انہماک سے اس کی باتیں سُنتے۔ پڑھائی ختم ہونے کے بعد جب وہ پیار سے ننھے منے بچوں کے سر پر

Marfat.com

ہاتھ پھیرتا تو وہ اس کے اردگرد گھیرا ڈالتے ہوئے اس کے بازوؤں سے لپٹ جاتے اور وہ اس موقع پر کھلے دل سے بچوں کے لاڈ سے محظوظ ہوتا۔ اگرچہ خلیفہ آٹھ سال کا ہو گیا تھا لیکن پھر بھی وہ اپنے سب سے پیارے اور پسندیدہ اُستاد کی گود میں بیٹھنے کا اصرار کرتے ہوئے شور وغوغا اور دُہائی مچا دیتا۔ اُسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ دوسرے بچے اُس کا مذاق اڑائیں گے۔

ملک وہاب پڑھائی کے اوقات ختم ہونے کے بعد بھی تمام وقت سکول میں ہی رہتا' کیونکہ یہ سکول ہی تھا جس نے اُسے ایک ایسی عظمت سے ہمکنار کر دیا تھا' جس سے وہ قبل ازیں آشنا نہیں تھا۔ سکول کی عمارت' (اگر اسے عمارت کہا جا سکے) انتہائی خراب تھی۔ کینوس کے خیموں کے اندر کلاسیں لگتیں جہاں طلبہ زمین پر بیٹھ کر ہی پڑھتے۔ سکول سے اُسے بالکل حقیر سا معاوضہ ملتا، لیکن وہ ان باتوں کی چنداں پرواہ نہیں کرتا تھا کیونکہ اُسے اپنی خوشیوں کی معراج حاصل ہو گئی تھی۔ اپنی زندگی کے پچاس سالہ دور میں وہ کبھی ایسی خوشی سے ہمکنار نہیں ہوا تھا اُس کی اپنی تعلیم اور مطالعہ اتنا زیادہ نہ تھا کہ وہ اپنی علمی پیاس بجھا سکے یا علم کا بے پناہ شوق رکھنے والے طلبہ کو مطمئن کر سکے۔

اگرچہ سکول اقوام متحدہ کے ادارہ یونیسکو کے تحت چل رہا تھا لیکن اساتذہ کی اکثریت اخوان المسلمون کے ارکان پر مشتمل تھی۔ اقوام متحدہ کے اہل کار اخوان المسلمون کے مخالف تھے۔ اور سکولوں کا پرنسپل بھی ان اُستادوں کی جگہ دوسرے لوگوں کو لانے کا انتہائی خواہشمند تھا۔ لیکن وہ ان اساتذہ کو اس لئے برداشت کر رہا تھا کیونکہ وہ بہت لائق فائق' قابل' تدریس کے لئے وقف اور اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد تھے۔ ملک وہاب کسی اور جگہ پڑھانے کے بجائے یہاں تدریسی فرائض انجام دینے کو ترجیح دیتا تھا کیونکہ وہ یہاں کے نصاب کو بہت پسند کرتا تھا اور اُس کا خیال تھا کہ اسلامی اور جدید علوم کے امتزاج سے خلیفہ کی تعلیم وتربیت بہتر طریقے پر ہو سکے گی۔

ایک دن علی الصبح ملک وہاب کلاسیں شروع ہونے سے پہلے سکول پہنچا تو اُس نے خلیفہ کے اساتذہ کو ہجوم کی صورت میں اخبار پڑھتے ہوئے پایا۔ جب انہوں نے اسے دیکھا تو سیاہ حاشیے میں شائع شدہ سرخیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

Marfat.com

"شیخ حسن البنا قاہرہ کی سڑک پر ایک نامعلوم قاتل کی گولی لگنے سے شہید ہو گئے......!

ہمارا رہنما چلا گیا! اب ہم اس کا متبادل کہاں سے لائیں گے۔"

اس رات احمد خلیل اپنے والد کے پاس گیا اور بڑی حیرت سے اُس سے پوچھا: ابا! آپ اخوان المسلمون کے اپنے اساتذہ ساتھیوں کو کیوں پسند نہیں کرتے۔ میرے خیال میں تو یہ بہت اچھے لوگ ہیں۔ اگر میں آپ کی طرح صاحبِ علم ہوتا تو میں اپنی تمام زندگی ان کی تحریک کی خدمت کے لئے وقف کر دیتا............

"رجعت پسند! جوشیلے کٹر مذہبی لوگ"! ملک وہاب نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ اگرچہ وہ جدید کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پڑھے ہوئے ذہن اور قابل طلبہ اور سند یافتہ لوگوں میں سے ہیں۔ لیکن وہ اپنے عقائد اور تنگ نظری کے خول میں سے کبھی باہر نہیں نکلتے۔ وہ تیزی سے بدلتی ہوئی اس غیر یقینی دُنیا میں یقین کی تلاش میں ہیں۔ وہ آدمی اور اس کی ترقی کرنے کی صلاحیت پر کوئی بھروسہ نہیں رکھتے۔ وہ ایک کٹر مذہبی ریاست کے لئے لڑ رہے ہیں اور اس سے کم تر کسی بھی چیز پر سمجھوتہ کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ وہ ہمارے اسلامی قانونِ شریعت کی سخت گیر اور بالکل حرف بحرف اصل کے مطابق تشریح کرتے ہیں اور اسے رُوئے زمین کے برتر قانون کی حیثیت سے ہم پر نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو تسلیم نہیں کریں گے کہ حال ماضی سے مختلف ہے اور ماضی کے پرانے اور سخت قوانین اس زمانے میں نہیں چل سکتے۔ وہ ترقی اور ترقی پسندانہ خیالات کو برداشت نہیں کرتے لیکن میں اُن سے اتنا اختلاف رکھنے کے باوجود ان کی ہمت اور بہادری کی وجہ سے اُن کا احترام کرتے ہوئے اُنہیں خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔ جبکہ دوسرے تمام عرب بزدل ہیں۔ عربوں کا فلسطین پر حملہ محض ایک مضحکہ خیز ڈھونگ تھا جو شرمناک رُسوائی کا موجب بنتے ہوئے عربوں کی اپنی ہی قتل گاہوں میں بدل گیا۔ عرب افواج کے کمانڈر نااہل، غیر متحد، بدچلن، بددیانت، لالچی اور منافق تھے، ورنہ ہم یہ جنگ کبھی نہ ہارتے۔ یہ صرف اخوان المسلمون کے رضا کار مجاہد ہی تھے، جنہوں نے مہارت، ہمت اور بہادری سے لڑتے ہوئے دُشمن کا مقابلہ کیا۔ اب تو شیخ حسن البنا بھی مارے گئے ہیں، اب میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ اب ان کے بعد فلسطین کو کون بچائے گا۔"

Marfat.com

ملکِ وہاب خاموش ہو گیا اور اب ہر طرف سکوت کا عالم تھا۔ اس اندھیرے میں خیمے کے اندر موجود لوگ یکے بعد دیگرے نیند کی آغوش میں چلے گئے......

یہ ایک مہینہ بعد کی بات ہے اور اس وقت بھی رات کافی جا چکی تھی۔ ملک وہاب سو چکا تھا' لیکن احمد خلیل ابھی تک جاگ رہا تھا۔ اخوان المسلمون کے شائع شدہ پمفلٹوں کا ڈھیر اس کے پاس پڑا ہوا تھا جو کہ خلیفہ کے اُستادوں نے اسے پڑھنے کے لئے دیئے تھے۔ وہ سیدّ قطب کی لکھی ہوئی قرآن پاک کی تفسیر کی پہلی سورت کے مطالعہ میں منہمک تھا۔ اگرچہ یہ اُس کے لئے گہری دلچسپی کا سامان رکھتی تھی لیکن مطالعہ کی رفتار بہت سست تھی اور اِس کا پڑھنا اور اُس کے لئے بہت مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ اسے سمجھنے کے لئے اُسے بار بار لُغت کا سہارا لینا پڑتا تھا۔

دفعتاً ایک لمبے قد کے لڑکے کے چیخنے اور چلانے سے سکوت کی یہ کیفیت ختم ہو گئی۔ وہ دوڑتا ہوا خیمے کے اندر آیا اور اس نے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر ملک وہاب کو جگایا۔

''میرے ابّا کو ابھی دل کا دورہ پڑ گیا ہے اور وہ آپ کو فوراً آنے کے لئے کہہ رہے ہیں'' اس نے ملک وہاب کا بازو کھینچتے ہوئے کہا ''آپ کو فوراً اُن کے پاس چلنا چاہیے''!

ملک وہاب اور احمد خلیل لڑکے کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے ایک چھوٹی سی جھونپڑی کی طرف گئے جو اُن کے خیمہ سے زیادہ دُور نہ تھی۔ جھونپڑی گھاس پھوس کی بنی ہوئی تھی جس پر گارے سے لپائی گئی تھی۔ جھونپڑی کے اندر تیل کا دیا جل رہا تھا۔ مصطفےٰ آفندی گندے فرش پر پڑے ہوئے چیتھڑوں کے ڈھیر کے اُوپر لیٹا پڑا تھا۔ اُس کا چیچک کے داغوں والا زرد چہرہ درد کی شدت سے یوں تڑا مڑا ہوا تھا کہ ان دونوں کے لئے اسے پہچاننا مشکل ہو گیا۔ اُس نے دونوں کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا' لیکن ملک وہاب کمرے کی آخری حد پر کھڑا اپنے نفرت زدہ سوتیلے بھائی کو سرد مہری سے پتھرائی ہوئی نظروں سے گھورتا رہا۔ مصطفےٰ آفندی نے قمیض پھاڑ کر چابیوں کا بھاری گچھا نکالا اور اسے ملک وہاب کی طرف پھینکا۔ بیٹھے ہوئے گلے کے ساتھ ہانپتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں اُس نے کہا۔ ''جب تک ہم اپنے گھروں کو واپس نہ چلے جائیں میں اپنے گھر کا انتظام تمہیں اور تمہارے بیٹوں کو سونپتا ہوں۔ میرے اپنے بیٹے اور بیٹیاں جہاں چاہیں چلے جائیں۔ مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں اپنی چھوڑی ہوئی تمام زمینوں اور جائیداد کی

Marfat.com

دیکھ بھال تم پر چھوڑتا ہوں۔ اگر جنگ کے بعد میری املاک تباہی اور بربادی سے بچ گئی تو میں اپنا یہ تمام اثاثہ تمہارے اور احمد خلیل کے حوالے کرتا ہوں...... تم ہی اس کے مالک ہو گے...... اگرچہ میں تمہارے ساتھ جو سخت ظلم کرتا رہا ہوں...... اس کا احساس میرے لئے دن رات سخت اذیت کا باعث اور سوہانِ رُوح بنا ہوا ہے۔ اپنے ان مظالم پر میں تُم سے معافی کا خواستگار ہوں کیا تم معاف کر دو گے؟''

ملک وہاب خاموش رہا۔ اُس نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی' بلکہ وہ اپنی برف جیسی سرد مہر آنکھوں سے اُس آدمی کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔ جو اس کی زندگی میں دُنیا بھر کے تمام انسانوں سے زیادہ نفرت کا حقدار تھا۔ یہاں اُس کے سامنے وہ آدمی اب بسترِ مرگ پر پڑا ہوا تھا' جس نے اُسے غلام بنایا۔ وہی آدمی' جس نے اپنے تمام اختیارات اُسے ذلیل و خوار کرنے' بُرے لفظوں میں یاد کرنے اور اس کا منصب گھٹانے میں استعمال کیے تھے۔ جس نے اُسے مفلس کرنے کے لئے اپنی تمام قوت خرچ کر دی تھی۔ جس نے ایک گھٹیا سے گاؤں کے نیم وحشی لوگوں میں اُسے جبری طور پر بھجوا کر اُس کی زندگی کے بہترین سال ضائع کر دیئے تھے۔ یہی آدمی اس کی زندگی پر پھیلی ہوئی تمام مصیبتوں اور ذہنی اذیتوں کا ذمہ دار تھا۔ جس نے میرے بعد میرے بیٹے کو غلام بناتے ہوئے مار پٹائی کرنے' اُسے بھوکا رکھنے اور اس سے دُشنام طرازی کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی!

اور اسی نام نہاد غدّار ملت کی زر و مال کی نہ ختم ہونے والی حرص اور لالچ کے ہاتھوں ہی عراق المنشیا کی تباہی کے بعد وہاں کے مکینوں کا آخری قتلِ عام ہوا......! اور اب ملک وہاب اُس کے حشر کے بارے میں خدائی انصاف کو دیکھتے ہوئے ایک انوکھی خوشی اور اطمینان محسوس کر رہا تھا۔

احمد خلیل۔ تمام رات' مصطفےٰ آفندی کے پہلو میں اُس کا ہاتھ تھامے بیٹھا رہا...... حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا...... مرتے وقت اُس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا...... صبح کے وقت احمد خلیل نے جنازے کا اعلان کیا۔ اُس کی میت کو غسل دیا اور اُس کی اپنی عبا میں ہی اُسے کفنا دیا۔ جب نماز جنازہ پڑھی جا چکی تو اُس نے قبر کھودنے میں مدد کی...... وہ یوں احکام دے رہا تھا کہ جیسے وہ پندرہ سالہ لڑکا ہونے کے بجائے کوئی بہت بڑا صاحبِ اختیار آدمی ہو......!

دو سال گزر گئے' احمد خلیل حیران تھا کہ وہ اتنا طویل عرصہ یہاں کیسے ٹھہرا رہا۔

Marfat.com

یہاں دھوپ کھانے اور بیکار بیٹھنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا۔ محض کتابوں کا مطالعہ بھی اب اُسے مطمئن نہیں کرتا تھا۔ سکول سے ملنے والی محدود کتب کے ذخیرہ سے اب وہ اکتا چکا تھا۔ اور اب اُسے ان کتابوں میں کوئی دلچسپی محسوس نہ ہوتی۔ مطالعہ اس ماحول سے نجات کا محض عارضی ذریعہ تھا اور یہ عملی زندگی کے تجربات کا متبادل نہیں تھا وہ کوئی عالم نہیں تھا۔ وہ تو محض مزارع تھا۔ اور اپنی پیدائش سے لے کر اب تک وہ ایک مزارع ہی رہ چکا تھا۔ اُس کی آرزو تھی کہ ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل جھک کر چھوٹے چھوٹے اگنے والے سبز پودوں کی دیکھ بھال کرے تا کہ اُسے محسوس ہو کہ وہ اور کھیت جزولاینفک ہیں۔ وہ تخیل کے سرابوں میں حدنظر تک پھیلے ہوئے گندم کے کھیت دیکھتا تھا۔ اُس کا گاؤں یہاں سے ایک گھنٹے سے بھی کم مسافت کے فاصلے پر تھا۔ اگرچہ لڑائی ختم چکی تھی لیکن سرحد عبور کرنے کا مطلب یہ تھا کہ آدمی مجرموں کی طرح دُشمن کی گولیوں کا نشانہ بنتے ہوئے مارا جائے۔

لیکن رشید بالکل نڈر اور بے خوف تھا۔ وہ کیمپ کے دیگر لڑکوں اور نوجوان آدمیوں کے دستوں کے ساتھ فدائین کے گروہ میں شمولیت اختیار کر چکا تھا۔ اگرچہ اُس کی عمر محض چودہ سال تھی، لیکن اُس کا قد چھ فٹ لمبا تھا اور دیکھنے والا اُسے آسانی سے اٹھارہ سال کا نوجوان سمجھتے ہوئے دھوکہ کھا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے ایک قوی جسم عطا کیا تھا، جس سے احمد خلیل اور خلیفہ محروم تھے۔ وہ پتلا لیکن توانا اور مضبوط تھا۔ اور کبھی کسی قسم کی کوئی بیماری اُس کے نزدیک نہ آئی تھی۔ زندگی بھر کی مشکلات اور محرومیاں اس کی نشوونما میں رکاوٹ نہیں بنی تھیں اور نہ ہی ان چیزوں نے اُس کی صحت کو کوئی روگ لگایا تھا...... اُس کی ہمت کی فراوانی اور قوت برداشت بے حدوحساب معلوم ہوتے تھے۔ جلد ہی وہ سرحدی یہودی نوآبادیوں کے لئے ایک دشت اور ہوا بن گیا۔ یہودی آبادکاروں میں وہ انتہائی تیزی سے ایک بدنام زمانہ خطرناک قاتل کی حیثیت سے مشہور ہو گیا...... اُن میں سے کوئی بھی اُس کا نام نہیں جانتا تھا، اس کے انتہائی سیاہ رنگ کی وجہ سے آبادکار اسے دبی دبی آوازوں میں صرف ''کالے وحشی جانور'' کے نام سے ہی یاد کرتے تھے۔

رشید نے احمد خلیل کو قائل کر لیا کہ جونہی اندھیرا چھا جائے وہ خاردار تاروں کے نیچے سے پیٹ کے بل رینگ کر نخل مدبار کی سرحد چوری چھپے عبور کریں گے...... اور وہاں سے خوراک چرانے کے علاوہ اس علاقے میں آگ لگائیں گے اور یہودی نوآبادیوں کو پانی مہیا کرنے والے پائپوں کو کاٹیں گے۔ زرعی آلات بنانے کے چھپروں کی آڑ لیتے

Marfat.com

ہوئے‘ منظر عام سے بچ کر دبے پاؤں‘ چوری چھپے وہاں جائیں گے‘ اور جو مشینری اُن کے ہاتھ لگ گئی اُس کو تباہ و برباد کر دیں گے۔ اس کے بڑے بڑے پرزوں کو کاٹنے کے بعد نکالتے ہوئے باہر پھینک دیں گے۔ رشید تو ٹریکٹروں کو ناکارہ بنانے میں ماہر ہو چکا تھا۔ اور اس علاقے میں نامعلوم انداز سے ہونے والا ہر قتل‘ تخریب کاری اور توڑ پھوڑ کا کام اُس سے منسوب کر دیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ احمد خلیل اکیلا ہی نخل مدبار کے قریب مورچوں میں چھپ کر اپنی کارروائیاں کرنے کے لئے اندھیرا چھا جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے ایک ننھے منے بچے کو وہاں ہاتھ پاؤں کے بل رینگتے ہوئے دیکھا جو کسی طرح بھول کر ادھر آ نکلا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اتنے دُور دراز مقام پر یہ بچہ گم ہو کر کیسے اِدھر آ نکلا‘ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ یہودی اپنے بچوں کی دیکھ بھال اور نگرانی میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ جونہی بچے نے اُسے دیکھا‘ تو اتنا چھوٹا ہونے کے باوجود بچے نے اسے پہچان لیا کہ یہ کوئی عرب ہے۔ اب تو بچے نے خوف سے چیخیں مارنا شروع کر دیں۔ احمد خلیل نے بچے کو اپنے بازوؤں میں اُٹھا کر پیار کیا حتیٰ کہ بچہ چپ ہو گیا۔ پھر اُسے میٹھی کھجوروں کے کچھ ٹکڑے دیئے تاکہ وہ بہل جائے۔ احمد خلیل بچے کو اپنی چچی حلیمہ اور اپنی ماموں زاد اسماء کے پاس واپس کیمپ میں لے جانا چاہتا تھا تاکہ وہ اس کی پرورش اور دیکھ بھال کر سکیں۔ پھر اچانک اُس کا ارادہ تبدیل ہو گیا۔ وہ اس شیر خوار بچے کو لئے ہوئے رات گئے تک اسی مورچہ میں دبک کر بیٹھا رہا۔ اور پھر اُس بچے کی ماں کا اتا پتہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسے سیدھا بچوں کے اجتماعی گھر میں لے گیا۔ وہ بچوں کی اقامت گاہ میں داخل ہوا۔ جہاں مدھم جلتی ہوئی روشنی میں تمام بچے اپنے اپنے بستروں پر گہری نیند سو رہے تھے۔ آخرکار اُس نے بچوں کی پرورش گاہ والا وہ کمرہ تلاش کر لیا‘ جہاں بچوں کی پلنگڑیوں کی دو قطاریں آراستہ تھیں۔ اُن میں سے ایک پلنگڑی خالی دیکھ کر اُس نے بچے کو اس میں لٹا دیا۔ اُسے میز پر دُودھ کی ایک بوتل ملی جو کہ ابھی تک گرم تھی۔ اُس نے بوتل کے منہ پر ربڑ کا نپل چڑھایا اور جب بچے نے یہ بوتل پی کر ختم کر دی تو اُس نے بچے کا منہ صاف کیا‘ بچے کا نیپکن تبدیل کیا اور خالی بوتل کو پانی سے دھونے کے بعد انتہائی شفقت سے بچے کو کمبل میں لپیٹا اور باہر نکل گیا۔ چونکہ وہ ننگے پاؤں تھا اِس لئے اُس کے چلنے سے کوئی آہٹ نہ سنائی دی۔

Marfat.com

مسلح گشتی محافظوں نے پورے علاقے کی تلاش اور تعاقب کے بعد اُسے گھیر کر گرفتار کر لیا۔ جنہوں نے اُسے ایک چھوٹے سے ویران کمرے میں بند کر دیا' جہاں فوجیوں کے ایک ٹولے نے محل مدبار کی ایک نوجوان یہودی لڑکی کی آبرو یزی کے بعد اُسے قتل کرنے کا الزام اُس پر تھوپ دیا۔ اور اُسے انتہائی بے رحمانہ انداز سے تفتیش میں مار پیٹ اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ وہ اُس کے اِردگرد ایک دائرے کی شکل میں اکٹھے ہو گئے۔ اُسے ادھر اُدھر بڑی بُری طرح دھکے دینے کے علاوہ اُنہوں نے اُس کے لمبے اور بُری طرح اُلجھے ہوئے گھنے بالوں کو کھینچنا شروع کیا۔ اُن میں سے ایک نے اس کی عبا کا زیریں حصہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھینچ کر اُتار ڈالا اور جب نیچے زیر جامہ دکھائی نہ دیا تو اس کی خستہ حالی پر مبنی غلیظ وضع وقطع کو دیکھ کر اُونچی آوازوں میں شوروغوغا کرتے ہوئے اُس کا مذاق اڑاتے اور پھبتیاں کستے رہے۔ اور اس وقت واقعی وہ ایک جنگلی دکھائی دیتا تھا۔ انہوں نے اسے دبوچتے ہوئے کپڑے اُتار کر اسے برہنہ کر دیا اور لاٹھیوں' ڈنڈوں اور رائفل کے کندھے مار مار کر اُس کا بُرا حال کر دیا۔ حتیٰ کہ اس کے جسم سے خون بہنے لگا۔ جب اُس نے اصرار کرتے ہوئے کہا کہ میں آبروریزی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور اعتراف جرم سے انکار کر دیا' تو انہوں نے اس کے زخموں اور چوٹوں والی جگہوں پر نمک ڈالا جس سے زخم پھر تازہ ہو گئے۔ وہ پانی کے لئے چلاتا رہا اور اُنہوں نے اس پر پیشاب کی بالٹی انڈیل دی اور اس کے چہرے کو پاخانے سے داغدار کر دیا۔ پھر سپاہیوں نے اُسے ٹھوکریں مارتے اور گالیاں دیتے ہوئے جیپ کے فرش پر بیٹھنے پر مجبور کیا۔ وہ جیپ کو بھگاتے ہوئے کیمپ کے مضافات تک لے گئے اور اُسے کیمپ کی سرحد پر ریت میں کوڑے کرکٹ کی طرح پھینک آئے۔ تاکہ دوسرے مہاجروں کو عبرت ہو کہ اگر کسی اور نے بھی لوٹ مار کرنے کی کوشش کی تو اس کا بھی یہی حشر کیا جائے گا۔

اُسے جسم پر لگے ہوئے زخموں سے تو درد کا اتنا احساس نہ تھا' صرف پیاس کی شدت اُس کے لئے سوہانِ رُوح بنی ہوئی تھی۔ کیونکہ جہاں ریت پر وہ اُسے پھینک گئے تھے وہاں شعلے برساتے ہوئے جلتے سُورج سے بچاؤ کے لئے کوئی پناہ نہ تھی۔ اُسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے اُسے آگ کے اُوپر پھینک دیا گیا ہو۔ اُس کا گلا سوجا ہوا اور منہ سوکھ کر ایسے خشک ہو گیا تھا کہ پیاس کے مارے زبان پر کانٹے چبھتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ دُور بہت بہت فاصلے پر ایک سایہ دار نقش کا مدھم سا خاکہ اُسے دکھائی پڑتا لیکن وہ

Marfat.com

اتنا کمزور تھا کہ نہ اُسے آواز دے سکتا نہ اُٹھ سکتا تھا۔ اُسے عین اپنے اُوپر بغیر بادلوں کے بے رحم آسمان پر آگ برسانے والی گرمی میں ایک کرگس بار بار اپنے شکار کی تلاش میں چکر پر چکر لگاتا پرواز کرتا ہوا دکھائی دیا......

رشید نے اُسے وہاں بے ہوش پڑے ہوئے دیکھا' پہلے تو وہ ڈر گیا کہ شاید وہ کہیں مر نہ چکا ہو۔ لیکن پھر اُس نے دل کی دھڑکن محسوس کی اور دیکھا کہ وہ ابھی تک سانس لے رہا ہے۔ اُس نے اپنی جیب سے کپڑے کا ایک چیتھڑا نکالا۔ اسے اپنے پاس موجود پانی کی بوتل میں بھگویا اور بہت پیار سے اس کے چہرے پر لگی ہُوئی غلاظت کو پونچھنا شروع کیا حتیٰ کہ چہرہ بالکل صاف ہو گیا۔ پھر اُس نے ایک اور چیتھڑا نکالا اسے مزید پانی میں ڈبو کر اس کے دانتوں میں دیتے ہوئے یک دوسرے سے جدا کیا تا کہ یہ قیمتی سیال آہستہ آہستہ اُس کے گلے میں اُتر جائے۔ احمد خلیل ہوش میں آ گیا۔ اُس نے اپنی جلتی ہوئی پیشانی پر کوئی ٹھنڈی شے محسوس کی کہ جیسے آگ اور برف اس کے گلے میں ٹپک رہے ہوں۔ اُس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور اپنے اُوپر ایک بارُعب سیاہ چہرے کو جھکے ہوئے پایا' جس کا ایک ہاتھ گیلے چیتھڑے کو اُس کے منہ کے ساتھ لگا کر نچوڑ رہا تھا اور اب اس کا ذائقہ اُسے اچھا لگنا شروع ہو گیا تھا۔ سب سے آخر میں رشید نے بکری کی کھال کا بنا ہوا اپنا مشکیزہ کھولا اور اسے اس کے لبوں کے ساتھ لگایا' دُوسرے بازو سے اس کے سر کو سہارا دیا تا کہ وہ جی بھر کر پانی پی سکے۔ پھر ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا اور وہ اپنے آپ سے بے خبر ہو کر بے ہوش ہو گیا......

اگلے دن جب وہ دوبارہ ہوش میں آیا تو اس نے اپنے آپ کو ہسپتال کے وارڈ میں مریضوں کے ایک بستر پر پڑے ہوئے پایا۔ اُس کے بستر کے عین پہلو میں رشید' سٹیل کی ایک اُونچی میز پر لیٹا ہوا تھا۔ یہ میز اُس کے قد و قامت کے لحاظ سے بہت چھوٹا تھا' رشید کے ننگے پاؤں کا رخ بالکل احمد خلیل کے سامنے تھا۔ ایک لمبی سوراخ دار سوئی اور ربڑ کی نالی اُس کے بازو میں پیوست ہو کر ایک جراثیم کش بوتل سے مربوط تھی۔ یہ بوتل عین اُس کے اُوپر لٹک رہی تھی۔ اُس کی شریانوں سے خون آہستہ آہستہ اس بوتل میں ٹپک رہا تھا...... جب ڈاکٹروں نے اس سے کہا کہ وہ اپنے چچازاد بھائی کی جان بچانے کے لئے خون کا عطیہ دے' چونکہ دونوں کے خون کا گروپ ایک ہی تھا اور اس وقت تک ہسپتال میں بھی خون کی فراہمی کا اپنا کوئی انتظام نہیں تھا اس لئے رشید فوری طور پر خون دینے کے لئے

Marfat.com

رضامند ہو گیا۔ احمد خلیل اپنے گردوپیش کسی چیز سے آگاہ نہیں تھا۔ اُس نے صرف رشید کو پرشوق اور غیر متزلزل نگاہوں سے اپنی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہوئے پایا۔

جب اُس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں تو اُس نے خلیفہ کو اپنے بستر پر اپنے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا جو کہ پٹیوں سے ڈھکے ہوئے اس کے جسم اور سر کو بڑی پریشانی سے دیکھ رہا تھا۔ اپنے بھائی کو دوبارہ دیکھ کر اُسے اتنی اور بے حد خوشی ہوئی کہ اس کا سارا درد اور خوف و دہشت جاتے رہے۔ ہسپتال میں پورے قیام کے دوران خلیفہ اس سے چمٹا رہا۔ سکول جانے کے چند گھنٹوں کے علاوہ خلیفہ اُس سے جدا ہونے سے انکار کر دیتا۔ وہ احمد خلیل کو کھانا اور پانی لا کر دیتا اور رات کو بستر پر اس کے پہلو میں یا فرش پر اس کا آدھا کمبل اوڑھ کر سو جاتا۔

ہسپتال میں ہی صحت یابی کے دوران احمد خلیل کو شدید خواہش پیدا ہوئی کہ وہ خود جا کر اپنا گھر' اپنا گاؤں اور اپنے خاندان کی املاک اور جائیداد کو دیکھے کہ اب یہ چیزیں کس حال میں ہیں؟ کیونکہ اپنی جلاوطنی کے دوران ان اثاثوں کو وہ اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے۔ اس کے وارڈ کے دوسرے ساتھی مریضوں نے اسے بار بار خبردار کیا کہ اس وقت وہاں جا کر گاؤں کی تلاش فضول ہے۔ کیونکہ جنگ کے دوران تباہ و برباد ہو کر یہ بالکل ملیامیٹ ہو چکا ہو گا۔ لیکن احمد خلیل کو اُمید تھی کہ کچھ نہ کچھ مکانات اور مسجد ابھی تک موجود و محفوظ ہو گی اور خواہ خالی ہی سہی لیکن یہ عمارت اپنے مالکوں کی واپسی کا انتظار کر رہی ہوں گی! اگر وہ اپنے گھر کو ہی تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ اپنے خاندان کے بچے کھچے افراد کے ساتھ واپس اپنے کھیتوں میں جا کر نئے سرے سے اپنی پرانی زندگی کا آغاز کر دے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُسے یہودیوں کے زیرِ تسلط زندگی گزارنا پسند نہیں تھا۔ لیکن شاید وہ اُسے اُس کے حال پر چھوڑتے ہوئے اگر اُس سے کوئی تعرض نہ کریں' اُس کے خیال میں وہ برطانوی انگریزوں سے تو زیادہ برے نہ ہوں گے۔ اُس کی آرزو تھی کہ وہ رشید کے ساتھ جا کر گاؤں کی مسجد میں نماز ادا کرے اور ایک بار پھر اُس قبرستان کو دیکھے جہاں اُس کے آباؤ اجداد کی کئی نسلیں آسودۂ خاک تھیں۔ وہ اپنے نانا' والدہ' ماموں یوسف ملک اور اپنے ماموں زاد بھائی عبدالعزیز کی قبروں پر جا کر فاتحہ خوانی کرے۔

ہسپتال سے فارغ ہونے کے فوراً بعد وہ اور رشید دونوں سفر کی خفیہ تیاریوں میں

Marfat.com

لگ گئے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اُن اسرائیلی فوجیوں کی وردیاں اور اسلحہ پہن کر جائیں گے' جس پر اُنہوں نے ناہل مدبار میں اُن یہودی فوجیوں کو قتل کرنے کے بعد اُن کی لاشوں سے اُتار کر قبضہ کیا تھا۔ کیونکہ دُشمن کے علاقے کے اندر اتنی دور دراز تک عربوں کا لباس پہن کر جانا بہت خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

احمد خلیل اور رشید مشرقی یہودیوں کا بھیس بدل کر شمال کی جانب پیدل چل پڑے۔ تین دن تک وہ مسلسل چلتے گئے۔ رات کو جس یہودی نوآبادی سے گزرتے وہاں سے خوراک چرا کر کھا لیتے اور دن کے وقت عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کھلے آسمان کے نیچے جہاں کہیں کوئی سایہ دار جگہ ملتی وہیں بے قاعدگی سے آرام کر لیتے۔ روزانہ پانچوں وقت وہ چھپ کر نماز ادا کرتے۔

آخرکار وہ نجبا پہنچ گئے۔ انہوں نے ایک خستہ حال یمنی مزدور کو دیکھا' جو کہ ایک پرانے جھاڑو کے ساتھ گلی میں صفائی کر رہا تھا۔ رشید نے اُس سے عراق المنشیا جانے کا راستہ پوچھا۔

''لیکن اب تو وہاں کسی عراق المنشیا کا نام ونشان تک نہیں'' اُس نے عام عربی لہجے میں جواب دیا ''جنگ کے فوراً بعد اس سارے گاؤں کو ڈائنامیٹ لگا کر اُڑا دیا گیا تھا''۔ اُس نے کچھ فاصلے پر کھڑی عمارتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اب تو وہاں یادمیر لیشیا نامی قصبہ تعمیر ہو چکا ہے۔ جاؤ اور جا کر خود ہی دیکھ لو......''

دونوں چچازاد بھائی اس علاقے سے گزرتے ہوئے کسی چیز کو بھی نہ پہچان سکے۔ اپنے آبائی گاؤں کی بربادی اور نئی کایا کلپ پر انہیں بہت دھچکا لگا۔ اسی صدمے سے حیران وسراسیمہ اور مایوسی سے شکستہ دل اور درماندہ ہوکر وہ دونوں چلے جا رہے تھے۔ بجلی اور ٹیلی فون کے کھمبوں کی تاروں سے اُن کے سروں کے اُوپر آڑی ترچھی لکیروں کا ایک جال سا بن گیا تھا۔ کنویں کو جانے والا وہ راستہ جہاں سے اُن کی مائیں پانی بھر بھر کر لایا کرتی تھیں' اب پکی شاہراہ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اور اس وقت یہ راستہ تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی کاروں' بسوں' جیپوں اور ٹرکوں سے اٹا پڑا تھا۔ وہاں یہودی انبوہ در انبوہ پھر رہے تھے۔ اکثر فوجی بالکل انہی کی طرح خاکی وردیاں' بھاری بوٹ' ٹوپیاں اور جھولے پہنے ہوئے تھے۔ فربہ عورتیں رنگین نقش و نگار والے سوتی کپڑوں کے بنے ہوئے گھٹنوں تک لمبے سکرٹ پہنے ہوئے تھیں۔ اُن کے بازو اور ٹانگیں نظر آرہی تھیں۔ روشن آنکھوں'

Marfat.com

صحتمندانہ توانا بازوؤں اور ٹانگوں والے توانا بچے اِدھر اُدھر پھر رہے تھے' سورج کی کرنوں سے سرخ و سفید بچوں کا رنگ کھِتئی ہو رہا تھا...... وہاں مراکش' عراق' اور یمن جیسے مشرقی علاقوں سے تعلق رکھنے والے یہودی بھی دکھائی دیے جو بالکل انہی کی طرح سیاہ رنگت کے مالک تھے۔ لیکن وہاں عرب باشندہ تو ایک بھی نہیں تھا۔

مسجد کیا ہوئی؟ ان کا گھر کدھر گیا؟ اگر یہ عمارتیں اس وقت موجود بھی ہوئیں تو یہودیوں سے بھری ہوئی ہوں گی۔ اب وہ انہیں کیسے سمجھا سکتا تھا کہ تم یہودی لوگ لوٹی ہوئی جائیدادوں میں قیام پذیر ہو؟ وہ انہیں کیسے یقین دلاتا' انہیں کیسے قائل کرتا؟ اگر وہ عبرانی زبان بول سکتا اور اس زبان کا فصیح و بلیغ مقرر بھی ہوتا تو انہیں کیسے بتاتا کہ چونکہ اس گھر میں شروع سے میں ہی قیام پذیر رہا ہوں اور یہ گھر میرا ہے؟ اور انہیں اس گھر میں رہنے کا کوئی حق نہیں! لیکن وہ انہیں کیسے قائل کرتا!!!

وہ مزید آگے چلتے گئے۔ اس جابرانہ مداخلت بے جا اور زبردستی مسلّط ہو جانے کے سبب یہودیوں کے خلاف نفرت' غصے اور آزردگی کی ملی جلی کیفیات کے سبب ان کے جسموں سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ اور اس کا سدباب کرنے کے سلسلے اپنی مکمل بے بسی اور خوف کے مارے انہوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ حتیٰ کہ وہ کافی کھلی جگہ پر آگئے۔ ایک دیوہیکل بل ڈوزر کھنڈرات کو ہموار کر رہا تھا۔ ساتھ ہی نئے آبادکار مزدور جن کی پتلونیں مٹی سے بھری ہوئی اور جسم پسینے سے شرابور تھے اسی جگہ انتہائی جدید فیشن کی پانچ منزلہ عمارت (کمپلیکس) تعمیر کرنے میں مصروف تھے۔ کچھ مکانات جن میں پہلے سے ہی لوگ رہائش پذیر تھے' ان میں موٹی تازی صحت مند گھریلو عورتیں دُھلے ہوئے کپڑے تیز دھوپ میں سکھانے کے لئے رسیوں پر ڈالتے ہوئے عبرانی زبان میں باہم گپ شپ لگا رہی تھیں۔ یہ بل ڈوزر عربوں کی زندگی کے آخری نقوش تک ختم کرنے میں اپنا کام دکھا چکے تھے......! اب اس امر کے یہاں کوئی آثار نہیں تھے کہ کبھی ان کا جینا مرنا اسی سرزمین پر تھا۔

اب کیا کروں؟ وہ خود کو بالکل تھکا ہوا محسوس کرتا تھا۔ جیسے اُس کے جذبات و احساسات بالکل ختم ہو گئے ہوں۔ اُس کا تمام اثاثہ اس سے چھن چکا تھا۔ اور اب اسے واپس حاصل کرنے کے لئے دعویٰ کرنے کی اُمید ہمیشہ کے لئے ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ جب تک یہ غاصب یہاں موجود ہیں یہ میری قوم کو کسی قیمت پر بھی یہاں واپس نہیں آنے دیں گے۔

Marfat.com

اور حقیقتاً اُنہوں نے عربوں کی واپسی کو دائمی طور پر ناممکن بنانے کے لئے ہر اقدام کر ڈالا تھا۔ کیا اُس کا مستقبل صرف یہی تھا کہ وہ کیمپ میں موت سے بدتر زندگی گزارنے کے لئے زندہ رہے۔ یہ کیمپ کی زندگی جیل خانے سے کچھ ہی بہتر تھی۔ جہاں رہنے والوں سے بڑی حد تک جیل کے قیدیوں جیسا سلوک کیا جاتا۔ یہاں کیمپ کی حدود میں دن اور رات کو محدود اوقات کے سوا انہیں بند رکھا جاتا۔ اور شاذو نادر ہی مستثنیٰ صورت حال کے علاوہ انہیں کیمپ سے باہر کہیں جانے کی اجازت ملتی۔ اور یہ سب کچھ نہ صرف روا رکھا جا رہا تھا بلکہ غیر ملکی لوگوں کی ملی بھگت اور سازش کے تحت اس ظلم کی ایسی حوصلہ افزائی کی جا رہی تھی۔ اس لئے اس ظلم کی کسی تلافی' کسی ازالے اور اس کے خلاف کسی انصاف کی اُمید نہیں تھی۔ حتیٰ کہ ان نام نہاد 'مہذب' ظالموں کے ضمیر میں معمولی سا احساسِ جرم اور اس ستم ناروا کے نتیجے میں کوئی ندامت یا شرم تک محسوس نہ ہوتی تھی۔ اس لئے عدل و انصاف کی معروضات کے لئے سارے کان بہرے ہو چکے تھے۔

ادھر صورتِ حال یہ تھی کہ راشن کے نام سے اُسے جو حصہ ملتا وہ اس کی خوراک کے لئے بالکل ناکافی تھا۔ اس کے بعد احمد خلیل نے بوریت' احساس محرومی اور موت سے بدتر زندگی کے ناقابلِ برداشت بوجھ سے نجات حاصل کرنے کے لئے غزہ میں کام کی تلاش میں بہت سا وقت صرف کیا۔ وہ اسماء سے شادی کرنے کا آرزومند تھا اور اُس نے وعدہ کیا تھا کہ جونہی وہ خود کفیل ہو گیا وہ اسے کیمپ سے لے جائے گا...... کیمپ میں اکثر و بیشتر مہاجرین بھی اس سے ملتے جلتے تصورات کے ساتھ آرزوؤں کے سہارے جی رہے تھے۔ غزہ کی آبادی اب بے تحاشا بڑھ چکی تھی اور بے روزگاری عام تھی۔ لہٰذا جب کبھی وہ کسی زیرِ تعمیر عمارت کے سامنے کھڑا ہو کر یہ پوچھتا کہ مجھے یہاں کوئی کام مل سکتا ہے تو وہاں کام کرنیوالے مزدور اُسے وہاں سے بھگا دیتے۔ وہ جانتا تھا کہ اُس کا چچا زاد بھائی بھی سڑکوں پر کام کی تلاش میں بہت بھاگ دوڑ کر چکا تھا تاکہ وہ اپنے گھر کو فاقہ زدگی سے بچا سکے۔ اور اس کا حاصل کچھ بھی نہ نکلا کیونکہ ابھی تک اپنے ٹھیک نہ ہونے والے زخموں کے سبب رشید لنگڑا کر چلتا تھا' لہٰذا اُسے کوئی بھی کام پر نہ لگاتا۔ اس لئے رشید سڑی بُسی چیزوں کے ڈبے کوڑے کرکٹ میں سے تلاش کرتا یا راہگیروں سے بھیک مانگتا۔

ایک دن تو ملک وہاب پھٹ ہی پڑا' اُس نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا'

Marfat.com

''او میرے بیٹے! تمہیں اس افلاس' مایوسی اور نکبت کی قید نما زندگی سے بچنے کے لئے یہاں بھاگ نکلنا چاہیے۔تم یہاں اقوامِ متحدہ کے امدادی کاموں اور پیشہ وارانہ تربیت کے سکول میں داخلہ کیوں نہیں لے لیتے؟ یا پھر تم یہاں کے حکام اور اربابِ اختیار سے کویت جانے کی اجازت کیوں نہیں مانگتے' جہاں تمہاری قسمت کھلنے کے سنہری مواقع تمہارے انتظار میں ہیں؟ تیل کی دریافت نے وہاں کے باشندوں کی کایا پلٹ دی ہے......''

''مگر ابا جان! میں تو اس قسم کے کاموں کے بارے میں کچھ بھی تو نہیں جانتا''!

''تم کافی ذہین ہو اور بہت جلد سیکھ جاؤ گے۔کویت میں ہر کوشش کرنے والے کے لئے امیرانہ زندگی ہے۔ اس لئے فلسطین سے ہمارے بہت سے بہترین نوجوان پہلے ہی وہاں جا چکے ہیں۔''

''ہاں ابا جان' میں جانتا ہوں۔ لیکن میں اُن لوگوں کو پسند نہیں کرتا اور نہ ہی ایسے لوگوں کی دوستی چاہتا ہوں''

''وہ کیوں؟''

اگر میں اُن لوگوں کے لئے کام کروں گا تو میں بھی اُن جیسا ہی ہو جاؤں گا۔ اور وہ مجھے ہر وہ کام کرنے پر مجبور کریں گے جو میرے نزدیک قابلِ نفرت ہے۔ وہ مجھے میری موجودہ شخصیت کے ساتھ کبھی بھی قبول نہیں کریں گے۔''

ملک وہاب نے کہا ''اسلام ایک ترقی پسندانہ مذہب ہے۔تمہیں علم ہونا چاہیے کہ جس طرح میں نے صحیح طور سے اسلام کو سمجھا ہے اور جیسی پسماندہ زندگی تم بسر کر رہے ہو' یہ اسلام کے بالکل برعکس ہے...... جب ہمارے مذہب کی تعلیمات ہمیں جائز خوشیوں سے لطف اندوز ہونے سے نہیں روکتیں تو تم ایک روشن مستقبل کو کیوں ٹھکرا رہے ہو؟''

احمد خلیل نے اپنی آنکھیں جھکا لیں...... ''میں کویت صرف آپ کو پدرانہ حیثیت سے خوش کرنے کے لئے جاؤں گا'' اُس نے دھیمی آواز میں جواب دیا اور باہر نکل گیا۔

غزہ میں یورپی فیشن اور بے پردگی کو دیکھ کر وہ بہت بدمزہ ہوا تھا' اور بے پردگی کے ان مناظر کی اتنی بھرمار تھی کہ اب اُسے اپنی غیرت اور شرم و حیا کی وجہ سے مزید کچھ دیکھنے کی تاب نہ تھی۔ اپنی شیرخوارگی کے زمانے سے ہی اُس نے اپنے والد کو ''جدید طرزِ زندگی کی خوبیوں'' ''ترقی'' کے فوائد کی تعریف میں رطب اللسان دیکھا.... اور ''تغیر و تبدل'' کی مسلسل تکرار اُس کے والد صاحب اس طرح کرتے رہتے کہ اُن کے

Marfat.com

خیال میں اسی پر روشن مستقبل کا انحصار تھا۔ اُن کے خیال میں زندگی کو بدلنے کے لئے یہ ''ترقی'' ''تغیر'' اور جدید طرزِ زندگی کو اپنانا ہی ناگزیر اور اٹل تھا......! لیکن جب اُسے ان الفاظ کی بھیانک عملی تصویر غزہ میں بے پردگی اور مادر پدر آزادی اور بے راہ روی کی صورت میں دکھائی دی۔ تو یہ ''ترقی'' ''تغیر'' وغیرہ کے الفاظ کے اُس کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ نفرت بن گئے۔

لیکن اب تو اس نام نہاد تہذیب کے اثرات ہر جگہ پھیل چکے تھے۔ اسی اخلاقی تعفن سے بھرپور فضا اُسے دکھائی دیتی احمد خلیل کو ان سے کہیں مفر نظر نہیں آتا تھا۔ برطانوی اور نوآبادکار یہودیوں کے علاوہ عرب بھی اسی فیشن اور بے پردگی کو تیزی سے اپنا رہے تھے اور اس تہذیب کی نقالی کرتے ہوئے اسی رنگ میں رنگے جا رہے تھے۔ اور یوں لگتا تھا کہ یہ نام نہاد مغربی تمدن نئی نسل کا عالمگیر مذہب بنتا جا رہا ہے اور یہ اُن کا نیا دیوتا تھا جس کی پوجا میں وہ شرم و حیا اور غیرت کی تمام قدروں کو بھینٹ چڑھا رہے تھے۔ حتیٰ کہ مہاجر کیمپ میں سکول جانے والے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں میں بھی نام نہاد فیشن تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا اور کیمپ کے ارباب حل و عقد بھی اسی بے پردگی کی وبا میں مبتلا ہونے والوں کی پیٹھ ٹھونکتے۔

جب کیمپ میں لڑکیوں کے سکول کا اجراء ہوا تو اسماء نے بھی کچھ مدت کے لئے وہاں پڑھائی کے لئے جانا شروع کیا۔ لیکن اُس کے سکول کی دُوسری لڑکیوں نے اُس کے لمبے لباس اور برقعے کا تمسخر اُڑانا شروع کر دیا۔ یہ لڑکیاں اُسے اس بناء پر تنگ کرتیں کہ اسماء نے اُن کی طرح چھوٹا لہنگا پہننے سے انکار کرتے ہوئے ننگی ٹانگوں اور برہنہ سر کے ساتھ سکول جانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اُسے ''دقیانوسی'' اور ''تنگ نظر'' ہونے کے طعنے اتنی بے دردی سے دیتیں کہ وہ پڑھائی پر پوری توجہ نہ دے سکی اور امتحان میں فیل ہوگئی۔ اور پھر اُس کی اُستانیوں اور ہم جماعت لڑکیوں نے اُس کے خلاف ساز باز کرتے ہوئے اُسے دانستہ طور پر اتنا غمزدہ کر دیا کہ وہ خود کو انتہائی بے بس اور تنہا سمجھنے لگی اور اس طرح پڑھنا یا لکھنا سیکھنے سے پہلے ہی اسماء سکول چھوڑ گئی۔

یہ انتہائی ظالمانہ خطرناک اور ننگ انسانیت تہذیب تھی۔ جب اسماء نے احمد خلیل کو اپنے اُوپر بیتی ہوئی رُوداد سنائی تو احمد خلیل نے قسم اُٹھا کر عہد کیا کہ وہ اپنی پوری زندگی اس برائی کے خلاف مدافعت کے لئے وقف کر دے گا۔ قرآن کے قانون کو کیسے

Marfat.com

غالب حیثیت سے نافذ کیا جائے؟ اور یہی اخوان المسلمون کا نصب العین تھا جس کی طرف وہ لوگوں کو بلاتے تھے۔ اگرچہ احمد خلیل بڑی رغبت سے اُن کے اجتماعات میں شامل ہوتا۔ اُن کی کتابیں اور لٹریچر پڑھتا تھا۔ اور اپنے دل میں اُن کے لئے پسندیدگی کے جذبات رکھتا تھا۔ اخوان کے ذمہ داران اُسے کئی بار اپنی جماعت کا رکن بننے کی دعوت دے چکے تھے۔ لیکن وہ ابھی تک گومگو کے عالم میں تھا۔ جب وہ اُن کے شہری زندگی کے پس منظر' اُن کی اعلیٰ ذہانت اور اعلیٰ تعلیم سے اپنی بے علمی کا موازنہ کرتا تو اُس کی سادہ لوحی اُسے باور کرا دیتی کہ میں اُن کے کسی کام کا نہیں ہوں۔

ایک دفعہ جب احمد خلیل اور رشید غزہ کی پرہجوم اور شور وغوغا سے بھرپور گلیوں میں کام کی تلاش میں بے مقصد گھوم رہے تھے۔ کام! کی جس تلاش میں اتنا عرصہ گزر گیا تھا کہ اب یہ وقت کا ضیاع اور فضول معلوم ہوتا تھا کہ اس کی اُمید رکھی جائے۔ اچانک اُنہیں سینما کے باہر لگے ہوئے فلمی اشتہاروں سے چونکا دیا۔ اور اس خیال سے ایک یورپی فلم کیا ہوتی ہے؟ وہ دونوں سینما کے ٹکٹوں کی خریداروں کی لگی ہوئی لمبی قطاروں میں گھستے' چھپتے اور ان کی ٹانگوں میں سے ہوتے ہوئے بغیر ٹکٹ خریدے سینما ہال میں گھس گئے۔ پردہ سکرین کے مناظر نے رشید کے اندر کراہت پیدا کر دی۔ خصوصاً بنی سنوری' نیم عریاں لباس والی عورتوں کو آزادانہ محبت اور عشق بازی کرتے ہوئے دیکھ کر اُسے اتنا طیش آیا کہ وہ غصے اور شرم کے مارے فلم کو ادھوری چھوڑ کر ہی ہال سے باہر نکل گیا۔ احمد خلیل کو پہلی بار اس فلم کے ذریعے جدید امریکی شہروں کے بارے میں جاننے کا موقع ملا تھا اور وہ اس فلم کے مناظر سے اتنا مبہوت اور متحیر ہوا کہ ہال سے جلدی باہر نہ آسکا اور فلم کے اختتام تک اکیلا ہی اندر بیٹھا رہا۔ امریکی فلموں کی نقل میں بنی ہوئی مصر کی یہ فلم دوہری خصوصیات کی حامل' بیلی ڈانسروں اور رقص و مسرود سے بھرپور اور کوئی اچھا تاثر چھوڑنے والی نہ تھی۔ وہ رشید سے بہت دیر بعد ہال سے باہر نکلا تو اتنا بددل ہو چکا تھا کہ اُس نے تہیہ کر لیا کہ آئندہ وہ ایسی جگہوں پر کبھی نہیں جائے گا۔ اور جب اُس نے مغرب کی اذان سنی تو اس کی افسردگی اور بھی بڑھ گئی اور اچانک اُسے یاد آیا کہ آج اس کی ظہر اور عصر کی نمازیں قضا ہو گئی ہیں اور اس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ آج اُس کی نمازیں چھوٹ گئی تھیں۔

ایک جمعہ کی دوپہر کو وہ شہر کی نئی پرانی گلیوں میں گھوم رہا تھا کہ اُس نے خود کو ایک سفیدی کی ہوئی مسجد کے سامنے پایا۔ ایک نیچی سی پتھر کی دیوار اس مسجد کا احاطہ کیے

Marfat.com

ہوئی تھی۔ جونہی وہ خاموشی سے دروازے کے اندر داخل ہوا' وہ دروازہ جو کسی کے لئے بھی کبھی بند نہیں ہوا۔ اب اُس پر ایک گہری تسکین چھا گئی۔ وہ خاموشی سے قدم اُٹھاتا ہوا صحن میں پہنچا' جہاں اُس نے خود کو کھجوروں کے گھنے باغ اور پھولوں کے درمیان پایا۔ وہ وضو کے لئے دیوار کے زیریں حصے میں نصب شدہ ٹونٹیوں کی قطار تک گیا اور بڑی احتیاط سے اُس نے اپنا چہرہ' ہاتھ' بازو اور پاؤں دھوئے وہ ایک لمحہ تک انتہائی عقیدت اور دلی احترام کے ساتھ سادہ اور سفید قلعی شدہ دیواروں کو بڑے غور سے دیکھتا رہا۔ پھر وہ انتہائی دھیمے اور متین انداز میں قدم اُٹھاتا' خاموشی اور ادب سے چلتے ہوئے اندر پہنچا۔ آدمیوں کی صفوں کے درمیان ملنے والی جگہ پر اُس نے نرم مُصلّے پر رکوع کیا اور دُوسرے نمازیوں کے ساتھ وہ بھی سجدہ میں چلا گیا۔

(''لوگو' ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے.........'') (سورہ الحجرات۔۱۳)

جب وہ جمعہ کی نماز کے بعد اُٹھا تو اب وہ آپ کو کھویا ہوا اور اکیلا نہیں سمجھتا تھا۔ یہاں تو وہ دوستوں کے درمیان تھا۔ اُس نے امام صاحب سے گفتگو کی اور جلد ہی اس پیر مرد کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جس نے مردانہ کام اُس کے سپرد کرتے ہوئے اُسے مصروف کر دیا۔ گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل جھکے ہوئے وہ فرش کو رگڑ رگڑ کر صاف کرنے میں مدد کرتا۔ دیگر اوقات میں وہ دوسرے مزدوروں کے ہمراہ دیواروں پر نیا پلستر کرنے کی مزدوری کرتا۔ جو کام سب سے زیادہ اُسے پسند تھا وہ یہ تھا کہ اُسے باہر پھولوں اور کھجوروں کے باغ کی دیکھ بھال کی اجازت دی جائے۔ جب کبھی اُسے بھوک لگتی تو امام مسجد اُسے کھجور کے درختوں پر چڑھنے کی اجازت دے دیتے تا کہ وہ جتنی کھجوریں بھی چاہے جی بھر کر کھائے۔ امام صاحب کی اس شفقت سے اُس پر فخر و انبساط کا ایسا سرور طاری ہوا کہ اُس نے کیمپ سے ملنے والے راشن کارڈ کو پھاڑ کر اس کے پرزے پرزے کر دیئے۔ اب اُس نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر قسم اُٹھائی کہ آئندہ غیر مسلموں سے ملنے والی کیمپ میں راشن کی خیرات کو ہرگز قبول نہیں کرے گا خواہ اُسے فاقے ہی کیوں نہ

Marfat.com

کرنے پڑیں۔ اور اپنی روزی خود کمانے کے اعتماد نے اُسے ماضی کی ذلت وخواری سے پاک کر دیا اور اُس نے غیرت وخودداری کی ایک نئی قوت سے خود کو سرشار پایا۔

جب اُس نے امام صاحب کو بتایا کہ وہ اسماء کو کیمپ کی زندگی سے نجات دلا کر' اُس سے شادی کرنے کا خواہشمند ہے تو امام صاحب نے اُنہیں مسجد کے تہہ خانے کے ایک خالی کمرے میں اُس وقت تک رہنے کی اجازت دے دی جب تک وہ رہائش کے لئے ایک بہتر کمرہ تلاش نہ کر لیں۔ اب احمد خلیل ہر وقت اس کمرے کی صفائی میں لگا رہتا۔ اور جب امام صاحب نے اُسے کچھ پرانی چٹائیاں اور ایک پرانا نمدہ دیا۔ انہیں بچھانے کے بعد تو یہ کمرہ اُسے بالکل ایک گھر کی طرح معلوم ہونے لگا۔ اس کے بعد وہ اسماء کو امام صاحب کے گھر لایا' جہاں اُن دونوں کی شادی ہو گئی' اُس کا والد اور رشید دونوں شادی کے گواہوں کی حیثیت سے موجود تھے۔

اُس کی شادی بالکل اسی طرح انتہائی سادگی سے انجام پائی جیسے بہت عرصہ قبل اُس کے والدین کی شادی ہوئی تھی۔ چونکہ اسماء ایک یتیم لڑکی تھی جس کا کوئی اثاثہ اور دولت نہ تھی اس لئے شادی کی تقریب میں کوئی جشن نہ ہوا......! اور سب سے بڑھ کر اس شادی میں کوئی جشن وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ بھی تھی کہ احمد خلیل اور نہ ہی اسماء شادی کے موقع پر کسی قسم کے ہلا گلا کو پسند کرتے تھے۔

اب اسماء تمام وقت اس مدھم روشنی والے کمرے میں گزارتی۔ وہ احمد خلیل کا انتظار کرتی اور وہ اُسے خوراک سبزیاں وغیرہ اور پانی لا کر دیتا۔ اُن کی شادی کے فوراً بعد احمد خلیل نے اسماء کو وہ خنجر لوٹا دیا جو اسماء کے مرحوم بھائی عبدالعزیز کی یادگار کے طور پر اس کے پاس تھا......کوئی لفظ کہے بغیر یا کسی جذباتیت کا مظاہرہ کیے بغیر اسماء نے خنجر کے پھل پر اُن پانچ اسرائیلی سپاہیوں کے خون کے دھبے دیکھے جنہیں احمد خلیل نے نااہل مدبار پر فدائین کے حملے کے وقت قتل کیا تھا۔ وہ اس خنجر کو صابن کے ساتھ دھونے میں مصروف ہو گئی اور سبزیار، وغیرہ کاٹنے کے استعمال میں لانے سے پہلے اُس نے خنجر کو اُبلتے ہوئے گرم پانی کے بڑے برتن میں ڈال دیا۔

وہ بڑی بے چینی اور اشتیاق سے اندھیرا چھا جانے کا انتظار کرتی' کہ کب احمد خلیل آئے اور وہ دونوں میاں بیوی تمام رات اکیلے میں اکٹھے گزار سکیں اور اُس مکمل خلوت سے لطف اندوز ہوں جو انہیں زندگی میں پہلی بار میسر آئی تھی......! وہ دونوں ایک

Marfat.com

دوسرے سے کھیلتے اور ایسے بے فکرے بچوں کی طرح اُچھلتے کودتے جنہیں تفکرات سے کبھی پالا نہ پڑا ہو۔ اور ایسی بے مثال مسرتوں سے بہرہ یاب ہوتے جو صرف انہی کے لئے خاص تھیں......! اسماء کو تو اس خوشگوار ماحول میں وہ ہولناک جنگ بھی بھول گئی جس نے اسے یتیم اور بے گھر بنا دیا تھا اور اب وہ شادمانی اور محبت آمیز جذبات سے ہر وقت سرشار رہتی کیونکہ احمد خلیل ہمیشہ اس کے لئے بہت مہربان اور محبت کرنے والا شوہر ثابت ہوا تھا۔ وہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے وہی عمل کرتے جیسا کہ انہیں معلوم تھا کہ ان سے پہلے ان کے والدین بھی اسی مرحلے سے گزر چکے ہیں۔ لیکن یہ مقدس عمل مکمل اندھیرے میں لمبی چادریں اوڑھ کر اس طرح انجام دیتے کہ اُنہوں نے کبھی ایک دوسرے کو بے لباس نہ دیکھا۔ چٹائی پر پہلو بہ پہلو لیٹ کر آدھی رات گئے تک سرگوشیوں کے انداز میں باتیں کرنا ہی اُن کی سب سے بڑی خوشی تھی۔

جب احمد خلیل گھر سے باہر کام پر ہوتا' تو صرف امام صاحب کی ادھیڑ عمر بیگم' اور بیگم کی رشتہ دار خواتین کی آمد ہی اسماء کی تنہائی کا مداوا تھی۔ احمد خلیل اسماء کو سخت پردے میں رکھتا اور جب وہ خود ساتھ نہ ہو اسماء کو گھر سے باہر گلیوں میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ وہ آگے آگے چلتا اور اسماء سر سے پاؤں تک بھاری بھرکم برقعہ اوڑھے عین اُس کے پیچھے چلتی۔ وہ اپنے شوہر کی اطاعت اور خوشی پر یوں مطمئن تھی کہ اُس کے لبوں پر کبھی حرف شکایت نہ آیا......

جب اسماء کھانے پکانے' صفائی سلائی کے چھوٹے موٹے گھریلو کاموں میں مصروف نہ ہوتی تو وہ اپنے ابا' امی اور بھائی کے خیالوں میں کھو جاتی اور خنجر کے سیاہ دستے کو دیکھتی جو کہ ہاتھی کے دانت کا بنا ہوا تھا...... اُس پر کندہ کی ہوئی قرآنی آیات کو تعریفی نگاہوں سے دیر تک دیکھتی رہتی۔ یہ آیات بڑی مہارت سے نقش کی گئی تھیں اور ان کے الفاظ کا رسم الخط آپس میں مخلوط اور گتھا ہوا تھا۔ وہ فولاد کے بنے ہوئے اس خنجر کو دیکھنے میں محو رہتی اور اس خنجر کے پھل کے خوبصورت خم کی پشت پر بڑے پیار اور عقیدت سے اپنی انگلیاں پھیرتی اور اس بے نقص کاریگری پر حیران ہوتی اور حقیقت میں یہ خنجر تھا بھی نوادرات کا ایک خوبصورت نمونہ! وہ احمد خلیل سے کہتی کہ اس پر کندہ کی گئی متبرک آیات اس کے مالک کی حفاظت' قوت اور خوش قسمتی کی ضامن ہیں...... اور اس بات پر وہ کتنی خوش ہوئی تھی کہ احمد خلیل نے آخرکار اُس کے ابا کی آرزو کو پورا کرتے ہوئے نجبا اور نااہل

Marfat.com

مدبار میں یہودیوں کو قتل کرتے ہوئے اپنے چچوں اور ماموؤں کے قتل کا انتقام لے لیا تھا' جسے عبدالعزیز اپنی زندگی میں نہ لے سکا تھا۔

کچھ دنوں سے احمد خلیل یہ خدشہ محسوس کر رہا تھا کہ کام پر جاتے ہوئے اس کی مسلسل نگرانی اور تعاقب کیا جا رہا ہے۔ ایک دن وہ بازار سے گھر کے لئے دو روٹیاں خریدنے والا ہی تھا کہ اُس نے دو مسلح آدمیوں کو اپنے سامنے کھڑے پایا۔ ان کے چہروں سے مکاری عیاں تھی اور کالے رنگ کی وردیوں میں وہ اور بھی زیادہ خوفناک معلوم ہوتے تھے۔ اُنہوں نے اسے تھانے چلنے کا حکم دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ احتجاج کرے اس کے ہاتھوں کو ہتھکڑی لگ چکی تھی۔ وہ اُسے چند قدموں کے فاصلے پر واقع تھانہ کے اندر سپرنٹنڈنٹ کے سامنے لے گئے جو ایک لمبے میز کے سامنے کرسی پر براجمان تھا۔ وہ سر سے گنجا اور خاصا موٹا بھدا سا آدمی تھا جس کے چہرے سے دُرشتی ٹپکتی تھی۔ اس کے سینے پر آویزاں فیتوں اور تمغوں کی قطار کو احمد خلیل ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا کہ وہ متکبرانہ آواز میں گویا ہوا'

''ہمیں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ تم نے کیمپ چھوڑ دیا ہے اور یہاں مسجد میں بغیر کسی اجازت نامہ کے رہائش پذیر ہو...... تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میری تحریری اور خصوصی اجازت کے بغیر کیمپ کی حدود سے باہر مہاجرین کی رہائش کلی طور پر ممنوع ہے''!

احمد خلیل تن کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کھلے باغیانہ انداز میں اس کی طرف گھورتے ہوئے بولا ''تمہیں ہمارے ساتھ ایسا سلوک کرنے کا کوئی حق نہیں! ہم کوئی جیل خانے کے مجرم تو نہیں ہیں!!!!!''

سپرنٹنڈنٹ کا چہرہ طیش سے سرخ ہو گیا۔ ''میں صرف احکامات کی تعمیل کرانا جانتا ہوں! سنتے ہو! اور غزہ کے گورنر نے تمہارے بارے میں حکم دیا ہے کہ تمہیں گرفتار کر کے اس وقت تک جیل میں رکھا جائے جب تک تم مقررہ جرمانہ ادا نہ کر دو! اور جرمانے کی ادائیگی کے بعد تمہیں فوری طور پر واپس کیمپ میں پہنچا دیا جائے''!

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا اور ابھی اُس نے بات شروع ہی کی تھی کہ سپرنٹنڈنٹ نے اس کی باتوں کو سنے ان سنے کرتے ہوئے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اسے لے جا کر قید خانے کی کوٹھڑی میں بند کر دیں۔ اس کوٹھڑی میں انتہائی تیز اور طاقتور آنکھوں کو چندھیا دینے

Marfat.com

والی روشنیاں جل رہی تھیں...... انہوں نے جبراً اسے وہاں بٹھا دیا۔ اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان روشنیوں سے اس کی آنکھیں اندھی ہو جائیں گی......!

''اب میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم ہمیں کیمپ میں اخوان المسلمون کی کارروائیوں کے بارے میں بتاؤ! ہمیں اخوان المسلمون کے اُس سکول کے استادوں کے نام بتاؤ جہاں تمہارا باپ پڑھاتا ہے''!

''وہ میرے دوست ہیں! میں اُن سے غداری نہیں کروں گا''!

''اسے عقوبت خانے (ٹارچر سیل) میں لے جاؤ'' سپاہیوں میں سے ایک نے حکم دیا۔ ''جب یہ وہاں کے حالات دیکھے گا تو مجھے یقین ہے کہ اس کا ذہن تبدیل ہو جائے گا اور یہ ''راہِ راست'' پر آ جائے گا''۔

انہوں نے اسے کوٹھڑی سے دھکیلتے ہوئے باہر نکالا اور اسے ایک طویل اور تنگ و تاریک نشیبی غلام گردش کی طرف لے گئے''

''اب اندر جاؤ اور دیکھ لو!''

اُس نے دیکھا کہ کھڑکیوں کے بغیر ایک ویران کمرے کی چھت کے وسط میں ایک تیز روشنی والا بلب جھول رہا تھا۔ اور تشدد کرنے والے جلاد کمر تک ننگے اور اپنے نام نہاد پیشے کے ہتھیاروں کے درمیان کمر کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

''سب سے پہلے ہم آدمی کے کپڑے اُتار کر اُسے ننگا کرتے ہیں اور اس روشنی کے نیچے اُسے میز پر کس کر باندھتے ہیں۔ اس کے بعد یہ چھوٹی سی مشین جو تمہیں دکھائی دے رہی ہے اس سے اس کے خصیوں پر بجلی کے جھٹکے لگاتے ہیں۔ یہ ''چھوٹی سی مشین'' سب سے مؤثر ترین چیز ہے۔ یہ ہمیں مطلوبہ نتائج دینے میں کبھی ناکام نہیں ہوئی۔ مجھے قاہرہ میں قیدیوں کی تفتیش پر مبنی ایک کورس کے سلسلے میں بھیجا گیا تھا۔ جہاں میں نے صدر جمال عبدالناصر کی سپیشل پولیس کے سربراہ سے جدید اور تازہ ترین طریقے سیکھے ہیں۔ وہ بہت ذہین و فطین شخص تھا اور اُس نے اس قسم کے کاموں کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ اور تشدد اس کے ہاتھوں سے ایک فن کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اسی لئے ہم بھی یہاں جدید ترین سائنسی طریق کار اختیار کرتے ہیں۔ اگر تم نے اب ہماری مطلوبہ معلومات دینے سے انکار کیا' تو یقین مانو کہ قیدی سے صحیح بات اُگلوانے کے لئے ہمارے پاس اور بھی بہت سے ذرائع ہیں''! سپاہی نے خطرناک انداز میں مُکا لہراتے ہوئے کہا

Marfat.com

''کچھ سمجھے ہو''؟

تشدد کرنے کی دھمکی اگرچہ اُسے کئی بار دی گئی لیکن ان دھمکیوں نے عملی صورت اختیار نہ کی۔ اس کے بجائے اُسے ایک تہہ خانے میں ڈال دیا گیا جہاں مکمل اندھیرا تھا۔ یہاں حرکت کرنے کی اجازت نہ تھی اور اس طرح یہاں اُسے ایک ماہ تک قید تنہائی میں رکھا گیا۔ رات کے وقت وہ گرفتار شدہ اخوان المسلمون سے تعلق رکھنے والے قیدیوں کی چیخیں سن کر لرز جاتا۔ جنہیں مہلک انداز سے تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ وہ سوچتا کہ اب اُس کی باری کسی بھی وقت آنے ہی والی ہے۔ پھر اس کے بعد مکمل خاموشی چھا جاتی......

قریبی مسجد سے آنے والی وہ فجر کی اذان کی آواز سنتا' جس میں لوگوں کو نماز کے لئے بلانے کا پیغام ہوتا۔ پہلے ایک اذان ہوتی پھر دوسری مسجد سے اس سے بھی زیادہ خوش الحانی میں اذان سنائی دیتی' اور اس کے بعد ایک دوردراز کی مسجد سے شیریں ترین آواز میں اذان سنائی دیتی ہوئی معلوم ہوتی۔ وہ بڑے اشتیاق سے ایک درجن کے قریب مختلف مسجدوں سے آنے والی اذانوں کو سنتا' جن کی آوازیں یکے بعد دیگرے آپس میں مل جاتیں' اور سب اذانوں کے بارے میں اُسے واضح اور قطعی طور پر معلوم تھا کہ کون سی اذان کی آواز شہر کی کس مسجد سے آرہی ہے......

اور اب تو شاید ایسا معلوم ہوتا کہ اُس نے آبِ حیات کا مزا چکھ لیا ہے۔ یا یہ کسی کی معجزنما دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ اُس کے دل سے خوف اور دہشت دفعتاً غائب ہو گئے تھے۔ اندھیرے اور خاموشی میں وہ ایک عجیب وغریب قسم کا سکون محسوس کرتا۔

لیکن یہ خوف اُس وقت دوبارہ عود کر آیا۔ جب اُس نے اپنے کندھے پر ایک گرفت محسوس کی۔ کیا وہ اب اُسے لے جانے کے لئے تو نہیں آرہے ہیں؟

اُس نے سہمے ہوئے انداز میں اپنے عقب میں دیکھا تو دو عمامہ باندھے ہوئے آدمیوں کو اپنے اُوپر کھڑے ہوئے پایا۔ جن کے چہروں سے نور برس رہا تھا اور اُن کی سفید لمبی داڑھیاں لہرا رہی تھیں۔ آج سے بہت سال پہلے خلیفہ کے اُستاد نے اُسے عظیم شخصیتوں کے بارے میں ایک کتاب دی تھی......! اُس کتاب میں جن شخصیات کے بارے میں قلمی تصویرکشی کی گئی تھی یہ دونوں اشخاص بھی اُن شخصیتوں سے ملتے جلتے تھے۔

ان دونوں میں سے معمر آدمی نے بڑی نرمی اور پُرعزم انداز میں پوچھا۔

''کیا تم ہمیں جانتے ہو''؟

Marfat.com

''آپ لوگ آج سے بہت عرصہ قبل اس دنیا سے جا چکے ہیں'' احمد خلیل نے جواب دیا ''آپ ایسے نیک اور حق پرست لوگ آج کی دنیا میں کہیں بھی نہیں ملتے''

''ہم امام احمد بن حنبل اور ابن تیمیہ ہیں۔''

''آپ دونوں ہی قید و بند کی صوبتوں سے گزرے ہیں اور آپ دونوں ہی قید کی حالت میں فوت ہوئے''؟

''تم بالکل ٹھیک کہتے ہو''

''آپ نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں مشکلات برداشت کیں اور اسی کے راستے میں اپنی جانیں قربان کر دیں!''

ان دونوں میں سے بڑی عمر والی شخصیت نے عین احمد خلیل کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے محکم آواز میں پوچھا ''تو پھر تم ہمارے راستے پر چلنے سے کیوں ڈرتے ہو''؟

''وہ اپنی کوٹھڑی کے جنگلے کی آواز سے چونکتے ہوئے بیدار ہو گیا۔ اُس نے اپنی آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ سپاہی بیت الخلا کا ڈول خالی کرنے اور روزمرہ معمول کے مطابق اُسے روٹی پانی دینے کے لئے کمرے میں آ گیا ہے......

اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس وقت دن ہے یا رات جبکہ اچانک سپرنٹنڈنٹ نے کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اعلان کیا ''چونکہ تمہارا جرمانہ ادا ہو چکا ہے' اس لئے تمہیں رہا کیا جاتا ہے...... سپاہی اُسے تھانے کے صدر دفتر والے کمرے میں لے کر گئے' جہاں اُس نے دیکھا کہ دیوار پر صدر جمال عبدالناصر کی قد آدم تصویر آویزاں تھی اور اس تصویر کے نیچے پڑے ہوئے بینچ پر احمد خلیل کا والد بیٹھا اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ اپنے خوفناک چہرے کے ساتھ احمد خلیل کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا ''ہم نے تمہارے متعلق نرمی سے کام لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ تم نے پہلی بار ارتکابِ جرم کیا ہے۔ لیکن نوجوان! غور سے سن لو کہ اب تمہیں ہوش سے رہنا ہو گا۔ پولیس تمہاری نگرانی کر رہی ہے اور آئندہ اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو تمہیں بدترین انجام کے لئے تیار رہنا چاہیے۔''

ان حالات کے نتیجے میں احمد خلیل کو پھر کیمپ میں واپس آنا پڑا۔ اُس کے پاس راشن کارڈ موجود نہ تھا اور نہ ہی وہ نیا حاصل کر سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے اسماء کے پاس اپنا راشن کارڈ موجود تھا...... احمد خلیل کا باپ اور رشید دونوں اپنی ضرورت سے زائد خوراک اُسے دے دیتے......

Marfat.com

انہی دنوں خلیفہ سکول میں ایک شدید قسم کی ذہنی آفت میں مبتلا ہو گیا۔ اس سے پہلے اُس کا شمار اپنی کلاس کے بہترین طلبہ ہوتا تھا۔ لیکن اب تو وہ تمام مضامین میں فیل ہو گیا۔ پانچویں جماعت میں آنے کے بعد اُسے اکثر اوقات کلاس میں بے ہوشی کا دورہ پڑ جاتا اور ایک دن تو وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا اور اس نے اپنے تمام کپڑے پھاڑ ڈالے اور جو بچہ بھی اس کے سامنے آیا اس پر وحشیانہ انداز میں اپنے ناخنوں سے ٹوٹ پڑا...... اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ کمرہ جماعت ایک بے قابو پاگل خانے کا منظر پیش کرنے لگا...... سکول کے پرنسپل نے احمد خلیل کو اپنے دفتر میں طلب کیا اور اس کی طرف الزامی نگاہوں سے یوں گھورنے لگا' جیسے اس تمام صورتِ حال کا مجرم اور ذمہ دار وہی ہے۔

تمہارا بھائی ایک ناقابلِ اصلاح فسادی ہے۔ اب مجھ سے مزید توقع نہ رکھو کہ میں اس کے کرتوت برداشت کروں گا! اور جو کچھ اس نے آج کیا ہے وہ بالکل ناقابلِ معافی ہے۔ وہ روز افزوں گڑبڑ پیدا کرنے کا موجب ہو رہا ہے اور باقی کلاس کے اُن لڑکوں کے لئے بھی ذہنی پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے جو مودب اور پڑھنے لکھنے کا شوق رکھتے ہیں۔ لیکن تمہارا بھائی تو بالکل جنگلی جانور ہے! تم خود ہی اس کے وحشی پن کا اندازہ اس بات سے کر سکتے ہو کہ یونیسکو کے ادارے نے ہمارے سکول کے طلبہ کے لئے ڈیسک دیئے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ فرش پر اکڑوں بیٹھتا ہے اور جب میں نے اُسے سمجھانے اور تربیت دینے کی کوشش کی تو اُس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا اور پھر اس نے اپنے غلیظ دانت میرے بازو میں گاڑ دیئے۔ ادھر دیکھو! تم میری کلائی پر اس کے دانتوں کے نشانات دیکھ سکتے ہو...... حتیٰ کہ اس کا باپ بھی اس پر قابو نہیں پا سکتا جب اس کا باپ بھی اسے نہیں سنبھال سکتا تو پھر بھلا میں کیا کر سکتا ہوں؟ اس کے استادوں نے مجھ سے درخواست کی کہ اس لڑکے کے بارے میں تحمل سے کام لیتے ہوئے نرمی کا برتاؤ کیا جائے' کیونکہ وہ بیمار تو ضرور ہے لیکن برا لڑکا نہیں ہے...... لیکن میں تو ایک منتظم ہوں' میں کوئی نفسیاتی امراض کا معالج تو نہیں ہوں! اور یہ ایک سکول ہے' دماغی امراض کا ہسپتال نہیں ہے......! اور اگر وہ بیمار ہے' جیسا کہ اُس کے اُستادوں کا کہنا ہے' تو پھر اُسے یہاں رہنے کا قطعی طور پر کوئی حق نہیں ہے...... وہ ایک چھوٹا جنگلی جانور ہے' جسے کبھی سدھایا نہیں جا سکتا...... سکول میں طلبہ کی پہلے ہی اتنی بھرمار ہے کہ ہم اسے دو شفٹوں میں چلا رہے ہیں۔ لہٰذا ہمارے پاس تمہارے بھائی پر وقت ضائع کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے......! ہمارے پاس

Marfat.com

صرف ہونہار اور مستحق طلبہ کے لئے جگہ ہے...... اور جب تک میں یہاں پرنسپل ہوں' میں اُسے یہاں دوبارہ سکول میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دُوں گا''

احمد خلیل کے حواس شل ہو کر رہ گئے۔ اس کے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ جتنا جلدی ہو سکے اس بارے میں اپنے والد کو مطلع کر دے۔ اُسے اس بات کے تصور سے ہی ہول آ رہا تھا کہ جب اُس کے والد کو اس بارے میں معلوم ہو گا تو وہ کتنا پریشان ہو گا۔

وہ آہستگی سے پرنسپل سے مخاطب ہوا ''میرا بھائی اس وقت ہے کہاں؟ میں اُسے ابھی اپنے ساتھ واپس کیمپ لے جانا چاہتا ہوں......'' پرنسپل اپنی کرسی سے اُٹھا اور اُس نے اپنے ڈیسک کے نیچے کی طرف اشارہ کیا اور چلاتے ہوئے کہا ''وہ اُدھر چھپا ہوا ہے! باہر نکلو چھوٹے بدمعاش! اور یہاں سے ہمیشہ کے لئے میری نظروں سے دُور ہو جاؤ''

خلیفہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ احمد خلیل نے دیکھا کہ وہ پیشاب اور مٹی کے چھوٹے سے گڑھے میں بالکل برہنہ اور بے ہوشی کی حالت میں ڈیسک کے نیچے پڑا ہوا ہے۔ بے تحاشا مار پیٹ سے اس کے سارے جسم پر خراشیں اور نیل پڑ گئے تھے۔ اور آنسو بہہ بہہ کر خشک ہونے سے چہرہ دھبے دار ہو گیا تھا۔ احمد خلیل نے انتہائی شفقت سے اُسے اُٹھایا اور رفاہِ عامہ کے لئے سر راہ نصب شدہ ایک عام نلکے پر لے گیا' تاکہ اُسے نہلا دُھلا کر دوبارہ ہوش میں لاتے ہوئے واپس خیمہ میں لے جا سکے۔

خلیفہ تمام دن خیمے کے تاریک ترین گوشے میں یوں اکڑوں بیٹھا رہتا کہ اُس کے پتلے اور منحنی گھٹنے اس کی ٹھوڑی سے لگے ہوئے اور دونوں بازو ٹانگوں کے گرد حمائل ہوتے۔ وہ اپنے عین سامنے خالی نظروں سے کسی موہوم چیز کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہتا۔ اگرچہ وہ بالکل خاموش رہتا لیکن اُس کی اس حالت کو دیکھتے ہوئے گھر کا ہر فرد پریشان اور گہری سوچوں میں غرق رہتا...... انہی حالات میں خلیفہ کی عمر پورے دس سال ہو گئی......

ایک صبح احمد خلیل نے دیکھا کہ اُس کا بھائی اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ وہ چٹائی سے اُٹھنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ جب احمد خلیل نے پوچھا کہ تم نے کتنے دنوں سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے تو خلیفہ نے سرگوشی کے انداز میں جواب دیا کہ مجھے یاد نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ تین چار دن گزر گئے ہیں۔ اُسی دوپہر احمد خلیل اُس کے پاس مسور کا گاڑھا اور نیم گرم شوربہ لے کر آیا جسے اُس کی چچی نے بالکل ابھی ابھی چولہے پر پکایا تھا۔ احمد خلیل نے

Marfat.com

اپنے بھائی کو بازو کا سہارا دے کر بڑی مضبوطی سے اُٹھایا۔ خلیفہ پہلے پہل تو آہستہ اور پھر یکے بعد دیگرے شوربے کے چار پیالے تیزی سے پی گیا۔ اس کے بعد اپنا سر احمد خلیل کی گود میں رکھے ہوئے سو گیا۔

اخوان المسلمون سے تعلق رکھنے والا ے اُستاد پرنسپل کے احکام کی پروا نہ کرتے ہوئے ہفتے میں دو تین بار خلیفہ کی خبر گیری کو آتے اور اپنی بساط کے مطابق اس کے لئے کھانے پینے کی اشیاء لاتے۔ سکول میں کیمپ کے لڑکے چونکہ خلیفہ کو برہنہ حالت میں دیکھ چکے تھے، وہ خیمہ میں یہاں بھی خلیفہ کو بے دردی سے تنگ کرتے۔ ان طلبا کو یہ اساتذہ سختی سے ڈانٹتے...... بعض اوقات اپنے اساتذہ کو پہچاننے میں اُسے آدھے آدھے گھنٹے سے بھی زیادہ وقت لگ جاتا۔ وہ غش زدہ چہرے کے ساتھ جذبات سے عاری آواز میں اُن سے سکول کی کتابوں کے لئے درخواست کرتا۔ اور وہ بڑی نرمی سے اُسے سمجھاتے کہ ابھی اُسے پڑھنے کے بجائے آرام کرنا چاہیے۔ ایک دفعہ رخصت ہونے سے پہلے ایک اُستاد نے اپنا گرم کمبل خلیفہ کے کندھوں پر ڈال دیا۔ حالانکہ خلیفہ کے اہل خانہ اس بات پر اصرار کرتے رہے کہ شام گہری ہونے کے سبب سردی بڑھتی جا رہی ہے اور آپ کو خود بھی اس کمبل کی ضرورت ہے، لیکن اُستاد نے خلیفہ کی ضرورت کو ترجیح دی......

احمد خلیل بڑی پریشانی اور فکر مندی کے ساتھ خلیفہ کی دیکھ بھال کرتا۔ اور حتی المقدور اس کی تیمارداری میں کوئی کسر نہ چھوڑتا اور آخری چارۂ کار کے طور پر اپنے بھائی کی صحت یابی کے لئے دُعائیں مانگتا۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کا باپ کہیں خلیفہ کو گھر میں رکھنے سے انکار کر دے اور پھر ساری تدابیر کہیں دھری کی دھری ہی نہ رہ جائیں۔

بہت دن گزر گئے لیکن خلیفہ کی حالت نہ تو بہتر ہوئی اور نہ پہلے کی نسبت بگڑی۔ اپنے باپ کے تیور دیکھ کر احمد خلیل کانپ جاتا۔ اور پریشانی کے عالم میں اُسے کچھ نہ سوجھتا کہ اب کیا کیا جائے؟

آخرکار وہ خوفناک صبح آ ہی گئی جب اُس کے والد نے اُسے طلب کر کے خلیفہ کو کیمپ کے پاگل خانے میں داخل کروانے کا حکم دے دیا......! اس کے باپ کی آواز میں ایک ایسی دُرشتی تھی جس کے ڈر سے وہ حکم عدولی نہ کر سکا...... وہ ہچکچاتے ہوئے بھائی کو اپنے ساتھ لے کر چل دیا لیکن انتہائی مضبوطی سے اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا...... اُسے اب بھی اُمید تھی کہ حقیقت اس کے تصورات کے برعکس اتنی ہولناک نہیں ہو گی......!

Marfat.com

وہ جنگلے دار کھڑکیوں اور دروازوں کے مناظر دیکھ کر اور عمارت کے اندرون سے دلدوز چیخوں اور وحشیانہ انداز سے رونے کی آواز سن کر کانپ اُٹھا۔ قبل اس سے کہ وہ عمارت میں داخل ہوتا۔ چابیوں کا ایک بھاری گچھا پکڑے ہوئے ایک ملازم نمودار ہوا جس نے اُسے روک لیا اور پوچھا کہ آیا وہ یہاں کے انچارج ڈاکٹر سے ملنا چاہتا ہے......!

احمد خلیل نے اثبات میں سر ہلایا اور ملازم اُسے ڈاکٹر کے دفتر میں لے گیا۔

''اوہ! تو تم آخر آ گئے'' نفسیاتی معالج نے افسوس سے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا۔ مجھے تمہارے بھائی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ تمہارا والد بھی ابھی کل ہی یہاں سے ہو کر گیا ہے۔ وہ میرے پاس کم و پیش ایک گھنٹہ بیٹھا رہا اور اُس نے مجھے ہر بات بتائی۔ لیکن اس سے قبل بھی مجھے تمہارے بھائی کی حالت کے بارے میں معلوم تھا کیونکہ یہاں اکثر و بیشتر اس کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ اگر تم اس مرض کی تشخیص اور اس بیماری کا نام جاننے کے خواہشمند ہو تو میرے خیال میں اس بیماری کو فکر و عمل کی بے تعلقی کی ذہنی بیماری کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ اور ہم سولہ سال سے کم عمر کے لڑکوں یا لڑکیوں کو یہاں داخل نہیں کرتے لیکن اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ مریض واقعی شیزوفرینیا کی بیماری کا شکار ہے تو پھر ہم اُسے یہاں رکھ لیتے ہیں۔ لیکن میں آپ کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمارے پاس نفسیاتی امراض میں مبتلا بچوں کے علاج اور دیکھ بھال کے لئے کوئی جُداگانہ اور خصوصی شعبہ اور انتظام نہیں ہے...... اب لڑکے کو یہاں میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس کا جائزہ لے کر مرض کے بارے میں حتمی طور پر کسی نتیجے پر پہنچ سکوں......

اس کے جواب میں احمد خلیل باہر جانے کے لئے فوراً واپس مڑا۔ خلیفہ اس سے لپٹ گیا اور اپنا منہ اس کے چوغے کی تہوں میں چھپا لیا۔

''میں یہاں معائنے کے لئے نہیں آیا ہوں'' احمد خلیل نے دوٹوک انداز میں جواب دیا ''میں تو یہاں دیکھنے کے لئے......''

''معاف کیجئے کہ ہم کسی غیر متعلقہ آدمی کو یہاں مخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے...... آپ کو ہمارے مریضوں کو پریشان کرنے کا کوئی حق نہیں ہے......''

''لیکن میں فیصلہ کرنے سے پہلے یہاں کے حالات دیکھنا ضروری سمجھتا ہوں......''

احمد خلیل انتہائی اکھڑ پن سے ڈاکٹر کو دھکیلتے ہوئے فولاد کے دروازے کی طرف

Marfat.com

بڑھا' ملازم نے اُسے روکنے کی کوشش کی' لیکن احمد خلیل نے جھپٹا مار کر چابیاں اُس کے ہاتھ سے چھین لیں اور زبردستی دروازہ کھول کر اندر جا گھسا......''

اب اندر یہ حالت تھی کہ پسینے' پیشاب اور پاخانے کی عفونت سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ ایک بالکل ننگا آدمی اپنی کوٹھڑی کے جنگلے پر زور زور سے مکے مارتے ہوئے چلا رہا تھا ''مجھے یہاں سے باہر نکالو! احمد خلیل تیزی سے چلتا ہوا ایک دوسرے آدمی کے پاس آیا وہ بھی بالکل برہنہ اور بے حس و حرکت فرش پر اوندھے منہ پڑا ہوا کراہ رہا تھا۔ اس پر جھکتے ہوئے بڑی نرمی سے اُس نے پوچھا کہ تمہیں کیا پریشانی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ کچھ ایسی آوازیں میرے کانوں میں آتی ہیں' جو مجھے میرے گناہوں کی تفصیلات بتا کر گئی ہیں' جن کی بناء پر میں خود کو سزائے موت کا مستحق سمجھتا ہوں۔ وہ پاؤں کے بل صرف اتنا اُٹھ کر بیٹھا کہ اُس کے رُوبرو ہو سکے۔ لیکن وہ ابھی تک بے حس و حرکت دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر کہتا تھا ''میرے ذہن میں تو جھانک کر دیکھو' سامنے والی دیوار کے ساتھ کم و بیش بچاس آدمی ایک لمبی قطار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ جوان تھے اور دیگر بوڑھے۔ لیکن تمام کے تمام ایک ہی بیماری میں مبتلا تھے۔ اُن کی حالت یہ تھی کہ بال بڑھے ہوئے' پاؤں ننگے' اور گھٹیا ٹاٹ کے لباس میں ملبوس یہ بدنصیب لوگ اُسے وحشتناک اور حیران نگاہوں سے یوں گھور رہے تھے کہ جیسے وہ کسی اور ہی دنیا کا باشندہ ہو......

احمد خلیل نے واپس مڑ کر انہیں دیکھا اور خلیفہ کو انتہائی مضبوطی سے بھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا اور اُس کے پتلے اور محزون' حساس چہرے کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھا تو یہ چہرہ اُسے ذہین اور صاحبِ فکر دکھائی دیا۔ اُس نے اپنے آپ سے کہا کہ ڈاکٹر کی رپورٹ تو غلط ہو سکتی ہے لیکن خلیفہ ان لوگوں کی مانند نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب اُس نے اُن وحشتناک اور حیران انداز سے گھورنے والی نگاہوں کا موازنہ اپنے بھائی کی آنکھوں سے کیا تو اُسے بھی پتھر کی طرح ساکت وہی نگاہیں دکھائی دیں۔ اب اُس کے ذہن میں ایک خیال اچانک بجلی کی طرح کوند گیا۔ وہ جان گیا کہ جس بات کو وہ ایک عرصہ دراز سے تسلیم کرنے میں متامل تھا اب وہ ایک خوفناک حقیقت کی صورت میں اُس کے سامنے آ چکی ہے......

خلیفہ بھی اُن گھورنے والی' پتھرائی ہوئی نگاہوں سے دیکھنے والوں کا ساتھی تھا لیکن اس سے پہلے ایسا خوفناک منظر اُس کے سامنے کبھی پیش نہیں آیا تھا کہ وہ اتنے زیادہ پاگلوں کو ایک ریوڑ کی صورت میں اکٹھا دیکھے۔

Marfat.com

اچانک اُس نے محسوس کیا کہ کوئی اُس کی آستین کو زور زور سے جھٹکتے ہوئے کھینچ رہا ہے۔ اُس نے دیکھا کہ لمبے قد اور سیاہ رنگت والا انتہائی صحتمند اور چوکس نوجوان اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے مہرے سے ذہانت ٹپکتی تھی۔ وہ نوجوان فوراً بھانپ گیا تھا کہ احمد خلیل اس ہسپتال میں داخل شدہ مریضوں میں سے نہیں اور اس کی ملتجیانہ نگاہوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ احمد خلیل سے باتیں کرنے کی اجازت چاہتا ہے......! وارڈ میں واحد وہی مریض تھا جو ٹاٹ بوریے کے لباس کے بجائے' سادہ لیکن صاف ستھرا اور شائستہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ وہ اتنا تنہا تھا کہ اُس سے بات چیت کرنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ احمد خلیل وارڈ میں جہاں جہاں گیا وہ اس کے پیچھے پیچھے رہا اور تمام وقت انتہائی تیزی سے بولتے ہوئے' ہاتھوں کے اشاروں سے بے ربط اور بے تکی باتیں کرتا رہا۔ اُس نے بتایا کہ میں میڈیکل کالج میں تھرڈ ایئر کا سٹوڈنٹ تھا حتیٰ کہ صیہونی جاسوسوں نے مجھے ایک سازش کے ذریعے یونیورسٹی سے نکال دیا۔ انہوں نے میرے بستر کے نیچے ایک ریکارڈنگ مشین چھپا دی جو کہ ساری ساری رات' راتوں کے بعد کئی راتیں گالیوں اور دھمکیوں کا طومار اگلتی رہی تاکہ میں مجبور ہو کر یونیورسٹی چھوڑ جاؤں۔ وہ یروشلم کے قدیم ترین اور امیر خاندانوں میں سے ایک خاندان کا فرد تھا۔ جہاں وہ جنگ سے پہلے اپنے بہت بڑے خاندان کے ساتھ ایک بہت بڑے کشادہ اور وسیع حویلی نما گھر میں مقیم تھا۔ اس کے وسیع وعریض محل نما مکان میں ایک خوبصورت باغ تھا جو ہر طرح کے پھل دار درختوں اور خوشنما پھولوں سے بھرا ہوا تھا......''

''کیا تمہارا گھر جنگ کے دوران تباہ ہو گیا''؟ احمد خلیل نے پوچھا۔

''نہیں نہیں! میرا گھر ابھی تک وہیں موجود ہے۔ جنگ بندی کے فوراً بعد میں نے غیر قانونی طور پر سرحد عبور کی اور خود اپنے طور پر اسے دیکھ آیا ہوں......لیکن اسے بحق سرکار ضبط کر لیا گیا ہے اور اس محل نما مکان کی حالت بگڑ کی بدل چکی ہے اور اب یہ ایک فلیٹ نما مکان بن گیا ہے۔ جس کے ہر کمرے میں شمالی افریقہ سے آئے ہوئے آبادکار بھرے پڑے ہیں۔ میرے خاندان کے پاس بے شمار دولت اور جائیداد تھی لیکن ہمارا سارا اثاثہ لٹ گیا......

یہ گفتگو اس وقت رُک گئی جب دور دراز کی مسجد سے انہیں اذان کی آواز سنائی دی۔ اذان کی آواز بہت کم کم آ رہی تھی لیکن یہ بالکل صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ اس وقت

Marfat.com

ظہر کی نماز کے لئے اذان ہو رہی ہے۔

''کیا آپ نماز میرے ساتھ ادا کریں گے؟'' نوجوان نے پوچھا۔ وہ احمد خلیل کو اپنے ساتھ بالکل یک چھوٹے سے کمرے میں لے گیا' جس میں بمشکل ایک بستر اور ایک آدمی کے کھڑے ہونے کی جگہ تھی ''یہ ہے میرا کمرہ'' اُس نے بتایا۔ میں وضو کرنے کے لئے تازہ پانی کا ایک جگ ہمیشہ یہاں اپنے پاس موجود رکھتا ہوں۔ ہمارے خاندان میں نماز کی پابندی بڑی سختی سے کی جاتی تھی۔ میری امی' ابا اور میرے تمام بہن بھائی' دن کی پانچوں نمازوں میں سے کبھی کوئی نماز نہیں چھوڑتے تھے۔ اور وہ علی الصبح ہر روز قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ لیکن یہ جگہ تو اتنی گندی ہے کہ یہاں کوئی کونا کھدرا بھی ایسا نہیں ہے کہ جہاں نماز ادا کی جا سکے...... کیا آپ نماز کی امامت کریں گے' کیونکہ آپ میری نسبت دین اسلام سے زیادہ آگہی رکھتے ہیں۔ اگرچہ عمر میں آپ مجھ سے چھوٹے ہیں' لیکن آپ تو ایک عالم دین کی طرح دکھائی دیتے ہیں......

احمد خلیل حیران رہ گیا۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے کسی ایسے آدمی سے نہیں ملا تھا' جو اس کے ساتھ اتنے احترام سے پیش آیا ہو......! ادب و احترام تو دور کی بات ہے مساویانہ حیثیت سے ہی کبھی کسی نے اس کے ساتھ حفظ مراتب کا خیال نہیں رکھا تھا۔ اور اُسے اس طبقے کے کسی آدمی سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا تھا جو اتنا سچا اور اچھا مسلمان ہو اور جس نے اس نوجوان کی طرح دین و ایمان کے باہمی رشتے اور بھائی چارے کو اتنی گرم جوشی سے قبول کیا ہو۔

ابھی انہوں نے نماز ختم کی ہی تھی کہ اُس نوجوان نے ہاتھ سے ایک عجیب و غریب قسم کا اشارہ کیا اور ایک مصنوعی اور اُونچی آواز میں اعلان کیا۔ ''کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے مطلع کیا ہے کہ میں امام مہدی ہوں' اور چونکہ میں امام مہدی ہوں اس لئے میرے پاس مکمل اختیارات ہیں اور میرا مقصد زندگی' دنیا کو بچانا ہے۔ جب حضرت عیسیٰؑ کا نزول زمین پر ہو گا تو میں اُن سے ہمکلام ہو جاؤں گا...... یہ سب کچھ مجھے آسمانی آوازوں نے بتایا ہے۔

''......لیکن آپ میرے ساتھ وعدہ کریں کہ آپ ڈاکٹر سے میرے بارے میں بات کریں گے'' اُس نے ملتجیانہ انداز سے کہا۔ یہ رہیں کالج کی میری نصابی کتابیں شاید آپ اُنہیں اس بات پر قائل کر لیں کہ وہ مجھے واپس یونیورسٹی جانے کی اجازت دے دیں

Marfat.com

تا کہ میں اپنی تعلیم جاری رکھ سکوں''

''لیکن تمہارے علاج کا کیا بنے گا؟'' احمد خلیل نے پوچھا ''کیا وہ تمہیں کوئی دوا نہیں دیتے''

''نہیں، جناب بالکل نہیں''! میں جدید دوائیوں کے تمام مرکبات کے بارے میں بخوبی جانتا ہوں۔ میں میڈیکل کی کلاسوں میں اُن کے بارے میں اپنی نصابی کتب میں پڑھ چکا ہوں۔ لیکن یہاں کے ڈاکٹر ہمیں اس طرح کی کوئی ادویات نہیں دیتے۔ وہ تو مریضوں کو اُن کی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ ادویات اتنی کمیاب اور زیادہ قیمتی ہیں کہ ہمارے پاس یا ہمارے خاندانوں کے پاس اتنی استطاعت نہیں ہے کہ ان ادویات کو خرید سکیں۔ ہمیں تو یہاں بالکل حوالاتیوں کی طرح بند کر دیا گیا ہے۔ اور یہ جگہ تو حیوانات کے لئے بھی موزوں نہیں ہے''

بوریئے ٹاٹ کے لباس میں ملبوس ایک بوڑھا آدمی، اپنے پتلے ناتواں بازو پھیلائے ہوئے اس سے مخاطب ہوا وار اس نے التجا کرتے ہوئے کہا ''آپ باہر سے یہاں آئے ہیں لہٰذا آپ کا اثر ورسوخ یہاں ضرور ہو گا۔ مجھے بتایئے کہ یہاں کے ارباب اختیار میرا لباس مجھے کب واپس کریں گے؟ اور کب مجھے اپنے گھر واپس جانے دیں گے؟''

ڈاکٹر نے جواب دیا ''جونہی تم مناسب حد تک صحت یاب ہو جاؤ گے۔ ہم اس پر غور کریں گے......''

اب پھر احمد خلیل دوبارہ ڈاکٹر کے دفتر میں اس کے روبرو بیٹھا ہوا تھا۔

''اب مجھے اپنے بھائی کے بارے میں مزید تفصیلات بتاؤ۔ ہر وہ چیز جو تمہارے علم میں آئی ہے۔ مجھے بتاؤ'' ڈاکٹر نے بڑی توجہ اور نرمی سے پوچھا ''تا کہ میں اس کی بیماری کی نوعیت (کیس ہسٹری) کو قلمبند کر سکوں......''

خلیفہ اُس کے سامنے بالکل خاموش کھڑا تھا۔ اُس کا چہرہ زرد اور جذبات سے عاری تھا۔

احمد خلیل اور تو کچھ محسوس نہ کر سکا لیکن جب اُس نے آخری چارۂ کار کے طور پر اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کی تو خوف و اندیشے کے مارے اُسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

Marfat.com

''آپ کو بتانے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے...... جیسا کہ آپ خود بھی دیکھ سکتے ہیں۔ میرا بھائی بالکل ٹھیک ہے...... وہ یہاں رہنے کا مستحق نہیں ہے۔''

''لیکن تمہارے والد کا کہنا ہے کہ اسے ضرور ہسپتال میں داخل کیا جائے......''

احمد خلیل نے یوں محسوس کیا کہ جیسے اُس کے دل کو مسلا جا رہا ہو۔ لیکن اُس نے کمالِ ضبط وتحمل سے کام لیتے ہوئے بظاہر اپنے آپ کو پرسکون ہی رکھا۔ ''میرے والد کو ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے...... میں اپنے بھائی کی ہر طرح کی ذمہ داری اُٹھانے کو تیار ہوں''

''لیکن جب اُسے تشدد کے دورے پڑیں گے تو اُس وقت تم کیا کرو گے؟''

دفعتاً احمد خلیل اپنی کرسی سے اُچھل کر اُٹھا اور خلیفہ کو اپنے پیچھے گھسیٹتا ہوا اندھا دُھند وہاں سے باہر کی طرف بھاگا۔ جب وہ اپنے خیمے میں پہنچا تو نڈھال ہو کر دھڑام سے اپنی چٹائی پر گر پڑا۔ خیمے کے تاریک گوشے میں وہ ابھی تک خلیفہ کو بڑی مضبوطی سے اپنے بازوؤں میں بھینچے ہوئے تھا۔ وہ دیر تک زاروقطار روتا رہا۔

خلیفہ کھلی آنکھوں کے ساتھ بڑی معصومیت اور اعتماد بھری نگاہوں سے اپنے بھائی کی طرف دیکھتا رہا' اچھا! تو اگر یہ بات دُرست ہے کہ ہسپتال میں مجھ جیسے بچوں کے لئے خصوصی انتظامات ہوتے ہیں...... پھر تو مجھے والد صاحب کے کہنے کے مطابق وہاں ضرور جانا چاہیے''؟

نہیں نہیں' ہرگز نہیں! جب تک میں زندہ ہوں میں ہر طرح سے ہمیشہ تمہاری دیکھ بھال کرتا رہوں گا!''

احمد خلیل کو پہلے کی نسبت اب غزہ سے کہیں زیادہ نفرت ہو گئی تھی۔ جب سے صدر عبدالجمال ناصر نے حکومت پر قبضہ کیا تھا۔ ظلم و استبداد اب شاہ فاروق کے زمانے کی نسبت کہیں زیادہ بڑھ گیا تھا۔ ظلم و جور کے ہتھکنڈے مسلسل بدترین ہوتے جا رہے تھے۔ اور اُس کے خیمہ گھر کی یہ کیفیت تھی کہ اس کے مکین اب خلیفہ کے بہت زیادہ خلاف ہو گئے تھے۔ دوسرے لوگ جو خیمہ میں رہتے تھے وہ ملک وہاب سے اس بات کا شکوہ کرتے کہ خلیفہ کی چیخ و پکار ہمیں راتوں کو سونے نہیں دیتی۔ ملک وہاب بڑے وثوق سے کہتا کہ میں اب خلیفہ کو مزید کھلا پھرنے کی اجازت نہیں دوں گا...... احمد خلیل اس کے جواب میں یہ دلیل پیش کرتا کہ چونکہ خلیفہ پرسکون اور انتہائی نیک ہے' کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔

Marfat.com

لہٰذا اسے پاگل خانے میں بند کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔...... آخرکار اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ باپ اور بیٹے کے درمیان خلیفہ کے بارے میں نہ ختم ہونے والی بحث اور جھگڑا ہمیشہ کے لئے شروع ہو گیا۔ احمد خلیل سمجھ گیا کہ اب اُس کا یہاں رہنا محال ہے۔ لیکن وہ سوچتا کہ جائے تو کہاں جائے؟

کچھ دنوں بعد امام صاحب نے ایک لمبی اور مفصل درخواست کا فارم اُس سے پُر کروایا۔ جس کے کوائف میں غزہ میں مصری حکومت کے متعینہ حکام سے ملک سے باہر جانے کی اجازت طلب کی گئی تھی۔ احمد خلیل اب درخواست کا انتظار کرنے لگ گیا۔ ایک ماہ اس کے بعد دوسرا حتیٰ کہ کئی مہینے گزر گئے لیکن حکام کی جانب سے کوئی جواب موصول نہ ہوا......!

اگر حکام تمہیں بیرون ملک جانے کی اجازت دینے سے انکار کرتے ہیں تو پھر تمہیں اُن کی اجازت کے بغیر بھی فریضہ حج تو ضرور ہی ادا کرنا چاہیے میں سعودی عرب کے اہکاروں سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں مستقل وہیں قیام کرنے کی اجازت دے دیں۔

''ارے واہ!'' احمد خلیل خوشی سے چلا اُٹھا ''میں تو ہمیشہ کے لئے وہیں رہنا چاہتا ہوں۔ میں یہاں کبھی واپس نہیں آؤں گا۔ اگر مجھے اپنی زندگی میں فلسطین کی آزادی کے لئے لڑنے کا ایک اور موقع نہ ملا تو پھر مکہ یا مدینہ میں ہی مرنا چاہتا ہوں......''

امام صاحب نے اُس کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ ''یہ دونوں شہر زندگی گزارنے کے لئے بھی بہترین مقامات ہیں۔ مجھے اس لئے معلوم ہے کہ میں وہاں رہ چکا ہوں۔ تم سے اپنے باہمی تعارف سے بہت سال قبل میں نے فریضہ حج ادا کیا تھا۔ مکہ میں شدید ترین گرمی پڑتی ہے۔ اور اس کی زمین بنجر، ریگستان ہے۔ جبکہ اس کے برعکس مدینہ کا موسم ٹھنڈا اور معتدل ہے...... اور مدینہ کی سرزمین بھی زرخیز اور وہاں ہر طرف کھجوروں کے جھنڈ نظر آتے ہیں۔ شاید وہاں تمہیں کوئی کام مل جائے۔ اور بہت سے ملکوں سے ظلم و تشدد سے بچ کر وہاں پناہ لینے والے مہاجرین کی رفاقت تمہیں میسر آ جائے۔ اگرچہ میں نے وہاں فلسطین کا کوئی مہاجر نہیں دیکھا تھا...... مسجد نبویؐ کے علاوہ جنت البقیع قریب ہونے کے سبب وہاں سکون قلب کی دولت بھی میسر ہے، جہاں حضور ﷺ کے جاں نثار صحابہؓ آسودہ خاک ہیں......''

Marfat.com

''لیکن وہاں یورپی فیشن کا کیا حال ہے؟ کیا وہاں بھی یورپی فیشن کہیں ایسے ہی چھلیا ہوا تو نہیں' جیسے اُس کی یہاں ہر شہر میں بھرمار ہے؟''

''میرے بیٹے! کیا تم نے حدیث کی شہرہ آفاق کتاب ''مشکوٰۃ المصابیح'' نہیں پڑھی۔ جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا کے خاتمہ کے قریب اور قیامت سے پہلے یہ حال ہو جائے گا کہ مسلمانوں کی اکثریت اسلام پر عمل کرنا چھوڑ دے گی اور بھیڑ چال کی طرح ظالم یہودی اور عیسائی حکمرانوں کی وضع قطع اپناتے ہوئے ان کے نقشِ قدم پر چل نکلے گی۔ اور اسلام کی روشنی ہر جگہ بجھ جائے گی' لیکن مدینہ منورہ وہ واحد قطعہء زمین ہو گا' جہاں اسلام کی روشنی فروزاں رہے گی''!

''کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مدینہ ابھی تک یورپی بداطوار لوگوں کی وبا سے محفوظ ہے۔''

امام صاحب نے جواب دیا ''نہیں میرے بیٹے! میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا پوری طرح تو محفوظ نہیں ہے......! لیکن دوسرے مقامات کی نسبت یہ کہیں زیادہ یورپی بداطواریوں سے بچا ہوا ہے اور اس دنیا میں رُوئے زمین پر کوئی جگہ بھی عیب سے بالکل پاک تو نہیں ہے۔ مکمل خوشیوں والی اور ہر لحاظ سے بے عیب جگہ تو صرف جنت ہی ہے۔ لیکن مدینہ منورہ میں یورپی اثرونفوذ کی رفتار بہت کم ہے۔ جبکہ اس کے سوا باقی ہر جگہ یورپی بداطواریوں کے اثرات سیلاب کی مانند آ گئے ہیں......! میرے کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ تم باقی دنیا کی نسبت اس دور میں سب سے زیادہ اسلام مدینہ منورہ میں دیکھو گے' تم اُس کی فضا میں مقدس اثرات محسوس کرو گے۔ حتیٰ کہ اس کی ہوا میں' جہاں تم سانس لو گے' وہاں بھی تمہیں تقدیس کی پاکیزہ خوشبو آئے گی''

''پھر تو میں کبھی واپس فلسطین آنے کی خواہش نہیں کر سکتا......! میں تو وہیں مستقل اپنا گھر بنا کر رہنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے خاندان کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا...... لیکن ہم اجازت کے بغیر یہاں سے مُلکی سرحدیں عبور کر کے کیسے نکل پائیں گے؟ اگر ہمیں پولیس نے پکڑ لیا تو پھر اس کا کیا بنے گا؟ اور اگر ہم نے ریل گاڑی کے ذریعے سرحد عبور کی تو اُس پولیس سے کیسے بچیں گے جو غزہ ریلوے اسٹیشن پر تعینات ہے''؟

''اُن پولیس والوں میں چار ہماری مسجد کی انتظامیہ کے ممبر ہیں۔ وہ تمہیں جانتے ہیں اور تمہارے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں۔ میں اُنہیں تمہارے بارے میں سب

Marfat.com

حالات بتا چکا ہوں۔ تم یقین رکھو کہ وہ تمہیں کسی طرح بھی گزند نہیں پہنچنے دیں گے......''
امام صاحب نے رخصت ہونے سے قبل چھوٹے نوٹوں کی کرنسی کی رقم والی پوٹلی احمد خلیل کے ہاتھ میں تھما دی'

''یہ کیا ہے؟'' احمد خلیل نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ تمہاری سفری ضروریات کے لئے کچھ رقم ہے۔ نمازِ جمعہ کے بعد میں نے مسجد کے حاضرین سے یہ رقم تمہارے لئے جمع کی ہے...... ہر آدمی نے اپنی بساط کے مطابق چندہ دیا۔ تمہیں اپنے دوستوں کی جانب سے یہ رقم قبول کرنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیے۔ ہم تو تمہیں ایک آزاد آدمی کی حیثیت سے معمول کی زندگی بسر کرنے کے لئے قسمت آزمائی کا موقع دینا چاہتے ہیں......''

اس رات احمد خلیل اور اسماء پہلو بہ پہلو لیٹے ہوئے باتوں میں مصروف تھے۔

''اسماء تمہیں گھبرانا نہیں چاہیے۔ تم گھبراتی ہو نا''؟

''نہیں ہرگز نہیں! جب تک آپ میرے ساتھ ہیں' مجھے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے......؟ میری ہمیشہ سے یہ آرزو رہی ہے کہ اس کیمپ کی زندگی سے نجات حاصل کروں۔ یہ جگہ قید خانے سے چنداں بہتر نہیں۔ یہاں تو ایک انجانا سا خوف میرے ذہن پر سوار رہتا ہے لیکن اب بھی اگر ہم یہاں سے چلے جائیں تو مستقبل میں بہتر صورتِ حال کی امید ہے۔ اگر ہم مزید انتظار کرتے رہے تو موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ لیکن آپ کے ابا جان کا کیا بنے گا؟ کیا وہ بھی ہمارے ساتھ چل رہے ہیں؟''

''نہیں اسماء! وہ ہمارے ساتھ نہیں رہنا چاہتے۔ عرصہ ہوا انہوں نے آج سے بہت سال پہلے فریضہ حج ادا کر لیا تھا۔ اور اب انہوں نے سکول کے بچوں کو پڑھانے میں ہی اپنی خوشیوں کی معراج حاصل کر لی ہے۔ لیکن انہوں نے مجھے صرف اس شرط پر جانے کی اجازت دی ہے کہ ہم خلیفہ کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔ میں نے ابا سے وعدہ کیا ہے کہ میں خلیفہ کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور حتی الوسع اس کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔ رشید بھی خلیفہ کی دیکھ بھال میں میری مدد کرے گا کیونکہ میں اکیلا خلیفہ کو نہیں سنبھال سکتا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ روانہ ہو رہا ہے''

''لیکن آپ نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ جنگ شروع ہوئے پانچ سال ہو چکے ہیں۔ ہم کیسے فلسطین واپس جا کر اپنے گھروں کو دوبارہ تعمیر کریں۔ جبکہ ہم تو

Marfat.com

بہت کمزور اور بے بس ہیں اور ہمارے دُشمن ہر لحاظ سے طاقتور ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ آپ بہت بہادر ہیں اور آپ نے فدائین کے ساتھ مل کر تحل مدبار پر بہت سے حملے کیے اور بلاشبہ آپ نے بہت سے اسرائیلی سپاہیوں کو اپنے خنجر سے قتل کیا۔ لیکن آپ کے ان بہادرانہ کارناموں سے بھی اپنے گھروں کی طرف ہماری واپسی کی کوئی صورت پیدا نہ ہوسکی اور نہ ہی ان سے کوئی ایسی صورت پیدا ہوئی کہ ہم اپنے گھروں کی دوبارہ تعمیر کریں اور امن کی بحالی کے بعد اپنے مویشیوں' بھیڑوں' بکریوں کے ریوڑوں اور کھیتوں کی دیکھ بھال کرسکیں...... اور نہ ہی تمام فدائین کی متحدہ جدوجہد میرے ابّا' میری امّی اور میرے بھائی کو دوبارہ زندہ کرسکی......!''

احمد خلیل نے اس کی گہری سیاہ اور سنجیدہ آنکھوں میں جھانکا تو وہاں اُسے اسماء کے الفاظ کی بے چینی اور بے بسی تو نظر نہ آئی۔ البتہ ایک پختہ عزم دکھائی دیا۔ احمد خلیل نے اندھیرے میں اس کا ہاتھ پکڑا اور اسماء مضبوطی سے اس کے ساتھ ہم آغوش ہوگئی۔

''میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ اب ہم فلسطین کیسے واپس جائیں گے؟ اور میرے خیال میں تو نہ ہی ہمارے لوگ اس قابل رہے ہیں کہ وہ ہماری زندگی میں فلسطین واپس جاسکیں......! مجھے اُمید نہیں کہ اب میں دوبارہ فلسطین کو کبھی دیکھ پاؤں گا......! ہم تو صرف اللہ تعالیٰ سے دُعا ہی کرسکتے ہیں کہ وہ کوئی راستہ تلاش کرنے میں ہماری مدد فرمائے......''

☆......☆......☆

Marfat.com

انیسواں باب

خوش نصیب مسافر

احمد خلیل پرہجوم ریلوے اسٹیشن کے سیمنٹ کے فرش پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ جوش سے اتنا بھرا ہوا تھا کہ وہ ڈرتا تھا کہ وہ کسی بھی لمحے اس ناممکن خواب سے جاگ اُٹھے گا۔ یہ اُس کی زندگی کا پہلا موقع تھا کہ وہ اپنے طور پر ایک طویل سفر پر روانہ ہو رہا تھا اور اس حقیقت کے پیشِ نظر اُس کا جوش و جذبہ اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا کہ یہ کسی عام مقصد کے لئے کوئی معمولی سفر نہیں تھا بلکہ وہ تو ایک مقدس مقصد اور اعلیٰ ترین نصب العین فریضہء حج کے لئے اس سفر پر روانہ ہو رہا تھا۔

وہ بڑی محبت بھری نگاہوں سے اسماء کو دیکھ رہا تھا جو کہ پچھلے دو سالوں سے اس کی بیوی تھی۔ سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں لپٹی ہوئی اسماء کے چہرے پر بچوں جیسی معصومیت تھی۔ وہ رکھوالی کے لئے اُن گھریلو چیزوں کے بالکل قریب بیٹھی ہوئی تھی' جو ان کی کل کائنات تھی......! یعنی بکری کی کھال کے بنے ہوئے پانی سے بھرے تین مشکیزے...... المونیم کے دو پتیلے' مٹی کے تیل کا ایک چولہا اور خشک پھلیوں' کھجوروں اور آٹے کے تھیلے۔ جن کے بارے میں اُسے توقع تھی کہ یہ زادِ سفر کے طور پر کام دیں گے۔

وہ بڑی دیر تک اپنی بیوی کی جانب ملائمت بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ اور عجیب بات تھی کہ اُسے آج کی نسبت وہ پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت دکھائی دے رہے تھی' اس سے پہلے وہ اُسے کبھی اتنی حسین معلوم نہ ہوئی تھی۔ اسماء نے نظریں اُٹھا کر تھوڑی دیر کے لئے اُسے دیکھا اور پھر فرش کی طرف اپنی نگاہیں جھکالیں۔ وہ دونوں آپس میں ماموں پھوپھی زاد تھے اور احمد خلیل کو اسماء اور اپنی والدہ کے چہروں میں گہری مشابہت دکھائی دیتی تھی۔

Marfat.com

گیارہ سالہ خلیفہ ایک بالغ آدمی کی پرانی استعمال شدہ قمیض پہنے ہوئے تھا۔ اس میں بکسوئے لگا کر اسے جسم کے گرد لپیٹ رکھا تھا اور یہ اُس کے گھٹنوں سے بھی نیچے لٹک رہی تھی۔ اور ایک گھسا پٹا کافیہ سر پر لپیٹے ہوئے وہ سب سے علیحدہ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بے حسی سے اپنے ننگے پاؤں کو مسلسل یوں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے جا رہا تھا کہ گویا وہ اپنے اردگرد سے بے نیاز ہو کر کسی چیز کی طرف بھی متوجہ نہیں۔ رشید نے اپنے سامان میں سے کچھ پرانے چیتھڑے نکالے اور انتہائی صابرانہ انداز سے گندگی کو پونچھنا شروع کیا جبکہ احمد خلیل چوکیدار سے جھاڑو اور پانی کی بالٹی لینے کے لئے گیا۔ رشید نے اپنے اردگرد سردمہری کے انداز سے گھورنے والے لوگوں کی نگاہوں کو بڑی شدت سے محسوس کیا اور اُس نے بھی جواباً انہیں سخت نظروں سے دیکھا اور خلیفہ کی حفاظت کے خیال سے وہ اُس کے مزید نزدیک ہو گیا۔

غزہ ریلوے اسٹیشن کی اس پوری انتظارگاہ کے تمام مسافروں میں سے صرف احمد خلیل کا خاندان ہی ایسے افراد پر مشتمل تھا جو حج کے ارادے سے سفر کرنے والے تھے۔ محکمہ حج اور مصری حکومت دونوں کی جانب سے انہیں نااہل قرار دیتے ہوئے حج کی اجازت دینے سے انکار کر دیا گیا تھا۔ ملکی قوانین کی رُو سے انہیں ہر لحاظ سے حج کے لئے نااہل قرار دیا گیا تھا...... وہ مہاجر تھے اور فلسطینی مہاجروں کو ان مخدوش حالات میں حج کی اجازت نہیں تھی...... اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے کچھ نے حج کی کوشش کی یا اس کا ارادہ بھی کیا تو انہیں حکومت کی جانب سے انتباہ کیا گیا تھا کہ وہ مفلس و قلاش ہیں اور ان کے پاس مطلوبہ رقم اور زاد راہ نہیں ہے! اسماء کے ایام حمل اپنی آخری حدود پر تھے اور حاملہ عورتوں کو کسی صورت میں بھی حج پر جانے کی اجازت نہ تھی۔ خلیفہ کی عمر کم تھی اور بچے بھی حج کے لئے نااہل قرار دیئے گئے تھے۔ ایک مہربان اور ہمدرد افسر نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کسی قدر تحکم کے انداز میں اُسے بتایا کہ اندریں حالات تم پر یا تمہارے خاندان کے کسی فرد پر حج فرض نہیں ہے۔ اُنہوں نے انتہائی تحمل سے اُسے سمجھایا کہ حج زندگی میں صرف اُن لوگوں پر فرض ہے جو بھرپور صحت مند ہوں تاکہ اُن میں اتنی قوت ہو کہ وہ راستے کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلہ رکھتے ہوں اور ان کے پاس سفر میں خرچ کرنے کے لئے کافی رقم ہو اور ان کے اتنے وسائل ہوں کہ ان کے پیچھے اپنے اہل خاندان اور دست نگر افراد کے لئے یہ ذرائع زندگی گزارنے کے لئے کافی ہوں۔

Marfat.com

لیکن احمد خلیل نے ان تمام دلائل اور سنجیدہ مشوروں کو پرے پھینک دیا۔ حج اب اُس کے لئے صرف فریضہ ہی نہیں تھا بلکہ ایک ایسا کام تھا جس کی دُھن اس کے سر میں سما گئی تھی اُسے ایسا معلوم ہوتا کہ اُس کی زندگی کے اٹھارہ سال محض اور محض ان قیمتی لمحات کے لئے شروعات کی حیثیت رکھتے تھے۔ اُس نے حج کا پکا عزم کر لیا تھا' صرف اس لئے نہیں کہ حج اُس پر فرض تھا۔ بلکہ سچی بات تو یہ تھی کہ اب یہ سفرِ حج ہی اُس کے لئے ذریعہ معاش اور زندگی بسر کرنے کا واحد ذریعہ رہ گیا تھا......! حج کرنے کی دُھن اس کے سر میں سمائی ہوئی تھی۔ لیکن اس دھن میں شدت اس حقیقت سے بھی آ گئی تھی کہ یہ اُس کے لئے محض عام حج نہیں تھا کہ جس میں مکہ اور اس کے مضافات میں مناسک حج ادا کرنے اور اپنے گھر اور خاندان سے چند ماہ دور رہنے کے بعد وہ ازسرِ نو معمول کے مطابق اپنی زندگی کے روزمرہ کاموں میں مصروف ہو جاتا......! لیکن مہاجر ہونے کے سبب اس کا تو کوئی گھر تھا ہی نہیں! اس کے بجائے قیدیوں کے کیمپ میں خاردار تاروں کے جنگلے کی قید میں موت سے بدتر زندگی وہاں اُس کی منتظر تھی...... اُسے تو غزہ میں بھی جائے پناہ نہ مل سکی تھی۔ اب اُس کی واحد اُمید یہی تھی کہ وہ مدینہ منورہ میں ایک نیا اور مستقل گھر بنائے گا۔ حج اُس کے لئے ایک ہجرت اور روز افزوں برے مغربی اطوار و معاشرت کی ذہنی اذیتوں سے بچنے کے لئے ایک جائے پناہ اور پوری دنیا میں ایک مقدس ترین مناسک کی سرزمین کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ اگلے سال کا انتظار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اُسے خدشہ تھا کہ صدر ناصر کی ظالمانہ شخصی حکومت کی ہولناک گرفت اس علاقے پر مزید سخت ہو جائے گی اور یہاں کے لوگ اگر ویزا پاسپوٹ کے ذریعے بھی بیرونِ ملک جانا چاہیں گے تو اُن کا یہاں سے نکلنا محال ہو جائے گا۔

لہٰذا احمد خلیل نے اس والہانہ جذبے کے ساتھ اس سفر کا یوں عزم کیا کہ اُسے اس راستے میں پیش آنے والی ناقابلِ عبور مزاحمتوں کی بھی کوئی پروا نہیں تھی۔

ریل گاڑی کے انجن کی شوں شوں کی آواز نے احمد خلیل کو خیالوں کی دنیا سے چونکا دیا۔ ٹکٹوں کو اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑے ہوئے وہ ایک قطار کی صورت میں تھرڈ کلاس ڈبے میں داخل ہوئے اور لکڑی کے بنے ہوئے ایک سخت بینچ پر اپنی نشستیں سنبھال کر اکٹھے بیٹھ گئے۔ جب ریل گاڑی جھٹکے کے ساتھ چلنے لگی تو احمد خلیل خوفزدہ سا ہو گیا۔ اور اس کی تیز رفتاری کے خوف سے اُس کا اُوپر کا سانس اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ جاتا۔

Marfat.com

خلیفہ نے یوں چیخنا چلانا شروع کیا کہ ڈبے کا ہر مسافر اس کی طرف گھورنے لگ گیا۔ رشید اپنے چچازاد بھائی کو چپ کرانے کے ارادے سے اس کے پاس گیا۔ لڑکے نے اس کے ہاتھوں کی گرفت سے نکل کر اپنے جسم پر موجود واحد کرتا پھاڑ ڈالا اور بدحواسی سے چیختا ہوا نچلے درمیانی راستے کی طرف بھاگا ''مجھے باہر جانے دو! مجھے باہر جانے دو!''

جونہی ریل گاڑی کو جھٹکا لگا وہ ٹھوکر کھا کر گرا۔ کچھ مسافر مسکرائے۔ رشید انتہائی تیزی سے تقریباً بھاگتے ہوئے اس کی طرف گیا۔ اُسے اُس کی قمیض پہنائی' اپنے مضبوط سیاہ بازوؤں میں اُسے اُٹھا کر واپس اس کی نشست پر بٹھا دیا۔

تمام مسافروں نے گردنیں اُٹھا کر ادھر دیکھنا شروع کر دیا جبکہ بچے حیرت زدہ کھلی آنکھوں کے ساتھ بڑے تجسّس سے اپنے بنچوں پر چڑھ گئے تاکہ اس منظر کو اچھی طرح دیکھ سکیں۔ اُن کے بالمقابل نشست پر بیٹھے ہوئے مصری مسافر نے بڑی جلدی سے نشست کے نیچے پڑا ہوا اپنا سامان کھینچ کر باہر نکالا اور تیزی سے بھاگتا ہوا ڈبے کے دوسرے حصے کی طرف چلا گیا۔ چند ہی سیکنڈ میں آدھا ڈبہ اُن کے تصرف میں تھا۔

رشید نے بقیہ مسافروں پر ایک غصے بھری نگاہ ڈالی اور خلیفہ کو مضبوطی سے اپنے ساتھ بھینچ کر اُسکے بے ہنگم گھنگریالے بالوں میں ملائمت سے ہاتھ پھیرنے لگا۔ اچانک اُس کی نظر اُن بے شمار نوجوان شرارتی لڑکیوں پر پڑی جو راہداری کے پار اپنی نشستوں پر بیٹھی ہوئی ابھی تک ٹکٹکی باندھ کر اِس طرف دیکھے جا رہی تھیں اور معنی خیز اشاروں کے ساتھ دبی دبی ہنسی ہنس رہی تھیں۔ رشید نے فوراً خلیفہ کی قمیض کو کناروں سے کھینچتے ہوئے اُس کی ٹانگوں اور پوشیدہ اعضاء کو ڈھانپ دیا۔ خلیفہ بتدریج آرام محسوس کرتے ہوئے ستانے لگا اور رشید کے فراخ اور مضبوط کندھے سے اپنا سر لگائے ہوئے وہ باقی تمام راستہ سوتا رہا......

یہ عین دوپہر کا وقت تھا جب غزہ سے چلی ہوئی ریل گاڑی' بحرہ احمر کی مصری بندرگاہ قنطارہ کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئی۔ وہ ابھی اسٹیشن کے پلیٹ فارم سے نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ انہیں پولیس کے ایک سپاہی نے دھر لیا۔

''مجھے اپنے کاغذات دکھاؤ!'' اُس نے سختی سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

اُس نے کاغذات پر ایک سرسری سی نظر ڈالی اور پھر انہیں احمد خلیل کے منہ پر دے مارا۔ ''یہ کیا ہے؟'' وہ چلایا۔ تمہارے پاسپورٹ کہاں ہیں؟ تمہارا ویزا' شناختی تصاویر'

Marfat.com

تمہاری صحت کے سرٹیفکیٹ؟ تم تو مصر کے شہری بھی نہیں ہو! میں تم تمام کو غیر قانونی طور پر سرحد عبور کرنے کے جرم میں جیل بھیج دوں گا......"

رشید نے پولیس کے سپاہی سے اُسی کا بھاری ڈنڈا چھین کر اُس پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ ایک ڈنڈے سے ہی بے ہوش ہو کر زمین پر گرا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ پولیس کے مزید سپاہی انہیں پکڑنے کے لئے پہنچتے وہ خود کو ہجوم میں گم کر چکے تھے۔

بندرگاہ حاجیوں کے جہازوں سے بھری ہوئی تھی۔ بڑے بڑے دیوہیکل اعلیٰ وجدید بحری جہاز موجود تھے۔ لیکن ان کے کرائے احمد خلیل کی پہنچ سے کہیں باہر تھے اور وہ کہیں بھی حتیٰ کہ عرشہ یعنی جہاز کے ارزاں ترین حصہ میں بھی نشستیں محفوظ نہ کروا سکا۔ جدہ کی بندہ گاہ تک پہنچنے کے لئے' سستا ترین راستہ تلاش کرنے کی جستجو میں وہ ایک ایک جہاز اور ایک ایک سٹیمر اور کشتی تک پہنچے۔ حتیٰ کہ انہوں نے کویت سے آیا ہوا ایک قدیم ترین قسم کا پرانا جہاز تلاش کر لیا اور جو غالباً اس نوع کی وضع کے جہازوں میں آخری جہاز تھا اور یہ بحری جہاز اپنی گنجائش سے کہیں زیادہ صحرائے سینا کے قبائلی بدوؤں' مصری کسانوں' اور وسطی افریقہ کے تنومند لمبے تڑنگے سیاہ فام حبشیوں سے اٹا پڑا تھا......! یہ تمام مکہ کو جانے والے حاجی تھے۔

جونہی جہاز کے کپتان کی نظر اُن پر پڑی تو وہ دُرشتی سے اپنا بازو ہوا میں لہراتے ہوئے چلایا' "اب مزید جگہ کوئی نہیں! کوئی نہیں! سمجھے؟ یہ جہاز تو پہلے ہی اپنا گنجائش سے کہیں زیادہ بھرا ہوا ہے اور اگر تم بھی اس میں سوار ہو گئے تو یہ ڈوب جائے گا! اب یہاں سے دُور ہو جاؤ"

اس کی باتوں کو سنا ان سنا کرتے ہوئے وہ بدحواسی کے سے انداز میں لوگوں کے اژدہام کے درمیان اپنا راستہ بناتے آگے بڑھتے گئے۔ وہ چیختے چلاتے جہاز میں داخل ہونے کی کوشش کرتے رہے......! حتی کہ جہاز کا عملہ اور افسران احمد خلیل کی طرف سے کرایہ کے لئے پیش کیے ہوئے حقیر ترین معاوضہ پر اس شرط پر راضی ہوئے کہ اگر تمہیں جدہ پہنچ کر وہاں سعودی عرب کی شہریت مل گئی تو پھر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن یہ تمام سفر تمہیں اپنی ذمہ داری پر طے کرنا ہوگا۔ اسی اثنا میں جہاز روانہ ہو چکا تھا اور جب انہوں نے اس بحث بحثی سے نجات پائی تو اُنہوں نے جہاز کو سمندر کے پانیوں کے وسط میں پایا۔

پہلے پہل تو وہ مطمئن اور مسرور انداز میں بیٹھے ہوئے جہاز کے قدیمی اور

Marfat.com

مرورِایام سے سیاہ شدہ تختوں سے جھاگ دار لہروں کو ٹکراتے ہوئے دیکھتے اور مسحور ہوتے رہے کیونکہ ان کی زندگی میں سمندر میں سفر کرنے کا یہ پہلا موقع تھا......! دونوں طرف بے برگ و بار فلک بوس پتھریلے کوہستانی سلسلے حدِاُفق تک بحرۂ احمر کے ساتھ ساتھ حدود قائم کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے...... اور اسی سے انہیں اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ زمین کا منظر اُن کی آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہونے پائے گا۔ جوں جوں دن چڑھتا گیا دُھوپ کی حدت میں اضافہ ہوتا گیا اور اب تو یوں محسوس ہونے لگا کہ سورج بے رحمی سے اُن پر آگ برساتے لحہ بہ لحہ اس آتش فشانی میں اضافہ کرتا جا رہا ہو۔ اُنہیں چند خوش قسمت لوگوں پر رشک آ رہا تھا جنہوں نے ایک بادبان کا محرابی سایہ بنا کر دُھوپ سے بچنے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔

جہاز کے کپتان نے احمد خلیل کو حکم دیا کہ وہ ابھی اور فوری طور پر اسماء کو خواتین کی رہائش گاہ کے حصے میں بھیج دے۔ جہاں اُس نے دیکھا کہ تقریباً بیس دیگر اطاعت شعار بیبیاں ''گٹھڑیوں'' کی صورت میں سیاہ کپڑوں میں ملبوس ٹھنسی پڑی ہیں۔ ان کی یہ رہائش گاہ عرشہ کے نیچے والی کوٹھری میں تھی۔ جہاں اُنہیں اسی اژدہام و ہجوم میں اپنے شیرخوار' بچوں اور سامان کے ہمراہ مزید تین یا چار ہفتے قیام کرنا تھا۔ لیکن احمد خلیل کی نظر میں یہ جگہ تو خوفزدہ کرنے والی تھی......! تاریک اور ہوا دار روشندانوں کے بغیر! اُسے ڈر تھا کہ ہوا اور روشنی سے محروم اس جگہ پر اسماء دم گھٹنے سے مر جائے گی۔ اور اُس نے اسماء کو اس اذیت دہ جگہ پر بھیجنے سے صاف انکار کر دیا۔ آخرکار جب اُس نے کپتان کو ایک اور سکہ دیا تو کپتان نے اُسے اور اسماء کو عرشے پر ٹھہرانے کی اجازت دیدی۔ لیکن ساتھ ہی یہ شرط رکھی کہ وہ اسماء کو مردوں سے علیحدہ جگہ پر اور سر سے لے کر پاؤں تک نقاب میں رکھے گا۔ اسماء نے ہانڈی کو تیل کے چولہے پر رکھ دیا۔ وہ یہ سوچتے ہوئے مطمئن تھی کہ احمد خلیل کا خیال درست تھا کہ ہمیں اپنے ساتھ خوراک کافی مقدار میں لینی چاہیے کیونکہ جہاز پر خوراک مہیا ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

جب اُن کی نزدیکی پانی کی ٹونٹی میں پانی آنے کی رفتار کم ہو گئی تو احمد خلیل نے اپنا مشکیزہ لیا اور بڑی جدوجہد سے ہجوم میں سے پانی کی ٹینکی تک اپنا راستہ بنایا جہاں قیمتی سیال نما پانی بڑی کفایت شعاری تقسیم کیا جا رہا تھا۔ اور یہاں سخت دھکم پیل کا یہ عالم تھا ہر کوئی اس بات پر اُدھار کھائے بیٹھا تھا کہ پانی کے لئے سب سے پہلے میری باری

Marfat.com

آ جائے۔ کیونکہ پانی سب کی ضروریات کے لئے کافی نہیں تھا اس لئے پانی کے برتنوں' بالٹیوں' مشکیزوں' تیل کے ٹوٹے ہوئے ڈبوں کو ہاتھوں میں لئے ہوئے لوگوں کے اژدہام میں پانی حاصل کرنے کی جدوجہد میں وہ اپنے قدم آگے بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا...... یہ ایک پریشان کن منظر تھا...... لیکن آخرکار اُس کی باری بھی آ گئی......

بحری جہاز اور اس کے اردگرد کی زندگی اور ماحول کے مناظر نے احمد خلیل کو موہ لیا۔ اُس جہازران عملے کی سرگرمیوں کو دیکھتے رہنا بہت پسند تھا۔ جن کی اکثریت اُن لوگوں پر مشتمل تھی جو غلام رہ چکے تھے یا غلاموں کی اولاد میں سے تھے۔ اُن کا واحد پہناوا ایک ڈھیلا ڈھالا سفید سوتی چوغا تھا۔ جس کے نیچے ایک کمربند اُن کے جسم کے ساتھ مضبوطی سے بندھا ہوتا جس میں اُن کی رقم محفوظ تھی۔ سورج کی شدید گرمی کے سامنے اُن کی واحد ڈھال اُن کی سیاہ فام جلد تھی۔ وہ تجربہ کار اور منجھے ہوئے جہازران تھے' اوائل عمر ہی سے وہ جہازوں میں اپنی عملی زندگی کا آغاز کرتے اور اُن کی پوری زندگی بحری جہازوں میں گزر جاتی۔ اُن کی زندگی کا انحصار اُبلے ہوئے چاولوں' کھجوروں کی خوراک اور اُن مچھلیوں پر تھا جو اس بحری سفر میں اُن کے ہاتھ لگتی تھیں۔ احمد خلیل اُس وقت انہیں بڑے غور سے دیکھتا جب وہ اپنے کپتان کے قبلہ نما کی مدد سے سمتِ قبلہ کا تعین کرتے ہوئے روزانہ پانچوں وقت نماز پڑھتے...... بادبانوں کو اُونچا کرتے ہوئے ننگے پاؤں ڈھلوان چھت پر چڑھ جاتے' وہ اتنے پھرتیلے اور تیز تھے کہ شاذونادر ہی کوئی حادثہ رونما ہوتا۔

کئی مستولی جہاز بڑے سلیقے اور باوقار انداز میں اُن کے سامنے سے دھیمی رفتار میں ہلکورے لیتے ہوئے گزرتے۔ ان جہازوں کے سفید کپڑے کے بادبان ہلکی ہوا میں لہراتے ہوئے بہت بھلے معلوم ہوتے تھے۔ یہ وہی منظر تھا جو آج سے ایک ہزار سال قبل کے مناظر کی یاد دلاتا تھا جب احمد خلیل کے آباؤ اجداد مشرق بعید تک کے تمام سمندروں اور بحری دُنیا پر حکمرانی کرتے تھے...... اور اُس وقت اُنہوں نے دنیا کے دور دراز علاقوں ہندوستان' چین' ملائشیا اور جاوا تک کے سمندروں کے پانیوں کو کھنگال ڈالا تھا۔ اور پوری دنیا میں وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی بین الاقوامی تجارت کا سارا نظام اُن کے ہاتھوں میں تھا۔

رات پڑ چکی تھی اور ہر طرف خاموشی چھا گئی تھی' لنگر گرا دیا گیا تھا اور جہاز رُک گیا تھا۔ ہر کسی نے جہاز کے عرشے پر اپنا اپنا کھانا خود ہی پکایا اور جہاز کے عملے کے لوگ

Marfat.com

آگ کی خاکستر پر پکائی ہوئی مچھلیوں اور خمیرے آٹے کی روٹیوں کے لذیذ کھانے میں مگن تھے۔

بحری جہاز تقریباً دو سو مسافروں سے بھرا ہوا تھا اور احمد خلیل حیرت سے سوچ رہا تھا کہ یہ اتنے لوگ کہاں سوئیں گے۔ ہوا یہ کہ مسافروں کے سونے کے بعد جہاز کے عملے کے ارکان نے اپنے کھردرے بستر کھولنے شروع کیے جو بادبان کے رسوں میں باندھ کر لپیٹے ہوئے تھے۔ یہ بستر اُنہوں نے عرشے کے تختے پر پڑی ہوئی زنجبار کے لئے بھیجی جانے والی عراقی کھجوروں کی بوریوں کے ڈھیر پر بچھائے اور جہاں کسی کو جگہ ملی وہیں پڑ کر سو گیا۔ افریقہ کے کچھ قبائلی اکڑوں بیٹھنے کی حالت میں ہی سو گئے تھے۔

اگر خلیفہ ان کے ہمراہ نہ ہوتا تو احمد خلیل اور رشید یہاں بہت خوش رہتے۔ لیکن خلیفہ کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ تمام دن اکڑوں حالت میں بے حس و حرکت اور خاموش بیٹھا رہتا۔ اُس کے دبلے پتلے بازو اس کی منحنی ٹانگوں کے گرد حمائل ہوتے۔ اُسے صفائی کا بھی کوئی خیال نہ ہوتا۔ کوئی چیز بھی اُسے کھانے کے لئے دی جاتی تو وہ سختی سے انکار کر دیتا اور اب تو اُس کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ بے خوابی کے عارضے کا بھی شکار ہو گیا تھا۔ جب دونوں اُسے کھانا کھلانے کی کوشش کرتے تو وہ جواب میں انہیں ٹھوکریں مارتا' اُن سے ہاتھا پائی کرتے ہوئے لڑتا اور چیختا ''تم مجھے زہر دے رہے ہو! تم مجھے زہر دے رہے ہو!'' احمد خلیل اور رشید اُسے اپنی پوری قوت سے پکڑ کر لٹاتے ہوئے اُس کے حلق میں پانی اور اُبلے ہوئے مسور انڈیل دیتے۔ جب بھی احمد خلیل اُسے بڑی منت اور پیار سے کھانے کی دعوت دیتا تو خلیفہ کہتا کہ مجھے یقین ہے کہ ''دُشمن'' یہاں آئے تھے اور اس کے کھانے اور پانی میں زہر ڈال گئے ہیں۔ لہٰذا یہ سب کچھ ہی ناقابل برداشت حد تک تلخ ذائقے والے کھانے میں تبدیل ہو گیا ہے۔ وہ مسلسل دردِ سر کی شکایت کرتا۔ رشید کے خیال میں یہ سب کچھ گرمی کی شدت کے سبب تھا۔ اس لئے وہ سمندر کے پانی سے اُس کے ہاتھ منہ دھلواتا' اُسے نہلاتا' کہ اُسے کچھ ٹھنڈک پہنچے اور وہ آرام کر سکے۔ لیکن بیماری کے سبب اُسے سکون میسر نہ تھا۔ وہ کئی کئی گھنٹے مسلسل روتا رہتا' چیختا چلاتا' زمین پر لوٹتا اور تھکاوٹ کے باعث اُسے چکر آنے لگتے لیکن اُسے نیند نہ آتی۔ حتیٰ کہ آدھی رات کے وقت بھی وہ اس طرح لیٹا ہوا ہوتا کہ اُس کا جسم تناؤ کی حالت میں ہوتا وہ کھلی آنکھوں کے ساتھ اندھیرے میں گھورتا رہتا۔ احمد خلیل اور رشید اُس وقت دہشت

Marfat.com

زدہ ہو جاتے جب وہ انہیں بھی پہچاننے سے انکار کر دیتا۔ دن سے رات ہو جاتی اور رات ایک ڈراؤنا خواب بن جاتی۔ رات ہی پوری زندگی پر محیط ایک کابوس بن کر رہ گئی تھی جس سے وہ نجات کی کوئی صورت نہ پاتا......

دریائے نیل کی بالائی وادی کے ایک ادھیڑ عمر کسان کے پاس قرآن مجید کا ایک پرانا سا نسخہ تھا' جو کہ مرور ایام سے تقریباً گھس چکا تھا۔ وہ کسان جہاز کے عرشے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتا اور اپنی پاٹ دار آواز میں اس نسخے سے تلاوت کرتا۔ جونہی وہ تلاوت شروع کرتا۔ اس کے اردگرد مسافر ایک ہجوم کی شکل میں سب دائرہ بنا کر بیٹھ جاتے۔ قرآن مجید کا یہ نسخہ اس دائرے میں ہاتھوں ہاتھ ہوتا ہوا ہر اُس مرد اور لڑکے' کے پاس پہنچتا جو کہ اس میں سے چند آیات تلاوت کرنے کی استعداد رکھتا تھا۔ اس کے بعد اُن کا سارا سارا دن پڑھی ہوئی ان آیات پر ایک طول طویل گفتگو میں گزر جاتا۔ ہر شریک گفتگو اپنا نقطہء نظر اور اپنی تشریح و ترجمانی اپنے اپنے انداز میں پیش کرتا جب اُن کی گفتگو چلتی ہوئی کسی خاص الخاص دل چسپ نکتہ پر پہنچتی تو اُن سب کی آوازیں جوش و خروش سے ہم آہنگ ہوتی ہوئی بلند ہو جاتیں۔

کئی دن گزر چکے تھے' خلیفہ عرشے کے دور دراز کونے میں اکیلا ہی دبکا ہوا بیٹھا رہتا۔ وہ ہلنے جلنے حتیٰ کہ کھانے پینے سے بھی انکار کر دیتا اور ان دنوں تو یہ عالم ہو گیا تھا کہ وہ رفعِ حاجت کے معاملات سے بھی بے نیاز ہو گیا تھا۔ یہ صرف رشید ہی تھا کہ جسے خلیفہ خود کو کھانا کھلانے یا نہ کھلانے یا اپنے ہاتھ منہ صاف کرنے کی اجازت دیتا۔ پھر آہستہ آہستہ بتدریج کچھ دن بعد اُس نے اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھنا اور سمجھنا شروع کیا۔ آخرکار ایک دن وہ اپنے پاؤں پر خود ہی اُٹھا اور چلتا ہوا عرشے پر جمع آدمیوں کے حلقہ تک پہنچ گیا۔ اور خلیفہ نے اُن سے کہا کہ مجھے قرآن پاک دو تو اُن آدمیوں میں سے ایک نے اُسے لمبی ٹونٹی والا آفتابہ تھما دیا جو سمندر کے پانی سے بھرا ہوا تھا ''تمہیں سب سے پہلے طہارت اور وضو کا اہتمام کرنا چاہیے'' خلیفہ نے فوراً ہی اُس کے کہنے پر عمل کیا۔ جب اُس نے قرآن پاک لے کر کھولا تو تمام حاضرین اُس کی تلاوت کی روانی اور خوش اسلوبی سن کر حیران رہ گئے۔

اُن آدمیوں میں سے ایک بول اُٹھا ''دیکھو! یہ لڑکا کتنے خوبصورت انداز سے قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے۔ بالکل ایک ماہرِ فن قاری کی طرح''

Marfat.com

پھر وہ لڑکے کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا۔ ''تم نے قرآن پاک کس سے پڑھا ہے''؟

''الاخوان المسلمون سے''

ایک دُوسرے آدمی نے پوچھا ''کیا تمہیں کچھ آیات زبانی بھی یاد ہیں؟''

لڑکے نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''میں نے آدھا قرآن پاک حفظ کیا ہوا ہے۔ میں نے یہ سکول میں پڑھا تھا''

''تو پھر قرآن پاک میں سے جہاں سے تمہارا جی چاہے ہمیں بھی کچھ سناؤ......''

(''خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اِس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہو گئے۔ پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی۔ پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے......

اور دُنیا کی زندگی تو متاعِ فریب ہے...... دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور اپنے رب کی مغفرت اور اُس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے' جو مہیا کی گئی ہے اُن لوگوں کے لئے جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں۔ یہ اللہ کا فضل ہے' جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے' اور اللہ بڑے فضل والا ہے......)

(سورہ الحدید۔ آیات ۲۰۔۲۱)

جب خلیفہ نے اپنی مضبوط اور واضح آواز میں اس سورۃ کے آخر تک اپنی تلاوت جاری رکھی' تو وہاں پر موجود لوگوں کے منہ حیرت کے مارے کھلے کے کھلے رہ گئے اور وہ بڑے تعجب اور حیرت سے اسے دیکھتے ہی رہ گئے......

''میں اس کے معنی و مفہوم بھی جانتا ہوں......''

''اگر واقعی تم اس کے اہل ہو'' حاضرین میں سے ایک بوڑھے آدمی نے ہانپنے کے انداز میں کہا ''تم پھر اپنے سن و سال سے کہیں زیادہ سمجھ دار اور دانا ہو اور بے شک تم

Marfat.com

الازہر یونیورسٹی میں داخلہ حاصل کرنے کا استحقاق رکھتے ہو!''

اور اس کے بعد تو یہ عالم ہو گیا کہ تمام مسافر خلیفہ کا خصوصی احترام کرتے ہوئے اس کا خاص خیال رکھتے......! ایسا احترام جس کی حدیں عقیدت سے متصل تھیں......

قرآن پاک کے مذکورہ نسخے کا مالک مصری کسان بڑی شفقت و محبت اور اصرار سے خلیفہ کو اپنے پہلو میں بٹھا کر اُس حج کی سرگزشت سنا سنا کر اُس کا دل بہلاتا رہتا۔ جو آج سے بیس سال قبل اُس نے ادا کیا تھا اور اپنے چھوٹے بیٹے کے بارے میں نہ ختم ہونے والی باتیں سناتا جسے الازہر یونیورسٹی کا طالبعلم ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ صحرا کے بادیہ نشیں بدُّو اپنے لمبے اُلجھے ہوئے بالوں اور کھردری وضع قطع اور جُثّے کے ساتھ خلیفہ کو احترام بھری نگاہوں سے دیکھتے رہتے۔ وہ اُسے کھجوریں' گڑ اور شکّر پیش کرتے اور اپنی استطاعت سے بڑھ چڑھ کر بہترین کھانا پکا کر اُسے دعوتِ طعام دیتے۔

اُس رات خلیفہ سکون سے سویا رہا۔ احمد خلیل کافی دیر تک چاند کی چاندنی میں اُس کے اُترے ہوئے لیکن پرسکون چہرے کو دیکھتا رہا۔ جسے نیند آنے سے ہی سکون کی دولت نصیب ہو سکی تھی۔ کیونکہ وہ کئی راتوں سے سو نہیں سکا تھا۔ اور احمد خلیل اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ جس نے اُن کی دُعائیں سن لی تھیں کہ خلیفہ کو نیند آنا ایک معجزے سے کم نہیں تھا' اُس نے بڑی نرمی اور آہستگی سے خلیفہ کی پیشانی پر گری ہوئی بے ہنگم بالوں کی لٹیں دُرست کیں اور اس کے بعد اُس کے پہلو میں اندھیرے میں خود بھی لیٹ کر سو گیا۔

جوں جوں جہاز آگے بڑھتا ہوا اپنی منزل کے نزدیک ہوتا جا رہا تھا۔ احمد خلیل تمام وقت ''رہنمائے حج'' نامی ایک پھٹی پرانی کتاب کا مطالعہ بڑے شوق سے کرتا رہتا۔ جس کی کئی کاپیاں جہاز کے کپتان نے اُن تمام مسافروں میں تقسیم کر دی تھیں جو خواندہ تھے۔ وہ اکٹھے ایک حلقے میں بیٹھ کر تمام وقت دعائیں اور مناجات یاد کرنے' مناسک حج کے آداب و ضوابط سیکھنے میں مصروف رہتے۔ حج جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُسوہ کی یاد تازہ کر دیتا ہے جنہوں نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ تعمیر کرنے کے بعد اسے ہمیشہ کے لئے صرف سچے خدائے واحد کی عبادت کے لئے وقف کر دیا۔ کوئی لکھا پڑھا آدمی ان پڑھ حاضرین کے سامنے ''رہنمائے حج'' کو اُونچی آواز میں پڑھتا اور جب بھی مکّہ مکرمہ کا ذکر آتا تو سب حاضرین کے چہرے وفورِ مسرت سے چمک

Marfat.com

اُٹھتے۔

آج پھر اندھیرا چھا چکا تھا اور احمد خلیل جہاز میں لدے ہوئے سامان کی بوریوں سے ٹیک لگا کر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ وہ نئے چاند اور صاف سیاہ آسمان کے خوبصورت منظر میں کھویا ہوا تھا۔ ہزاروں تارے چمک رہے تھے جن کی تابانی سے پورا آسمان روشن دکھائی دیتا تھا۔ ذوالحجہ کا مہینہ یعنی حج کے ایام شروع ہو چکے تھے...... اور ہر کوئی چاند کی شکلیں دیکھ کر ہی فوراً معلوم کر لیتا کہ آج مہینے کا کون سا دن ہے۔ معاً اُس نے اپنے پاس ہی ایک اور آدمی کی موجودگی کو محسوس کیا۔ جب اُس نے اُدھر نظر کی تو اُس نے دیکھا کہ ایک لمبے تڑنگے قد اور مضبوط کلے ٹھلے والا افریقی نوجوان حبشی عین اُس کے سر پر کھڑا ہے۔ اگرچہ وہ اُس کے لئے مکمل اجنبی تھا لیکن وہ اُسے دیکھ کر مُسکرا رہا تھا۔ اتنی بھرپور مسکراہٹ کہ اُس کے سپید دانت بھی نظر آ رہے تھے۔ اُس نے اصرار کرتے ہوئے کہا ''مہربانی فرما کر میرے ساتھ چلیں۔ میں بالکل تنہا ہوں۔ اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ سے باتیں کروں''۔ احمد خلیل اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑا اور وہ دونوں بالکل ایک الگ تھلگ گوشہ میں ایک بڑے محرابی بادبان کے نیچے پہنچ گئے۔ دیگر مسافر اور جہاز کے عملہ کے بیشتر افراد گہری نیند سو رہے تھے۔ لیکن ان دونوں کی نیند اس خوشی میں کافور ہو چکی تھی کہ جہاز اگلے دن جدہ پہنچنے والا تھا۔ اُس نے ٹوٹی پھوٹی عربی اور اشاروں کی مدد سے احمد خلیل کو بتایا کہ کس طرح اُس نے اپنے قبیلہ کی مروّجہ بت پرستی اور مظاہر پرستی کو چھوڑ کر کانگو کے ایک تاجر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا' جو اُسے اپنے آبائی گاؤں میں ملا تھا۔ اُس کا چھوٹا سا دُور افتادہ گاؤں نائیجیریا کے گرم ترین علاقے میں واقع تھا۔ اُس نے اپنی رُوداد میں بیان کیا کہ وہ براعظم افریقہ کے دشوار گزار علاقوں میں سے دو سال کا عرصہ پیدل چلتا رہا تاکہ حج کے وقت مکہ معظمہ پہنچ سکے۔ جب احمد خلیل نے اس کے چہرے پر لگے ہوئے گہرے قبائلی زخم دیکھے جو اُس کے چہرے کو ابھی معصوم اور مقدس بنا رہے تھے تو احمد خلیل نے اپنا گندمی ہاتھ نرمی سے اُس کے مضبوط سیاہ بازو پر رکھتے ہوئے کہا ''تم میری نسبت کہیں زیادہ اچھے اور نیک ہو' کیونکہ جو شخص اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس کا درجہ پیدائشی مسلمان سے کہیں زیادہ بہتر ہے......!''

جب سمندر کی لہروں سے آہستہ آہستہ ہلتا ہوا جہاز اِدھر اُدھر جھولتا تو جہاز کی

Marfat.com

چھت کے تختوں سے چرچراہٹ کی آواز سنائی دیتی اور اس سے ان دونوں پر اُونگھ طاری ہو گئی تھی۔ وہ دونوں عرشے کے ننگے کھردرے تختوں پر سامان کی بوریوں سے ٹیک لگائے پاؤں پسار کر پہلو بہ پہلو دراز تھے کہ نیند نے اُنہیں آلیا......

جہاز دو دن کی تاخیر سے جدہ کی بندرگاہ پر پہنچا' کیونکہ سمندر میں چلنے والی ہوا تھم گئی تھی' جس سے جہاز بہت دیر تک سمندر کے پانیوں میں ساکن ٹھہرا رہا تھا اس طرح کئی گھنٹے معمول سے ہٹ کر تاخیر ہو گئی تھی۔ جب جہاز بندگاہ پر لنگر انداز ہوا تو وہاں کے ایک افسر نے یہ کہتے ہوئے مسافروں کو بندرگاہ پر اُترنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

''اُس جہاز کا کپتان ایک رُسوائے زمانہ سمگلر ہے۔ میں اُسے بڑی مدت سے جانتا ہوں۔''انسانوں کے اس ہجوم میں غلام لاد کر لایا ہے' جیسا کہ گزشتہ سالوں میں بھی وہ انسانوں کو سمگل کر کے بطورِ غلام بیچ چکا ہے۔ اُن میں سے کسی کے پاس بھی ویزا پاسپورٹ نہیں تھا۔ وہ سب یہاں گھس بیٹھے بن کر بسنا چاہتے تھے۔ وہ تمام کے تمام یہاں غیرقانونی طور پر داخل ہوئے تھے'' اُس نے غراتے ہوئے کہا ''لے جاؤ انہیں واپس جہاں سے انہیں لائے ہو''

جبھی رُتبے میں اعلیٰ ایک دوسرے افسر نے اس سے جھگڑنا شروع کر دیا ''تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو؟ کیا تم خود کو خدا سمجھتے ہو؟ انہیں حج جیسے مقدس فریضے سے روکنے اور ان سے جرائم پیشہ لوگوں جیسا سلوک والے تم کون ہوتے ہو؟ جب روزِ قیامت کو تم سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کیوں کیا؟ تو تم کیا جواب دو گے''؟ وہ جہاز کہ کپتان سے مخاطب ہوا اور اپنے بازو لہراتے ہوئے حکم دیا کہ جہاز کو کنارے پر لایا جائے'' میں تمام ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ اب ہم انہیں جراثیم کش حفاظتی ادویات دیں گے...... اور یہ اپنے شناخت نامے بنوا کر حفاظتی ٹیکے لگوائیں گے اور میں انہیں یقین دہانی کراتا ہوں کہ ہدایات کے ہمراہ ضروری کاغذات بنوا کر ان کے حوالے کر دیئے جائیں گے......''

آخرکار وہ تیار ہو کر ہجوم کے ہمراہ بندرگاہ سے ملحق احاطے کے آخری حصے پر پہنچے جہاں بالکل ایک ہی وضع کی سرخ رنگ کی درجنوں بسیں کھڑی تھیں۔ احمد خلیل اور رشید کا خیال تھا کہ یہ سفر پیدل ہی کیا جائے۔ لیکن اسماء کی حالت کے پیشِ نظر یہ ممکن نہ

Marfat.com

تھا۔ بس کے اندرونی حصے میں باقاعدہ نشستوں پر بیٹھنے کا کرایہ اُن کی پہنچ سے کہیں باہر تھا۔ لہٰذا وہ نصف کرایہ ادا کر کے بس کی چھت پر سامان کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔ دیگر حاجیوں میں سے اکثریت نے بھی یہی طریقہ اپنایا اور یوں بس کی چھت مسافروں سے اس طرح اٹ گئی کہ اب وہاں مزید ایک آدمی کے اکڑوں بیٹھنے کی جگہ بھی باقی نہ رہی۔ احمد خلیل' خلیفہ' رشید اور اسماء بھی ملایا' جاوا' سماٹرا اور فلپائن کے حاجیوں کے ہجوم کے درمیان تقریباً پھنس کر بیٹھے ہوئے تھے۔ چونکہ بس کے تمام مسافروں میں سے عربی النسل صرف احمد خلیل کا خاندان تھا۔ اس لئے وہ دیگر تمام حاجی مسافروں کی گہری توجہ اور تجسس کا مرکز بن گئے۔ ملایا کا ایک ادھیڑ عمر آدمی' جس نے سر پر پگڑی باندھی ہوئی تھی احمد خلیل کی طرف دیکھ کر مسکرایا...... لیکن احمد خلیل کی نظر سرخ زخموں سے بھرے ہوئے اس کے چہرے اور اس کے خراب شدہ سیاہ دانتوں کے بچے کھچے ٹھنٹھ نما ٹکڑوں پر پڑی' جو مسوڑھوں تک پھیلے ہوئے تھے' تو وہ کراہت اور تنفر کے ملے جلے احساس سے اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

بس کو روانہ ہونے میں تقریباً ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ کی تاخیر ہو گئی بس سٹاپ پر سورج آسمان سے شعلے برسا رہا تھا اور گرمی سے بچاؤ کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ انہیں شدید پیاس لگی ہوئی تھی اور ملایا کی معتدل آب و ہوا کے علاقے سے آئے ہوئے مسافروں کے پاس پیاس بجھانے کے لئے کوئی انتظام نہیں تھا۔ اُن کی قابلِ رحم حالت کو دیکھتے ہوئے احمد خلیل نے بکری کی کھال کا بنا ہوا اپنا مشکیزہ پانی سے بھرا۔ پہلے اُس نے خود جی بھر کر پیا اور اس کے بعد وہ اُس نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے مسافروں کو تھما دیا۔ تقریباً ایک دو درجن کے لگ بھگ بھورے نرم ہاتھوں میں سے یہ مشکیزہ ہاتھوں ہاتھ ہو کر ہر ایک مسافر تک پہنچا اور سب نے جی بھر کر پانی پیا اور اس کا شکریہ ادا کیا حتیٰ کہ خالی مشک اُس کے پاس واپس پہنچ گئی۔

اور جب بس بالکل حال ہی میں تعمیر شدہ نئی سڑک پر روانہ ہوئی تو اس کے پیچھے بسوں' کاروں اور ٹرکوں کے قافلہ کی ایک طویل قطار تھی۔ تمام بسیں اور دیگر ٹرانسپورٹ یہ سب اپنی گنجائش سے کہیں زیادہ ہزاروں حاجیوں سے اٹی پڑی تھیں۔ وہ تمام دیگر چھتوں پر سوار دیگر مسافروں کے ساتھ بدحواسی کے سے انداز میں بسوں کی چھتوں کے جنگلوں سے گویا لٹکے ہوئے تھے۔ لیکن جونہی شہر مکہ نزدیک آیا تمام ناقابلِ فہم کھسر پھسر اور شوروغوغا پر مبنی باتیں بند ہو گئیں۔ صرف بس کے چلنے کی آواز ہی خاموشی میں سنائی دے رہی تھی۔

Marfat.com

اب سب کی آنکھیں اور ذہن اُس منظر پر مرتکز ہو کر رہ گئے' جو اُن کے عین سامنے تھا اور ہر چہرے پر بالکل ایک جیسا تاثر طاری تھا۔ جس نے ان تمام کو دیکھنے میں ایک بنا دیا تھا۔

معاً بس ایک جھٹکے کے ساتھ رُک گئی۔ اور احمد خلیل بھی اُس ہجوم میں شامل ہو گیا' جس سے مکہ معظّمہ کی تنگ گلیاں بھری پڑی تھیں۔ اسماء مضبوطی سے اُس کا بازو پکڑے ہوئے تھی اور اس کا بھائی اور چچا زاد اُن کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے...... احمد خلیل ایک ایسی ناقابل بیان مسرت سے ہمکنار تھا کہ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گویا وہ آسمان کی بلندیوں میں خراماں خراماں چل رہا ہے اور یہ کیفیت اُسے کسی حسین خواب کا حصہ معلوم ہو رہی تھی۔ وہ تمام اشیائے خوردنی اور دیگر ضروری سامان اپنے ہمراہ لے کر آیا تھا۔ اور جب تک کوئی اشد ضرورت نہ پڑتی وہ کوئی بھی چیز خریدنے سے گریزاں ہی رہا۔ کیونکہ وہ سن چکا تھا کہ ایام حج میں بڑی بڑی دکانوں کے مالک حریص تاجر اور حتیٰ کہ گلیوں میں سودا بیچنے والے خوانچہ فروش بھی ہر چیز کی قیمت بہت زیادہ وصول کرتے ہیں۔ اور نہ ہی اُسے کسی رہنمائے حج (معلم حج) کی ضرورت پڑی کیونکہ اُس نے تمام دُعائیں زبانی یاد کرنے کے علاوہ مناسک حج کے تمام آداب سیکھ لئے تھے۔ اس لئے وہ اُن پیشہ ور معلمین حج سے بے نیاز تھا جو غیر عرب حاجیوں کی ایک ناگزیر ضرورت تھے اور ان حاجیوں کو کسی دریغ کے بغیر مالی طور پر لوٹنے میں بدنامی کی حد تک بری شہرت رکھتے تھے۔

سب سے بڑی مسجد (خانہ کعبہ) تک پہنچنے کے لئے کسی رہنمائی کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے لئے احمد خلیل کو ہجوم کے پیچھے پیچھے چلنا ہی کافی تھا۔ جونہی انہوں نے حرم شریف میں قدم رکھا اُس کا دل جوش و جذبے اور مسرت سے ہتھوڑے کی طرح بجنے لگا۔ وہ عین نمازِ مغرب کے وقت یہاں پہنچے تھے اور جب اذان کی صدا تمام میناروں سے بلند ہوئی تو یہ اتنی صاف' شیریں اور کانوں میں رس گھولنے والی تھی کہ گویا دلوں میں اُتر گئی۔ اتنی خوبصورت اور سہانی ....اُنہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ اُس کے دل میں رقّت پیدا ہوگئی اور اس کا جی چاہتا تھا کہ رو دے کہ اتنے میں اُسے بے شمار آوازیں سنائی دینا شروع ہوگئیں۔ جو مختلف زبانوں میں اللہ تعالیٰ سے رحم اور بخشش کی بھیک مانگ رہی تھیں...... وہ رشید اور خلیفہ کے ہمراہ لاکھوں لوگوں کے انبوہ کثیر کے پیچھے ایک قطار میں کھڑا تھا اور وہ اتنا زیادہ پیچھے تھا کہ خانہ کعبہ کو دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن وہ خانہ کعبہ میں

Marfat.com

حاضری کے اثرات اپنے دل میں محسوس کر رہا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ کعبہ کی عمارت یہاں اپنے اردگرد موجود لوگوں سے زیادہ زندگی رکھتی ہے...... ہر لحظہ بڑھتے ہوئے اندھیرے کے پیش نظر بجلی کی روشنیاں جلا دی گئی تھیں' جن کی روشنیوں سے کعبہ کی مکعب نما عمارت جگمگا رہی تھی جبکہ ان روشنیوں میں دھندلے سایوں کا اژدہام' قیام' رکوع' قعدہ اور سجدہ کی حالتوں میں اپنے رب کے حضور ہم آہنگی سے باجماعت عبادت بجالا رہا تھا۔ احمد خلیل اپنے بچپن کے زمانہ سے ہی خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرتا آیا تھا لیکن آج حرمِ شریف کے اندر نماز پڑھنے کا جو انبساطِ روحانی اس نے محسوس کیا وہ اس سے پہلے اس کیفیت سے آشنا نہیں تھا۔ وہ انتہائے مغرب کے آخری ملک...... مراکش اور مشرق بعید کے ملک فلپائن تک سے آئے ہوئے ہزاروں لاکھوں مردوں اور عورتوں کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالا رہا تھا۔

اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس ہجوم میں اس کے ہمراہ جرمنی' فرانس' انگلستان اور حتیٰ کہ امریکہ کے نومسلم بھی عبادت میں شامل کھڑے ہیں۔ وہ ہر قوم' ہر نسل اور زندگی کے ہر شعبہ' حیثیت اور منصب سے تعلق رکھنے والے انسانوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا اس کی عبادت بجالا رہا تھا' اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں مانگنے میں محو تھا۔ وہ سب بغیر کسی امتیاز کے دو اَن سِلی چادروں کے لباس احرام میں ملبوس یکسانی اور ہم آہنگی کی کیفیت میں اللہ تعالیٰ کے حضور' عبادت میں محو تھے۔ یہاں سیاہ رنگ کے لوگ بھی تھے اور سفید فام بھی' انتہائی خوشحال لوگوں کے پہلو بہ پہلو بے حد مفلس بھی کھڑے تھے۔ یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ لوگوں کے درمیان بالکل ان پڑھ بھی موجود تھے۔ ترقی یافتہ لوگ بھی تھے جو کہ ہوائی جہازوں پر یہاں آئے تھے اور ان کے بھائی بند ہم مسلک ایسے پسماندہ لوگ بھی تھے جو کہ پیدل چل کر یہاں پہنچے تھے۔ انتہائی پرتکلف زندگی بسر کرنے کے رسیا لوگوں کے پہلو بہ پہلو بالکل سادہ لوح' بڑے بڑے شہروں میں رہنے والے اعلیٰ تہذیب یافتہ لوگوں کے ساتھ ساتھ بالکل قدیم قبائلی انداز کی صحراؤں اور جنگلوں میں زندگی گزارنے والے تندرست اور بیمار' توانا و کمزور' بھاری بھرکم صحتمند الہڑ جوانی رکھنے والوں کے ہمراہ ان کے بچپن میں ان کی نگہداشت کرنے والے وہ انتہائی بوڑھے دادے' دادیاں' نانے' نانیاں بھی یہاں موجود تھیں اور اس عمر میں یہ اپنے بیٹوں' پوتوں اور نواسوں کی انتہائی نگہداشت اور دیکھ بھال کے ضرورت مند تھے اور اتنے کمزور و ناتواں تھے کہ بغیر سہارے

Marfat.com

کے پیدل بھی نہیں چل سکتے تھے۔ ان تمام لوگوں کو جذبہء حج اور اللہ کے گھر کی دید و زیارت کا شوق کشاں کشاں یہاں لے آیا تھا۔ ہر شعبہء زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ اس وقت خانہ کعبہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر تھے۔ دُنیا کے تمام مقامات میں سے یہ واحد مقام تھا جہاں انسانوں کو یکساں عزوشرف عطا کیا ہے۔ یہاں متموّل اور دُنیاوی لحاظ سے بلند مرتبہ لوگ اپنے ساتھ موجود غریب' نکبت زدہ اور انتہائی مفلس لوگوں کے بارے میں کوئی غرور اور نفرت نہیں رکھتے تھے...... بلکہ کیا امیر اور کیا غریب سب اللہ تعالیٰ کے حضورؐ عاجزی و انکساری سے حاضر تھے۔ اور یہ سب مسلمانوں کی عالمگیر برادری کے افراد تھے جو تقدیر الٰہی پر شاکر تھے اور انہوں نے اپنی قسمت کا شکوہ کرنے کے بارے میں کبھی سوچا تک نہ تھا۔ حتیٰ کہ بڑے سے بڑا گنہگار بھی خلوصِ دل اور ندامت کے ساتھ اپنے اللہ سے عفو کا طلبگار ہو تو اُسے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش حاصل ہونے کی پوری اُمید ہے۔

عشاء کی نماز کے بعد لوگوں کا ہجوم کم ہوتا گیا' احمد خلیل' رشید' خلیفہ اور اسماء ایک طویل ثانیے تک بے حس و حرکت وہیں کھڑے رہے۔ اُن چاروں کی آنکھیں اپنے سامنے مکعب نما عمارت پر مرکوز تھیں۔ جس پر سیاہ رنگ کی زربفت کی چادر کا غلاف پڑا ہوا تھا۔ اس چادر پر سنہری کشیدہ کاری کا کام بڑی نفاست سے کیا گیا تھا۔ یہ اللہ کا گھر وہی تھا جسے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ یہ مقام روزِ ازل سے ہی مقدس رہا ہے۔ یہ مقام دُنیا کے عین مرکز میں واقع ہے اور اس پر ایک نظر ڈال لینے سے ہی انسان اپنی زندگی کا نصب العین پالیتا ہے اور اب وہ چاروں بے حس و حرکت کھڑے تھے اور زائرین کے لامتناہی سلسلوں کو طواف کرتے ہوئے دیکھنے میں محو تھے۔ زائرین جو کہ مناسک حج کے مطابق اس کے گرد سات سات چکر لگا رہے تھے۔ اس حقیقت کے ادراک سے اُن کے دل اس گھر کے بارے میں احترام اور جلالت سے اور بھی بھرپور ہو گئے تھے کہ کعبہ' سال بھر میں دن ہو یا رات یا کوئی بھی وقت ہو' عبادت گزاروں سے کبھی خالی نہیں رہتا۔ اور اس ملگجے اندھیرے میں احمد خلیل کو تصور میں یوں محسوس ہونے لگا کہ ہم بھی اُن لاکھوں' کروڑوں لوگوں کی ارواح میں سے ہیں جو کہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں نسل در نسل یہاں سے زیارت و حج سے مشرف ہو چکے ہیں۔

Marfat.com

آخرکار اُنہوں نے اس کے نزدیک تر پہنچنے کا حوصلہ کیا۔ وہ اس مقدس مقام کے سامنے خود کو آلودہ سمجھتے ہوئے آہستہ آہستہ اور بڑی احتیاط سے قدم اُٹھا رہے تھے۔ وہ بہت قریب ہو گئے اور اُوپر کعبہ کی طرف نظر جما کر خاموشی اور محویت کے عالم میں بڑی تعظیم سے اسے دیکھتے رہے۔ احمد خلیل کی تو یہ کیفیت تھی کہ اس مقامِ عظمت کے سامنے وہ خود کو اتنا ناتواں محسوس کرتا تھا کہ یوں لگتا تھا کہ وہ غش کھا کر گر جائے گا۔ وہ اپنے چچازاد رشید کا سہارا لئے ہوئے تھا۔ اگرچہ جذبات کے عالم میں رشید کی اپنی حالت یہ تھی کہ گویا اس کیفیت سے مغلوب ہو چکا تھا اور بمشکل تمام ہی کھڑا رہ سکتا تھا۔ خلیفہ گھٹنوں کے بل جھکا اُس نے سیاہ غلاف پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے بوسہ دیا۔ پھر وہ پیچھے ہٹا اور رشید کے پہلو میں عین اُس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنا سر بلند کیے ہوئے ایستادہ تھا اور اُس کے چہرے پر انتہائی سکون وطمانیت کی کیفیت تھی کہ گویا نور برس رہا ہو......

☆......☆......☆

Marfat.com

انیسواں باب

منزلِ مراد

جونہی احمد خلیل نے مدینہ منورہ کی قدیم اور تنگ گلیوں میں قدم رکھا تو اُسے محسوس ہوا کہ دنیا میں واحد یہی شہر ہے جہاں میرے لئے ایک اتھاہ مسرت' سرور قلب اور خوشی موجود ہے۔ معاً اُس کے ذہن میں خیال آیا کہ یہی وہ شہر ہے جسے میں اپنا وطنِ ثانی بنانے کے لئے انتخاب کرسکتا ہوں۔ وہ اپنے بھائی اور چچازاد کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے چل رہا تھا اور عین اُس کے عقب میں اُس کی بیوی بھی قدم اُٹھاتے ہوئے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ اپنے خاندان کے ہمراہ وہ اس انبوہ کثیر کا ایک حصہ بن کر اس میں مدغم ہو گئے تھے جو ان کے ہمراہ مکہ سے ایک بے پناہ ہجوم میں یہاں پہنچا تھا۔ عالمِ عرب کے علاوہ پوری مسلم دنیا سے لوگ یہاں آئے تھے۔ گلیوں کی تنگی بھیڑ بھاڑ اور ہجوم کے باوجود یہاں دھکم پیل اور ہیجان واضطراب کی کوئی بات یہاں نظر نہیں آتی تھی۔

وہ بڑے بازار میں پہنچے جو کہ شہر پناہ کے اندر' اندرُونِ شہر واقع تھا۔ یہاں پھیری والے خوانچہ فروش دل کش آوازوں کے ساتھ اپنی اشیاء بیچ رہے تھے اور دکانیں رنگارنگ قسم کے مال سے بھری ہوئی تھیں۔ اتنی گونا گوں چیزوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ یہاں مشرق ومغرب کی تمام مصنوعات موجود تھیں۔ جن کا سلسلہ اُونٹ کے کجاوے سے لے کر ریشمی کشیدہ کاری کی چادروں' کشمیری شالوں' ایرانی قالینوں' سوئٹزرلینڈ کی گھڑیوں' جاپانی ٹیپ ریکارڈروں اور ریڈیو سیٹ تک دراز ہوتا چلا گیا تھا۔ بہت سے لوگ ان دکانوں کے پاس کھڑے بڑے شوق سے ان اشیاء کو دیکھ رہے تھے' لیکن احمد خلیل نے ان سب چیزوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا تک نہیں وہ دائیں بائیں دیکھے بغیر چلتا گیا۔

Marfat.com

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُسے ان چیزوں سے کوئی دل چسپی نہیں ہے...... اور اگر اُس کے پاس پیسے ہوتے تو پھر بھی وہ انہیں ہرگز نہ خریدتا۔ اور نہ ہی مارکیٹ میں جمع بھیڑ بھاڑ اُس کے لئے معمولی سی دل کشی کا سامان بنتے ہوئے اُسے اپنی طرف متوجہ کر سکی۔ اُس کی نظریں تو بالکل اپنے سامنے پانچ میناروں والی مسجد نبویؐ پر جمی ہوئی تھیں جس کے پتلے مینار اُوپر بلندی کی طرف اُٹھتے ہوئے بالکل باریک ہوتے دکھائی دیتے تھے اور یوں لگتا تھا کہ تابندہ سبز گنبد سے اُوپر بہت بلند وہ نیلے شفاف آسمان کی لامحدود وسعتوں میں گھل مل گئے ہوں۔

یہ تقریباً صبح صادق کا وقت تھا جب وہ اپنی منزل مسجد نبویؐ پہنچے اور جھٹپٹے کی روشنی میں ایک بہت بڑے اور اُونچے محرابی گیٹ میں سے گزر کر مسجد کے اندرونی حصے میں داخل ہوئے۔ سنگِ مرمر کے مضبوط ستونوں کی طویل قطاریں چھت کو سہارا دیئے ہوئے کھڑی نظر آ رہی تھیں۔ نیلے اور سفید رنگ کی نفیس آرائشی ٹائلوں سے ایسے نیم دائروں والے محرابی طاق بنائے گئے تھے۔ جن کا رُخ مکہ معظمہ کی جانب تھا اور اعلیٰ منقش قالینوں سے سنگِ مرمر کا فرش ڈھکا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرقد مبارک نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ یہ ایک زربفت کی چادر سے ڈھانپے ہوئے ہونے اور کانسی کے ایک زیبائشی جنگلے کے اندر ہونے کی وجہ سے آنکھوں سے اوجھل تھا۔ لیکن آپؐ کے موجود ہونے کا احساس بڑی شدت سے ذہنوں پر طاری تھا اور جونہی احمد خلیل دُرود و سلام پیش کرنے کے لئے روضہ مبارک کے قریب ہوا اُسے یوں محسوس ہوا کہ حضورؐ پوری شان و شوکت کے ساتھ اُس کے سامنے جلوہ فرما ہیں اور حجتہ الوداع کے موقع پر مسلمانوں کے ابنوہ در ابنوہ اجتماع کے سامنے اپنا آخری خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں۔

> (آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہٰذا تم اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے!!) (المآئدہ۔ آیت ۳)

یہاں دُعائیں پڑھنے کے بعد احمد خلیل خاموشی سے اُٹھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فارُوق رضی اللہ عنہ کے مزاروں پر دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے جو

Marfat.com

کہ اسی جگہ مدفون ہیں......! اور اس مکمل خاموشی میں وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز کی بازگشت کئی زمانے گزر جانے کے باوجود اپنے تخیل میں سن رہا تھا۔

"..........اے لوگو! سنو! اب میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں' اگرچہ میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں سیدھے راستے پر چلوں تو میری مدد کرو' اگر میں کسی غلط راہ پر چلوں تو پھر مجھے صحیح راہ پر چلاؤ۔ تم صرف اُس وقت تک میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں' اگر میں اُن کی نافرمانی کروں تو تم بھی میری نافرمانی کرو۔ جان لو کہ میں تم میں سے ایک عام آدمی سے زیادہ حیثیت کا مالک نہیں ہوں.........."

اس کے بعد احمد خلیل نے اپنی نگاہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روضہ پر مرکوز کر دیں جنہوں نے نوزائیدہ اسلامی ریاست کو مضبوط بناتے ہوئے اسے شان و شوکت کی اعلیٰ بلندیوں تک پہنچا دیا تھا۔ حضرت عمرؓ جو کہ ایک بہت بڑی سلطنت پر حکمرانی کرنے کے باوجود کھجور کے پتوں کے ڈھیر پر سوتے تھے..........

اس نے ظہر کی اذان کی آواز سنی جو کہ اس بہت بڑے ہال کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بالکل واضح اور صاف سنائی دے رہی تھی۔ یہ آواز بڑے نرم انداز میں کسی گونج' بازگشت اور رکاوٹ کے بغیر آ رہی تھی۔ اس نے اتنے طویل انداز اور آہستگی سے نماز پڑھنا شروع کی کہ اُس نے سجدے میں آدھے گھنٹے سے بھی زیادہ وقت لگایا' اُس کے لئے وقت کی حدود کے تمام احساسات ختم ہو چکے تھے۔ اور ممکن ہے کہ وہ اسی حالت میں ایک گھنٹہ مزید بھی گزار دیتا جب کہ خلیفہ نے اُس کو بازو سے پکڑ کر ہلایا۔ وہ بڑی دردناک آواز میں اُس سے کچھ کھانے کو مانگ رہا تھا۔ احمد خلیل نے اپنے سامان کی گٹھڑی کھولی اور اس میں سے پلاسٹک کی بوتل نکالی جس میں اُس نے مکہ سے زم زم کے مقدس چشمہ پانی بھرا تھا' اور جسے اُس نے بری احتیاط سے خلیفہ کے لئے محفوظ کیا ہوا تھا؟ یہ پانی اپنی طبی قدر و قیمت کے ساتھ روحانی برکات کے لئے مشہور تھا۔ اور انشاء اللہ العزیز اس میں تمام بیماریوں سے شفا تھی۔ اُس نے یہ اپنے بھائی کے حوالے کیا۔ جس نے بڑی بے تابی سے اس کا ایک حصہ پی لیا۔

دُنیا کے ہر خطہ ارض کی قوموں سے تعلق رکھنے والے حاجیوں سے حرم شریف

Marfat.com

بھرا ہوا تھا۔ لیکن احمد خلیل نے اس پر بہت کم توجہ دی۔ وہ ایک نہایت خوشنما اور ہاتھ سے بنے ہوئے نرم اور دبیز ایرانی قالین پر بیٹھ کر دُعائیں مانگتا رہا اور اس کے بعد دیر تک اُن دیواروں کو دیکھتا رہا جن پر اللہ اور رسولؐ کے اسمائے حسنیٰ سنہری حروف میں لکھے ہوئے تھے اور جن سے دیواروں کی زیبائش دوچند ہو گئی تھی۔ خلیفہ خاموشی سے بڑے دروازے کی طرف گیا اور بڑے مؤدبانہ انداز میں ان کندہ شدہ باہم پیوست و مدغم عربی رسم الخط میں لکھے ہوئے الفاظ پر اپنی انگلیاں پھیرتا رہا۔ وہ سارا دن وہیں ٹھہرے رہے اور ہر نماز باجماعت ادا کی۔ آج کے دن اُنہیں وفورِ مسرت سے کھانا پینا تک بھول گیا تھا۔

اب رات ہو چکی تھی اور عشاء کی نماز کے بعد اُنہوں نے اپنے سامان کی گٹھڑیاں صحن کے ایک کونے میں رکھیں۔ ہر ایک نے مٹھی مٹھی بھر کھجوریں کھائیں اور اپنی اپنی چٹائیاں بچھا کر سو گئے......

اگلے دن احمد خلیل نے گہری سیاہ رنگت والے بہت سے آدمیوں کو دیکھا۔ یہ لوگ سفید براق عباؤں اور پگڑیوں میں ملبوس تھے وہ مسجد کے خادمین تھے' جن کی ذمہ داریوں اور فرائض میں' مسجد کی صفائی' دیکھ بھال اور مرمت شامل تھی۔ اس کی آرزوؤں کی انتہائے کمال یہی تھی کہ میں بھی ان خادموں کی طرح مسجد کا خادم بن جاؤں اور اپنی ساری زندگی یہیں گزار دوں۔ اُس نے اُن سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ تو اتنے کم آمیز تھے کہ اجنبیوں کے ساتھ کھل کر بات چیت کرنا اُن کی سرشت میں ہی نہ تھا۔ تاہم اُنہوں نے احمد خلیل اور رشید کو بتایا کہ مسجد کی ضروریات کے لحاظ سے پہلے ہی خادمین موجود ہیں' لہٰذا تمہاری خدمات درکار نہیں ہیں۔

وہ اس جواب سے سخت مایوس ہوئے اور شہر میں کوئی ٹھکانہ تلاش کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ حتیٰ کہ قدیم طرز کے ایک تین منزلہ مکان کی سب سے نچلی منزل میں اُنہیں ایک کمرہ مل گیا۔ کمرہ کافی بڑا تھا اور اس میں ان سب کی رہائش کے لئے بہت گنجائش تھی۔ اُونچی چھت کے نیچے ہوا اور روشنی کی آمد کے لئے سلاخوں والی دو کھڑکیاں موجود تھیں اور خراب موسم کے دوران ان کواڑوں کو بند کیا جا سکتا تھا۔ احمد خلیل اور رشید نے بازار سے پیال اور بھوسے کی بنی ہوئی کچھ مزید صفیں اور چٹائیاں خریدیں تاکہ ان سے سیمنٹ کے بنے ہوئے ٹھنڈے فرش کو ڈھانپا جا سکے...... چونکہ ابھی اُن کے پاس بستر وغیرہ کا سامان کچھ بھی نہیں تھا لہٰذا وہ اپنی لمبی عبائیں اپنے گرد مضبوطی سے لپیٹ کر رات

Marfat.com

کو سونے کے لئے استعمال کرتے رہے......! جب سردی اور بھی شدید ہوگئی تو گرم ہونے کے لئے اُنہوں نے دو دو ہو کر رات کو اکٹھا سونا شروع کر دیا۔ موسمِ گرما کے دوران تو وہ باہر چھوٹی چھوٹی چار دِیواری والے صحن میں سوتے۔ اور جب گرمی نا قابلِ برداشت ہوگئی تو بالائی منزل کے ہمسایوں نے اُنہیں چھت پر سونے کی اجازت دے دی۔ ابھی تک گھر میں پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا اسماء ایک بھاری نقاب اوڑھ کر دن میں کئی مرتبہ گلی میں تھوڑے فاصلے پر واقع ایک سرکاری نلکے سے صراحی میں پانی بھر کر لاتی۔ جب کبھی غیر متوقع طور پر سرکاری نلکے میں پانی کی آمد بند ہو جاتی تو احمد خلیل اور رشید دونوں ایک ایک بھاری ڈول اُٹھا کر قریبی مسجد میں جا کر پانی سے بھرتے۔ اور بڑے باوقار انداز سے ڈول سروں پر اُٹھائے ہوئے پانی گھر کو لاتے۔ وہ پہلی بار خود مختارانہ طور پر ایک باورچی خانے اور فلش لیٹرین کی سہولتوں سے آشنا ہوئے تھے۔ اور یہاں یہ دونوں سہولتیں کلی طور پر ان کے اختیار میں تھیں۔ ورنہ مہاجرین کے کیمپ میں دیگر بے شمار خاندانوں کے ساتھ ان ضروریات کے حصول میں وہ ایک کٹھن آزمائش سے دوچار تھے۔

احمد خلیل نے اپنا آخری اندوختہ مکان کا کرایہ ادا کرنے میں صرف کر دیا......

اور اس کے بعد جلد ہی وہ رشید کے ساتھ مل کر شہر کے مضافات میں واقع نخلستانوں میں کھجور کے درختوں کی دیکھ بھال اور سبزیوں کی کٹائی کا کام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اگرچہ اُنہیں اُجرت کے نام پر جو حقیر معاوضہ ملتا وہ صرف ان کے ماہانہ کرایہ مکان کی ادائیگی اور آٹا اور مسور کی دال کی خرید تک ہی ساتھ دیتا۔ لیکن چونکہ اُنہیں اپنے گھر میں استعمال کے لئے اضافی طور پر تازہ سبزیاں اور لذیذ کھجوریں لے جانے کی عام اجازت تھی اس لئے وہ قانع اور مطمئن تھے کہ انہیں خوراک کی کمی کا مسئلہ کبھی پیش نہیں آیا تھا۔

انہیں اس نئے گھر میں منتقل ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا جب کہ اسماء نے ایک بیٹے کو جنم دیا' یہ نومولود بچہ اگرچہ بالکل چھوٹا اور دُبلا پتلا تھا لیکن بالکل صحت مند اور وضع قطع کے لحاظ سے مکمل تھا۔ احمد خلیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند ارجمند کے نامِ نامی پر اپنے بیٹے کا نام اسمٰعیل رکھا۔ اور اس طرح یہ بچہ کئی مہینے تک اپنی ماں کے دُودھ پر پرورش پاتے ہوئے کافی حد تک بڑا ہوگیا۔ احمد خلیل اپنے تصورات میں اُمیدوں کے جھروکے سے اپنے بچے کے بارے میں بہت خوشگوار باتیں سوچتا...... عجب نہیں کہ

Marfat.com

مستقبل میں اللہ تعالیٰ اس بچے کو "اسمٰعیل" کے نام کی عظیم صفات کا مرقع بنا کر اُس کے سر نیک نامی کا سہرا باندھ دے!!؟"

پناہ گزین مہاجرین کے لئے بنے ہوئے جس کوارٹر میں وہ رہائش پذیر تھے یہ شہر کے غریب ترین اور خستہ تر علاقے میں واقع تھا۔ اور اس حقیقت میں بھی کوئی مبالغہ نہیں تھا کہ جن مہاجرین نے یہاں پناہ حاصل کر رکھی تھی وہ عرب کے تمام باشندوں میں سب سے مفلس و قلاش سمجھے جاتے تھے۔ لیکن احمد خلیل اپنے ان نئے ہمسایوں کے ساتھ بہت خوش تھا کیونکہ یہ بہت مہربان' اچھے دوست اور دُکھ سکھ کے ساتھی تھے۔ وہ کئی کئی گھنٹے کی نشستوں میں بڑی محویت کے ساتھ اُن کے ساتھ بیتی ہوئی ظلم کی داستانیں سنتا جو انہوں نے اپنے آبائی وطن میں برداشت کیے تھے۔ خصوصاً رُوسی اور چینی ترکستان سے آئے ہوئے مہاجرین کی طرف تو وہ کھنچا چلا جاتا۔

غزہ کے مہاجر کیمپ میں نوجوانوں کے درمیان ہونے والی باہمی گفتگو زیادہ تر کمیونزم، سوشلزم اور کارل مارکس کے موضوعات پر مبنی ہوتی۔ ایسے فکری رجحانات کو کیمپ کے "ترقی پسند" نوجوانوں میں فیشن کی معراج سمجھا جاتا تھا۔ اُسے کئی آدمیوں نے بتایا تھا کہ کمیونزم کا مقصد انسانوں میں مساوات کو جبری طور پر نافذ کرنا' اور تمام طبقاتی امتیازات کو ختم کرنا ہے۔ اور امیروں سے دولت چھین کر اس کو غریبوں میں تقسیم کرنا ہے۔ کیمپ میں کمیونسٹ گماشتے رُوس اور اس کے زیر اثر عرب ممالک کے درمیان باہمی گرم جوشی پر مبنی دوستانہ تعلقات کا پرچار کرتے ہوئے نہ تھکتے۔ اُن کا کہنا تھا کہ رُوس غربت' افلاس اور بیرونی استحصال کے خاتمے کے لئے ہمہ وقت عربوں کی مدد کرنے کو تیار ہے۔ اور یہ کہ کمیونزم اور سوشلزم ہی تمام معاشرتی اور معاشی برائیوں کے خاتمے کے لئے اکسیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ماسکو ریڈیو کی عربی زبان کی نشریات میں یہ پروپیگنڈا وہ بار بار سن چکا تھا۔ کیمپ میں اُس کے خیمہ کے ساتھیوں میں سے ایک آدمی کے پاس ایک چھوٹا سا ریڈیو سیٹ تھا جس پر وہ کئی کئی گھنٹے ہمہ وقت ریڈیو ماسکو کی نشریات سنتا رہتا تھا۔ لیکن احمد خلیل پر جب کمیونسٹوں کی متعصبانہ مذہب دُشمنی اور اللہ اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے اور ان کی انسانیت سوز ایذا رسانی کا انکشاف ہوا تو کمیونزم کے بارے میں ماضی میں سنے ہوئے اس کے تمام تصورات ہوا میں اُڑ گئے۔ اور یہ جان کر تو اس اور بھی دلی اذیت ہوئی کہ کارل مارکس کا تعلق یہودی خاندان سے تھا۔ لیکن ابھی تک احمد خلیل نے مسلمانوں پر

Marfat.com

کمیونسٹوں کے مظالم کے بارے میں کچھ نہیں سنا تھا۔ لیکن اب اپنے ترکستانی مہاجر ہمسایوں کی صورت میں' اسٹالن کے دورِ وحشت کے ظلم و ستم کا شکار لوگوں کو عین اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا تھا۔ فلسطین کی طرح ترکستان میں بھی سفید روسیوں نے مداخلت بے جا کے بعد غاصبانہ قبضہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو ان کے آبائی علاقوں سے بے دخل کیا۔ اور ایک سوچے سمجھے پکے منصوبے کے تحت یہ گھس بیٹھیے اس بات پر ادھار کھائے بیٹھے تھے کہ مسلمانوں کی زمینوں پر اپنی آبادکاری کرتے ہوئے مسلمانوں کو ان کے آبائی گھروں سے نکال کر یہاں سے بھگا دیں گے یا بیرونی استبداد کے ذریعے غلام بنا لیں گے۔ موت اور جلاوطنی کی دھمکیوں کے ذریعے انہیں اسلام پر عمل کرنے یا اپنے بچوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرنے سے منع کر دیا گیا تھا اور دوسری طرف انہی بچوں کو سرکاری سکولوں میں الحاد کی تعلیم دیتے ہوئے انہیں جبراً دہریئے بنایا جا رہا تھا۔ حج کی ادائیگی کا فریضہ ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ اور ہمسایہ ملکوں میں جہاں کہیں پناہ حاصل کرنے کا امکان تھا ان کی سرحدیں بند کر دی گئی تھیں۔ تقریباً دس ہزار لوگوں نے وہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش کی لیکن ان کی اکثریت گرفتار ہو گئی اور انہیں انتہائی سفاکانہ مظالم کے بعد قتل کر دیا گیا۔ بالائی منزل پر رہائش پذیر احمد خلیل کے دوستوں اور ہمسایوں میں کچھ ایسے لوگ تھے جو ان کے مظالم سے بچ کر یہاں آ گئے تھے اور اپنی تمام جائیدادوں' اثاثوں اور خاندان کے بیشتر افراد سے ہاتھ دھو کر پناہ تلاش کرتے کرتے یہاں مدینہ منورہ میں پہنچ گئے تھے۔ اور مقدس مقامات کے عین قریب رہتے ہوئے زندگی کے دن بسر کرنا ان کے لئے سب سے بڑی ڈھارس اور دل جوئی کا سامان تھا۔

سوویت رُوس' کمیونسٹ چین' ہندوستان' اور افریقہ کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے ان مہاجرین میں سے عربی بولنے والوں کی صحبت میں بیٹھ کر احمد خلیل کسی بھی امیر ترین سعودی عرب باشندے پر ان کو ترجیح دیتے ہوئے ان مہاجرین سے اپنا قریبی اور خونی رشتہ محسوس کرتا تھا۔ وہ امیر سعودی باشندے جو تیل کی صنعت کے ثمرات سمیٹ رہے تھے اُن کی نسبت احمد خلیل اِن غریب مہاجروں سے اپنے مراسم پر فخر محسوس کرتا۔ شہر سے ایک طرف پناہ گزین مہاجرین کے لئے بنائے گئے اس علاقہ میں تنہا صرف وہی عرب تھا۔ اُسے ایک بھی ایسا فلسطینی نہ مل سکا تھا جو اُس کا ہمراز و ہم نفس ہو۔ سرزمین عرب میں تقریباً تمام شہروں سے آئے ہوئے' یا کیمپوں میں اقوام متحدہ کے سکولوں میں پیشہ وارانہ

Marfat.com

تعلیم و تربیت پانے والے فلسطینی دہران اور کویت کی تیل کمپنیوں میں ملازمتیں کرتے تھے۔ ان میں سے چند ایک ہی مکہ یا مدینہ میں کبھی کبھار آنا گوارا کرتے تھے اور ان میں سے شاید ہی کوئی ان مقدس شہروں میں رہائش پذیر تھا۔

احمد خلیل کو ہر سال ارباب حکومت کے دفتروں میں جا کر یہ درخواست دینا پڑتی کہ مدینہ منورہ میں اس کے قیام کی اجازت میں توسیع کرتے ہوئے اُسے ہمیشہ کے لئے یہاں رہنے کی اجازت دی جائے۔ وہ اُن سے وعدہ کرتا کہ وہ اُن کے لئے کسی بوجھ یا پریشانی کا باعث نہیں بنے گا۔ اور انہیں یقین دہانی کراتا کہ میں خود اپنے زور بازو سے روزی کما کر کھاتا ہوں اور بھیک مانگنے کے رجحان کو بالکل لعنت سمجھتا ہوں۔ تاہم وہ سعودی عرب کی شہریت حاصل کرنے سے انتہائی سختی سے انکار کر دیتا۔ کیونکہ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سعودی شہریت حاصل کرنے کا یہ ضابطہ اُسے فلسطین واپس جانے کے حق سے محروم کر دے۔ اگرچہ سعودی عرب میں مطلق العنان بادشاہت تھی لیکن اُسے یہاں اُس ظلم واستبداد کا ایک شمہ بھی نظر نہ آیا' جو مصری حکومت کا خاصہ تھا۔ نہ جاسوسوں کے گروہ' نہ مسلح اور خفیہ پولیس ان آفات میں سے اسے یہاں کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ یہاں جان اور مال قریب قریب مکمل محفوظ تھے۔ قتل اور ڈاکہ کی وارداتیں بھی کبھی شاذ و نادر ہی سننے میں آتی تھیں اور رُوئے زمین پر غالباً یہ واحد خطہ تھا جہاں جرائم کی شرح سب سے کم تھی۔ اور اب تو وہ ہتھیار کے طور پر اپنے پاس ہر وقت خنجر رکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتا تھا۔ لہٰذا اُس نے اسے بڑی احتیاط کے ساتھ اس کے نیام میں محفوظ کرتے ہوئے اسے اپنے ٹین کے مقفل صندوق سامان میں سب سے نیچے رکھ دیا تھا۔ یہاں وہ بڑے اشتیاق کے ساتھ آزادی کی زندگی بسر کرتے ہوئے کھلی ہوا میں گہرے اور لمبے سانس بھرتا' بالکل اُس آدمی کی طرح جو ابھی جیل سے رہا ہو کر کھلی فضا میں آیا ہو۔ یہاں نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہ تھی اور نہ ہی والد کے نام لکھے ہوئے اُس کے خطوط کو سنسر کیا جاتا تھا۔

دن بھر کے کام کاج کے بعد وہ اپنے بھائی اور چچازاد کے ساتھ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے مدینہ کی پرسکون گلیوں میں گشت کرتا۔ شام کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بہت نرمی اور پیار سے ان کے چہروں کو چھوتے ہوئے گزرتی۔ اگرچہ یہ ہوا صحرا کی ریت اور گرد سے مملو ہوتی۔ یہاں پھولوں کے خوشنما باغ اور کھجوروں کے درخت جا بجا دکھائی دیتے۔ دنیا بھر

Marfat.com

میں پیدا ہونے والی کھجوروں میں سب سے اعلیٰ اور عمدہ کھجوریں مدینہ میں پائی جاتیں تھیں۔ دنیا بھر سے آئے ہوئے لوگوں کے وسیع حلقہ اور ان کے لباس کی رنگا رنگی کے باوجود یہ بستی بغیر سوچے سمجھے بسائی ہوئی کوئی معجون مرکب دکھائی نہیں دیتی تھی...... اور اُسے یوں معلوم ہوتا تھا کہ مدینہ کے تمام باشندے حتیٰ کہ اس کے عارضی زائرین ایک ایسی جماعت میں ڈھل گئے ہیں جن کے مزاج' رویہ کی یکسانیت' حتیٰ کہ چہرے کے تاثرات میں بھی ایک مشترکہ سنجیدگی متانت اور باطنی سکون میں بھی یکسانیت کی عکاسی جھلکتی اور یوں لگتا کہ کوئی بھی حضور علیہ کی غیر مرئی موجودگی سے انکار نہیں کر سکتا۔

احمد خلیل یہ تمام تاثرات اپنی حد تک بہت بہتر انداز میں اپنے والد کے نام ایک خط میں لکھ کر بھیجے۔ لیکن اُس کے والد کی طرف سے خط کا کوئی جواب نہ آیا۔ اخبارات میں غزہ اور سینائی پر اسرائیلی حملوں' پورٹ سعید اور نہر سویز پر برطانوی اور فرانسیسی بمباری کی تفصیلات سے بھرپور خبریں آ رہی تھیں۔ کئی ماہ بعد جب صدر آئزن ہاور کے حکم سے یہودیوں کو مقبوضہ علاقے خالی کرنا پڑے تو احمد خلیل اخبار میں مصری حکام کی طرف سے گرفتار شدگان میں اپنے والد کا نام پڑھ کر خوف کے مارے دہشت زدہ ہو گیا۔ ان گرفتار شدگان پر دشمن کے ساتھ ساز باز کرنے کے الزام میں مقدمہ چلانے کا اعلان کیا گیا تھا اور جس کی سزا فائرنگ سکواڈ کی طرف سے موت بھی ہو سکتی ہے۔

کئی ہفتے اور حتیٰ کہ مہینے گزر گئے۔ احمد خلیل بڑی پریشانی اور تشویش کے عالم میں انتظار کرتا رہا۔ اور ایک دن رات گئے جب وہ کھیتوں کے کام سے فارغ ہونے کے بعد واپس آیا تو رشید بڑی خوشی اور مسرت کے جوش میں اُس کی طرف بھاگا ہوا آیا۔

"دیکھو! احمد خلیل دیکھو! خط آیا ہے"!

جب احمد خلیل نے لفافے کے باہر اپنے ابا کے ہاتھ کی لکھائی پہچانی تو اس کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا۔ رشید نے بڑے شوق سے لفافہ کھولا وہ اس میں سے خط نکال کر مٹی کے تیل کے لیمپ کے بالکل قریب لے گیا اور بالکل آنکھوں کے نزدیک لا کر خط کو دیکھنے لگ گیا۔

احمد خلیل نے بڑی بے صبری کے انداز میں اُسے ڈانٹتے ہوئے کہا "تم خط کو اُلٹی طرف سے پکڑے ہوئے' رشید!" لاؤ یہ مجھے دو"!

"مجھے بھی بتاؤ نا کہ تمہارے ابا کیا کہتے ہیں"؟ رشید نے مطالبہ کرنے کے

Marfat.com

انداز میں پوچھا۔

اور احمد خلیل نے آہستہ آہستہ اور رُک رُک کر اُونچی آواز میں خط کو پڑھنا شروع کیا......

''اللہ کی مہربانی اور اس کے رحم سے مقدمہ کے دوران میں اپنی بے گناہی کو ثابت کرنے میں کامیاب رہا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ بعد مجھے رہا کر دیا گیا۔ اب میں بالکل آزاد ہوں' اور اب میں دوبارہ پڑھا رہا ہوں اور سکول ہی میری تمام کائنات ہے......

میری خواہش ہے کہ میں یہ بات تم پر اچھی طرح واضح کر دوں کہ سکول کے تدریسی عملہ کا رُکن ہونا ہی میرے لئے سب سے بڑی خوشی ہے اور اُس وقت تو میری مسرت کی کوئی انتہا نہیں تھی جب جنگ سے عین چند دن پہلے ہم خیموں میں قائم شدہ عارضی سکول کو خیرباد کہہ کر آخرکار سکول کی اصلی عمارت میں کلاسوں سمیت منتقل ہو گئے۔ خصوصاً بڑی جماعتوں کے طلبہ تو اتنے خوش تھے کہ ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی کیونکہ انہوں نے سکول کی عمارت کی تعمیر میں خود بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا......

میری جماعت میں زیادہ تر دس سال کی عمر کے طلباء ہیں۔ جنہیں میں حساب' ابتدائی سائنس' عربوں کے اسلامی دور کی تاریخ' عربی کا بنیادی ادب اور گرائمر' انگلش کا پہلا قاعدہ اور قرآن مجید مبنی نصاب پڑھاتا ہوں۔ میری خواہش ہوتی ہے کہ میرے طلبہ قرآن کو صرف اور صرف حفظ اور تلاوت تک ہی محدود نہ رکھیں' بلکہ وہ اس کا مطلب سمجھنے کے بھی اہل ہو جائیں۔ میری کوشش ہے کہ اُن کے اندر سیکھنے کی لگن اور تجسّس کا شوق پیدا ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے طلبہ خود بھی اپنے اندر سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کریں۔

لیکن بعض اوقات ایسی مشکلات درپیش ہوتی ہیں کہ میں تقریباً مایوس ہو جاتا ہوں۔ یہاں مطلوبہ تعداد میں استاد نہیں ہیں۔ میرے پاس ایک سو (۱۰۰) سے زیادہ طالب علم زیرِ تعلیم ہیں۔ ان میں سے نصف صبح کو پڑھنے آتے ہیں اور باقی ماندہ شام کے وقت۔ تقریباً ساٹھ لڑکے بوسیدہ' استعمال شدہ اور پیوند لگے ہوئے چیتھڑوں والا لباس پہن کر آتے ہیں اور ایک کمرے کی گنجائش سے دُگنے لڑکے اس میں بیٹھتے ہیں۔ ایک طالب علم کے لئے بنے ہوئے ڈیسک پر دو' دو کو گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ اور نصابی کتابوں کا بھی یہی حال ہے کہ کتب انتہائی کم ہیں' اس لئے کئی کئی طلبا مل کر ایک ایک کتاب سے استفادہ

Marfat.com

کرتے ہیں۔ چند کتابیں ہی ایسی ہوں گی جن کے شروع اور آخر کے صفحات ضائع ہونے سے بچے ہوئے ہوں۔ بعض اوقات تو میں یہ دیکھ کر مایوسی کا شکار ہو جاتا ہوں کہ طلباء کی تعدادا اتنی زیادہ ہے کہ میرے لئے ان میں سے ہر ایک کو جاننا اور کماحقہٗ خود کو ان کے لئے وقف کرتے ہوئے ان پر پوری توجہ دینا ناممکن ہے۔ تعلیم میں ان کی کاہلی اور سستی دیکھ کر بعض اوقات میری قوت برداشت جواب دے جاتی ہے۔ اور میرے پاس زیرِ تعلیم بچوں میں سے ایک آدھ کلاس میں بھی غنودگی اور نیند کے عالم میں ہوتا ہے۔ بہتر خوراک کے بغیر وہ بہتر انداز میں تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ اتنے کمزور ہیں کہ اپنے اسباق پر پوری توجہ نہیں دے سکتے۔

لیکن کسی بھی اُستاد کو ان سے بہتر طلباء میسر نہیں ہو سکتے...... یہ طلباء تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں بہت پرجوش اور لگن رکھنے والے ہیں۔ یہاں نظم وضبط کو قائم رکھنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تعلیم ان کے لئے زندگی اور بقا کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ انہیں یہ اُمید ہوتی ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہی وہ پناہ گزینوں کے کیمپ کی نکبت زدہ زندگی سے چھٹکارا حاصل کر سکیں گے۔ میں ایک ایسے پناہ گزین لڑکے کو جانتا ہوں' جو کہ ایک مزدور کا بیٹا ہے' جس نے وظیفہ حاصل کیا اور آج کل وہ بیروت کی امریکن یونیورسٹی میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ جب میں ایسے طلباء کے بارے میں سوچتا ہوں تو یہاں درپیش رکاوٹیں میرے لئے مہمیز کا کام دیتی ہیں۔ اور میں مطمئن ہو کر پہلے سے بھی زیادہ محنت کرتا ہوں اور اُن طلبا کی دیکھ بھال کرتا ہوں جو دن بدن تعلیم میں آگے بڑھتے ہوئے ترقی کر رہے ہیں......

رشید نے مداخلت کرتے ہوئے کہا ''احمد خلیل ٹھہرو! میں ذرا دیکھ لوں کہ خلیفہ گہری نیند سو گیا ہے یا نہیں''

رشید! تم اس خط کو خاموشی سے سنتے کیوں نہیں؟ کیا تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟ سنو! اس میں تمہارے ابا کے بارے میں کچھ لکھا ہوا ہے''

...... یہودی فوجوں کے غزہ سے نکل جانے کے تھوڑے دن بعد ہی حلیمہ تپدق کی دیرینہ اور طویل بیماری کے ہاتھوں فوت ہو گئی۔ وہ بہت عرصہ سے بیمار تھی۔ اس لئے اب منصور نے میرے پاس آ کر رہائش اختیار کر لی ہے اور اس کے پاس سوائے راشن کارڈ کے اور کوئی چیز نہیں ہے' لہٰذا میں ہی اس کا کفالت کر رہا ہوں......''

Marfat.com

اس گھٹا ٹوپ اندھیرے والے کمرے میں مٹی کے تیل کے دیئے کی مدھم سی روشنی میں احمد خلیل خط کے آخری پیراگراف پر غور کر رہا تھا۔

......تمہارے ہاں بیٹے کی پیدائش کے بارے میں پڑھ کر مجھے جو بے پایاں مسرت ہوئی' اس کے اظہار کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں! مجھے اُمید ہے کہ وہ خوش وخرم اور صحت مند ہو گا اور میں اللہ تعالیٰ کے حضورؐ دعا گو ہوں کہ ہمارا یہ ننھا مہمان طویل اور سکھی زندگی سے بہرہ یاب ہو۔ میں یہ سوچ کر اُداس ہو جاتا ہوں کہ میں ننھے اسمٰعیل یا (تمہارے ہاں آئندہ پیدا ہونے والے) اپنے دیگر پوتے پوتیوں کو کبھی نہیں دیکھ پاؤں گا۔ لیکن اس سے میرے دل میں اُن کے لئے محبت میں کوئی کمی نہیں ہو سکتی۔ براہِ مہربانی اُن کے بارے میں مجھے تمام باتیں لکھا کرو......''

ایک ہفتہ بعد احمد خلیل اپنے باپ کے نام خط کا جواب لکھ رہا تھا۔ چونکہ اُس کی تعلیم محض نوشت و خواند تک ہی محدود تھی لہٰذا خط میں اظہار مُدّعا لکھنے میں اُسے بہت دِقت پیش آ رہی تھی اور صرف ایک صفحہ لکھنے کے لئے اُسے ایک گھنٹے سے بھی زیادہ وقت لگ گیا۔ اُس کی لکھائی بالکل اُس سات سالہ بچے کی مانند تھی جس نے ابھی ابھی سکول جانا شروع کیا ہو۔ اتنے بھدے اور ٹیڑھی میڑھی سطروں میں لکھے ہوئے الفاظ کہ بمشکل ہی پڑھے جا سکتے تھے۔ اتنی خراب لکھائی پر اُسے ندامت کا احساس ہو رہا تھا اور اُسے اُمید تھی کہ اس کے ابا اس کا لکھا ہوا خط کسی اور کو نہیں دکھائیں گے۔ اُس نے خط میں حج کے دوران خلیفہ کی معجز نما اور حیرت انگیز صحت یابی کے بارے میں لکھا اور اس میں ذکر کیا کہ اب وہ میرے اور رشید کے ہمراہ نخلستان کے باغات میں کام کرتے ہوئے خود ہی اپنی کفالت کر رہا ہے۔ جب خلیفہ نے احمد خلیل کو آلتی پالتی مارتے ہوئے فرش پر بیٹھے ہوئے قلم ہاتھ میں لئے دیکھا تو اُس نے درخواست کی کہ مجھے بھی اجازت دیں کہ میں بھی اپنے طور پر والد کے نام کچھ لکھ سکوں۔ خلیفہ کا خط اتنا لمبا تھا کہ اسے ختم ہوتے ہوتے سہ پہر کا آدھا وقت گزر گیا۔ اپنے بھائی کے رازداری کے حقوق کا لحاظ کرتے ہوئے احمد خلیل نے خلیفہ کا خط بالکل نہیں پڑھا۔ صرف ایک دفعہ اُس نے دُزدیدہ انداز سے اس کے کندھوں کے اُوپر سے جھانکتے ہوئے اُس کی خوبصورت لکھائی کی تعریف کی۔ اُس کی لکھائی اتنی پختہ تھی کہ اسکی خوش نویسی کسی ماہر فن خطاط کا نمونہ دکھائی دیتی تھی۔ احمد خلیل کو یقین تھا کہ اُس کا والد فخر سے اپنے چھوٹے بیٹے کی اس کارکردگی کو سکول میں اپنے ساتھی اساتذہ کو

Marfat.com

دکھائے گا۔ احمد خلیل نے اس پر سرنامہ لکھ کر بند کیا اور ڈاک خانہ جا کر اسے حوالہء ڈاک کر دیا۔

ایک مہینہ کے بعد اُس کے والد کی طرف سے خط کا جواب آیا۔ خط میں اپنے سکول اور طلباء کے بارے میں لکھی ہوئی باتوں کے مابین رشید کو یقین دہانی لکھی تھی کہ طویل العمری کے باوجود منصور کی صحت اچھی جا رہی ہے' لیکن جب احمد خلیل کی نظروں سے اختتامی سطور کے یہ الفاظ گزرے تو ایک کرب اور دلی دُکھ کے ساتھ اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا......

''مجھے خلیفہ کا خط ملا ہے۔ خط کیا ہے یہ تو ایک ذہنی کوفتوں کے مارے ہوئے بدنصیب کی المناک داستان ہے۔ تم نے اسے پڑھا نہیں ہے ورنہ تم اس کی صحت یابی کے بارے میں اتنا لمبا چوڑا دعویٰ لکھ کر ہرگز نہ بھیجتے۔ لڑکا ناقابلِ علاج حد تک بیمار ہے اور اسے ہسپتال میں دماغی امراض کے وارڈ میں داخل ہونا چاہیے۔ اور سعودی عرب جیسے متمول ترین ملک کے کسی ایسے ادارہ میں اسے داخل کرانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ وہ بالکل ایک نباتی خودرو پودے کی مانند ہے۔ اور جس حالت میں وہ جی رہا ہے اُسے کسی طرح انسانی سطح کی زندگی نہیں کہا جا سکتا۔ جب میں اُس کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ زندہ ہونے کے باوجود میرے لئے دنیا میں نہیں رہا۔ میں تم سے یہی کہتا ہوں کہ مہربانی کرتے ہوئے آئندہ اپنے خطوط میں بار بار اُس کے ذکر سے میرے لئے روحانی اذیت کا سامان نہ بہم کرو......''

احمد خلیل نے فوراً اپنے باپ کو خط لکھا جس میں درخواست کی گئی تھی کہ آپ خلیفہ کے متعلق پریشان نہ ہوں۔ خلیفہ آئندہ سے تمام وقت گھر پر ہی رہا کرے گا۔ اس خط میں والد کو یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ میں اور رشید خلیفہ کے بارے میں ہر قسم کی ذمہ داری اُٹھانے کو بالکل مستعد ہیں۔ اُس نے خاموشی سے اپنے والد کی طرف سے آئے ہوئے خط کو اپنے والد سے حاصل شدہ صندوقوں میں سے ایک صندوق میں رکھ دیا' اور خط والے صندوق کو اس نے پرچھتی پر سب سے اُونچی جگہ پر رکھا۔ اُس کا خیال تھا کہ اتنی اُونچی جگہ پر کسی کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔

اگلے دن سہ پہر کے وقت احمد خلیل اپنے کام سے واپس گھر آیا تو اس نے دیکھا کہ خلیفہ کمرے کے بالکل وسط میں کھڑا ہے۔ جب وہ دروازے میں داخل ہوا تو

Marfat.com

خلیفہ نے اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہ کی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ خلیفہ اُسے بالکل پہچان ہی نہیں رہا ہے۔ وہ ایک پتھر کی چٹان کی طرح اپنی جگہ پر جما کھڑا رہا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اُس کا پیمانہ صبر بریز ہو چکا ہے۔ اُس نے پرچھتی پر سے صندوق نیچے اُتار لیا تھا اور اس میں سے تمام کاغذات نکال کر باہر فرش پر بکھیر دیئے تھے۔ والد کی طرف سے آیا ہوا خط اُس کے ہاتھ میں تھا۔ اُسے کس طرح معلوم ہوا؟ لیکن ایسے لگتا تھا کہ خلیفہ نے یہ تمام خط پوری طرح پڑھ لیا ہے۔ اور جب احمد خلیل نے انتہائی نرمی اور پیار کے انداز سے یہ خط اُس سے واپس لیا تو خلیفہ نے کانپنا شروع کر دیا۔ اس کا جسم سر سے پاؤں تک لرزنے لگا۔ احمد خلیل نے اُسے اپنے بازوؤں میں لے کر سینے سے لگا لیا اور اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا ''میرے پیارے بھائی! ابا جان تو یہاں سے بہت دُور ہیں اور پیچھے وہیں رہ گئے ہیں۔ وہ اب تمہارے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ نہ صرف میں یہاں ہوں بلکہ رشید بھی موجود ہے۔ ہم تمہاری حفاظت کریں گے اور ہمارے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی جرأت نہیں کر سکتا......!''

احمد خلیل نے اپنے بھائی کو تسلی اور دلاسا دینے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس کے تحت الشعور میں چھپے ہوئے بچپن کے اندوہناک واقعات کو بھلانے کے لئے وہ ہر روز کام سے واپسی پر اُسے لائبریری میں لے جاتا۔ ایک دوسرے کے پیچھے ایک قطار کی صورت میں چلتے ہوئے وہ مدینہ شہر کے قدیم تعمیر شدہ حصے میں داخل ہوئے۔ جہاں گلیاں اتنی تنگ تھیں کہ دو آدمی بیک وقت آمنے سامنے سے گزر نہیں سکتے تھے۔ اس طرح چلتے چلتے وہ بھورے رنگ کے پتھر سے بنی ہوئی ایک قدیم عمارت میں قائم شدہ شیخ حمود لائبریری میں پہنچ گئے جسے آج سے صدیوں پہلے ترکی کے سلطان نے تعمیر کروایا تھا۔ دونوں بھائی انتہائی خاموشی سے اقدم اُٹھاتے ہوئے سفید گنبدوں والی عمارت کے ہال میں داخل ہوئے۔ جہاں شیشے کی الماریوں میں مذہب' فلسفہ' قانون' سائنس' ریاضی' تاریخ' جغرافیہ اور ادب کے موضوعات پر ہاتھ سے لکھے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں مسوّدے قطار در قطار موجود تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے نایاب قسم کے مسودات بھی تھے جن سے ابھی تک اسلامی دُنیا بہت کم آگاہی رکھتی تھی۔ سروں پر عمامہ باندھے' سفید عباؤں میں ملبوس' باریش علماء کئی قطاروں میں گدیوں پر بیٹھے کتابوں پر جھکے ہوئے مطالعہ میں محو نظر آ رہے تھے۔ وہ میزوں کے بجائے مہاگنی کی چھوٹی اور کم اونچائی والی چھوٹی ڈیسک نما میزوں پر کہنیاں ٹکائے

Marfat.com

مطالعہ کر رہے تھے۔ مطالعہ کتب کے دوران گاہے گاہے وہ ان کتب سے کچھ نوٹس لیتے اور کبھی کبھی آپس میں اتنی دھیمے انداز میں تبادلہ خیال کرتے کہ اُن کی آواز صرف مخاطب تک ہی پہنچ پاتی۔ یہاں کوئی یورپی کتاب نہیں تھی اور لائبریری میں مطبوعہ کتابیں بھی صرف چند ہی ہوں گی۔ لائبریری کے دو ذمہ دار عہدیداروں سے ملنے کے علاوہ دونوں بھائی مختلف کتب کو ادھر اُدھر سے پڑھنے کے علاوہ زرد رنگ کے قدیم مسّودوں کی انتہائی عقیدت سے ورق گردانی کرتے رہے۔ وہ اتنے خوش اور محو تھے کہ کئی گھنٹے لائبریری میں گزر گئے اور انہیں وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔

اکثر کتب اُس جیسے نیم خواندہ آدمی کے فہم و ادراک سے ماوراء تھیں۔ لیکن لائبریرین نے اُسے ایک ایسی کتاب لا کر دی جو اُس کی خصوصی توجہ کا مرکز بن گئی۔ یہ آج سے چھ سو سال پہلے کے تیونس کے رہنے والے عظیم مسلمان مؤرخ ابن خلدون کے ''مقدمہ'' کا ایک نسخہ تھا۔ لائبریرین نے اُسے بتایا کہ اس کتاب کو چھاپہ خانے کے وجود میں آنے سے پہلے ترکی کے ایک گمنام عالم نے انتہائی عقیدت کیشی کے انداز میں اعلیٰ خوش نویسی کے رسم الخط میں نقل کیا تھا۔ اس کتاب کی تفہیم میں آسانی اور مدد کے لئے لائبریرین نے انتہائی سادہ انداز میں ابن خلدون کے مختصر سوانح بیان کیے۔

''ابوزید عبدالرحمٰن ابن خلدون تیونس میں پیدا ہوئے۔ بنیادی طور پر اُن کے خاندان کا تعلق جنوبی عرب کے علاقے سے حضرموت سے تھا۔ یہ خاندان ہسپانیہ کی اسلامی فتوحات کے ابتدائی دور میں اندلس منتقل ہو گیا تھا۔ ابن خلدون کے خاندان کے افراد چار صدیوں تک اشبیلہ شہر میں اعلیٰ حیثیت کے عہدوں پر فائز المرام رہے۔ وہ حکمرانوں کے ممتاز اور اعلیٰ عہدیداروں میں شمار ہوتے تھے۔

لیکن جب عیسائیوں نے ہسپانیہ پر دوبارہ قبضہ کیا تو اُنھوں نے آبنائے جبل الطارق سے لے کر افریقہ تک پھیلے ہوئے بے شمار عرب مسلمان باشندوں کو وہاں سے نکال دیا۔ لیکن فرڈی ننڈ سوم اور کاسٹائل کے ''اشبیلہ'' پر قبضہ سے عین تھوڑا عرصہ پہلے ہی ابن خلدون کا خاندان تیونس کی طرف ہجرت کر گیا۔

ہسپانیہ سے آنے والے مہاجرین' جنوبی افریقہ کے مقامی باشندوں کی نسبت کہیں زیادہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مہذب تھے...... اور اسی بناء پر ابن خلدون کے دادا جلد ہی یہاں وزارت جیسے اہم منصب پر فائز ہو گئے۔ اس عہدے کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے

Marfat.com

بعد اُنہوں نے خود کو اسلامی قانون' فقہ' علم الکلام کے مطالعہ اور تصنیف و تالیف کے لئے وقف کر دیا۔ حتیٰ کہ ایک وبائی بیماری میں اُن کا انتقال ہو گیا۔

پھر ان کے بیٹے یعنی ابن خلدون کے والد اس منصب پر فائم ہوئے۔ عبدالرحمٰن ابن خلدون نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب کی نگرانی میں حاصل کی۔ یہ تعلیم قرآن پاک حفظ کرنے' عربی گرامر' شاعری اور اصول فقہ پر مشتمل تھی۔ اور صرف بیس سال کی عمر میں ابن خلدون عملی زندگی میں اس اعلیٰ حیثیت سے داخل ہوئے کہ اتنی کم عمری میں ہی وہ مراکش میں سلطانِ فاس کے سیکریٹری کے عہدے پر فائز ہو گئے۔

کچھ سال بعد ابن خدون واپس ہسپانیہ گئے اور سلطان غرناطہ کے دربار کے عہدیداروں میں شامل ہو گئے۔ سلطان نے انہیں کا سٹائل کے ظالم بادشاہ پیڈور کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ اشبیلیہ میں جب آپ نے اپنے آباؤ اجداد کی عظمت' رفتہ اور اقتدار گم گشتہ کے آثار دیکھے تو اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کا چشمہ بہہ نکلا۔ آپ کی غیر معمولی ذہانت اور قابلیت دیکھ کر عیسائی بادشاہ ششدر رہ گیا اور وہ آپ سے اتنا متاثر ہوا کہ اُس نے ابن خلدون کو پیش کش کی کہ "اگر تم میرے درباریوں میں شامل ہو جاؤ تو میں تمہیں تمہارے آباؤ اجداد کی ریاست واپس کرنے کو تیار ہوں" ابن خلدون نے اس پیشکش کے جواب میں انکار کرتے ہوئے کہا کہ "میں ہمیشہ اپنے آباؤ اجداد' اُن کی روایات اپنی مِلت اور اسلام کا وفادار رہوں گا۔ میں عیسائی بننا پسند نہیں کروں گا اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے بچے اور آل اولاد عیسائیوں کی حیثیت سے پروان چڑھیں۔"

اس طرح آپ اپنے اہل و عیال کے ہمراہ واپس شمالی افریقہ میں آ گئے اور چار سال تک انتہائی عزلت گزینی اور گوشہ نشینی کے عالم میں "مقدمہ" اور اپنی شہرہ آفاق عالمی تاریخ "تاریخ ابن خلدون" لکھنے میں محو ہو گئے۔ اس دوران وہ مطالعہ' تصنیف و تالیف کے ساتھ وابستگی کے علاوہ تیونس کی مسجد میں قائم شدہ زیتونہ یونیورسٹی میں لیکچر بھی دیتے رہے۔

اس کے بعد ابن خلدون نے مکہ جانے اور فریضہ حج ادا کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی دوران اُنہیں زندگی کے سب سے بڑے سانحے سے دوچار ہونا پڑا۔ جس بحری جہاز میں اپنے اہل وعیال کے ہمراہ سوار ہو کر وہ تیونس سے مصر جا رہے تھے۔ وہ جہاز ایک سمندری طوفان کی زد میں آ کر تباہ ہو گیا۔ اس مہلک اور کاری وار نے آپ کو دولت مسرت اور

Marfat.com

بال بچوں سے محروم کر دیا۔ اب آپ نے سکون قلب کا سامان نماز اور تلاوت قرآن پاک میں ہی تلاش کیا۔ اور مصر کی عدالتوں میں فقہ مالکی کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کی حیثیت سے تین سال تک خدمات انجام دینے کے بعد اپنا منقطع شدہ فریضہ حج ادا کیا۔ اس کے بعد آپ خاموشی اور تنہائی کی زندگی بسر کرنے کے ارادہ سے واپس مصر آ گئے۔

لیکن ابھی تک آپ کی تقدیر میں ایک مزید بحرانی اور ناگہانی صورتِ حال کا سامنا کرنا باقی تھا۔ جب وحشی منگولوں نے دمشق پر حملہ کرنے کی دھمکی دی تو ابن خلدون اُن چند ممتاز شخصیات میں شامل تھے جو لمبے رسوں کی مدد سے شہر کی فصیل پر سے نیچے اُتر کر معاہدہ کی شرائط طے کرنے کے لئے امیر تیمور کے پاس پہنچے۔ جب اس وحشی فاتح نے شہرہ آفاق مؤرخ کو اپنے سامنے پایا تو وہ ششدر ہو کر رہ گیا۔ اور جب ابن خلدون نے اپنی مشہور عالم تاریخ سے اس کی وحشیانہ لوٹ مار کے واقعات پڑھ کر سنائے اور کہا کہ اگر میری تاریخ نویسی کی تفصیلات میں کوئی بات غلط ہے تو ابھی اس کی تصحیح کر دو! امیر تیمور اس سے اتنا متاثر ہوا کہ اُس نے ابن خلدون کو اپنی حکومت میں ایک اہم عہدے کی پیش کش کر دی۔ لیکن اس عہد ساز مؤرخ نے بڑی مہارت سے انکار کر دیا...... جب منگولوں نے دمشق کو تاخت و تاراج کیا تو یہ ابن خلدون ہی تھا جس نے اپنے اثر ورسوخ سے بہت سے لوگوں کی جانیں بچائیں۔

ابن خلدون کی مصر واپسی پر ایک بار پھر آپ کو قاہرہ میں فقہ مالکی کی شرعی عدالتوں کا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر کیا گیا اور اسی منصب پر آپ نے چوہتر (۷۴) برس کی عمر میں انتقال کیا۔

حاسدوں اور سازشی عناصر میں مسلسل گھرے رہنے کے سبب کو آئے دن نئے حکمرانوں سے اپنی وفاداریاں تبدیل کرنا پڑتی تھیں۔ اسی بناء پر جدید زمانے کے نقادوں نے آپ کو جذبہ حُبّ الوطنی بالکل عاری ہونے کا موردِ الزام ٹھہرایا ہے۔ لیکن ایک قاری کے ذہن میں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ حُبّ الوطنی کا وہ تصور جو یورپ میں معروف ہے اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ ابن خلدون کے نزدیک صحیح معنوں میں...... دارالسلام...... اور مُسلم تہذیب وتمدن کا علاقہ ہی اُس کا وطن ہے......

آپ کی زندگی کے ہنگامہ خیز ہونے کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے یورپ میں ظالم بادشاہ پیڈرو اور ایشیا میں وحشی حکمران امیر تیمور کا سامنا کیا۔ یہ

Marfat.com

ہنگامہ خیز زندگی کبھی اُسے وحشی منگولوں کے جھونپڑوں تک لے جاتی ہے اور کبھی بادشاہوں کے محلات تک...... اسی نیرنگیٔ دوراں کے ہاتھوں کبھی آپ خطرناک قیدیوں کے ساتھ تہہ خانوں اور کال کوٹھڑیوں میں قید ہوئے اور کبھی عدل و انصاف کی سب سے بڑی عدالت کے منصبِ اعلیٰ پر فائز ہوتے ہیں...... کبھی جہلاء کے ساتھ نباہ کیا اور کبھی عالم فاضل لوگوں کی اکیڈمیوں اور یونیورسٹی کے ہال میں لیکچر دیتے رہے...... کبھی آپ ماضی کے آثار کے خزانوں میں گئے اور کبھی زمانۂ حال کے بحرانوں کا سامنا کیا...... کبھی غم وحزن کی انتہاؤں اور کبھی خوشیوں کی فراوانی سے واسطہ رہا۔ زندگی کے حقائق سے براہِ راست واسطہ پڑنے کی روش نے ابن خلدون کے ذہن کو گہرے انداز میں سوچنا اور غور وفکر کرنا سکھایا۔ شعور کی یہی وہ اعلیٰ منزل ہے جہاں روح اپنی پوری دلسوزی کے ساتھ زندگی کے معنی و مفہوم سے آشنا ہوتی ہے......"

احمد خلیل لائبریری کے اسسٹنٹ کی مدد سے مقدمہ کی تین جلدوں کی مختلف عبارتوں پر غور وفکر کرتے ہوئے بار بار انہیں سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو ایک باب کا جلی عنوان اس کی گہری توجہ کا مرکز بن گیا: یعنی

مفتوح اقوام کا اپنی فاتح قوم کی نقل کرنا

"......... مفتوحہ لوگ ہمیشہ اپنے لباس، آداب، طرزِ زندگی، رسم و رواج اور عقائد ونظریات میں اپنی فاتح قوم کی تقلید کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی شخصیت کی تکمیل کے لئے اُن اوصاف کی طرف رجوع کرتا ہے جو اُن افراد میں پائے جاتے ہوں جن سے وہ شکست کھا کر مغلوب ہو گیا ہو۔ خواہ لوگ یہ طرزِ عمل اپنی فاتح قوم کے احترام میں اختیار کرتے ہوں جنہیں مکمل شخصیت صرف اُن افراد و اقوام میں جلوہ گر دکھائی دیتی ہے جن سے وہ شکست کھا کر مغلوب ہوئے ہوں۔ یا اس کا سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی شکست کو تسلیم نہیں کرنا چاہتے، جس سے وہ عام اور معمولی اسباب کی بنا پر دو چار ہوئے ہوں۔ لہٰذا وہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ فاتح قوم کے یہ مروجہ آداب، طرزِ زندگی اور رسم و رواج ہی ان کی فتح کا سب سے بڑا سبب ہیں۔ اور یوں مفتوح لوگ فاتح قوم کے رنگ میں رنگے چلے جاتے ہیں۔ یہ فریب نظر ایک طویل عرصے تک جاری رہنے کے بعد ایک گہرے یقین میں تبدیل ہو جاتا ہے اور فاتح قوم کے اصول و عقاید اختیار کرنے اور

Marfat.com

ان کی تمام بری بھلی خصوصیات کی ہو بہو ریس کرنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یہ اندھا دُھند تقلید غیر شعوری طور پر بھی ہوتی ہے اور اس کا سبب ایمان کی کمزوری بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ فاتح قوم کی فتح و نصرت کا سبب اس کا جسمانی اور مادی قوت نہیں بلکہ مفتوح لوگوں کا اپنے رسم و رواج' عقائد و نظریات اور طرزِ زندگی کے بارے میں احساسِ کمتری میں مبتلا ہونا ہے۔ لہٰذا سوچ اور زاویہء نظر کا اس سے بڑا مغالطہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ فاتح کی تقلید اور ریس سے مفتوح اپنی شکست کے اسباب کو دور کر سکتا ہے......

یہ بات بھی انتہائی غور و فکر کا تقاضا کرتی ہے کہ تمام ممالک کے مقامی باشندے اکثر و بیشتر اُس شاہی حفاظتی دستے کے لباس و عادات کی نقل کرتے ہوئے اسے اپنانے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کے عین درمیان براجمان ہوتا ہے۔ کیونکہ مؤخر الذکر گروہ نے حالیہ دور میں اُن پر فرمانروائی اختیار کی ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ ملک جو طاقت کے بل بوتے پر اپنے ہمسایہ ممالک کو فتح کرنے کا رجحان رکھتا ہے وہ بڑی حد تک اپنے سے زیادہ طاقتور اور غالب اقوام کی نقل کرتا ہے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں ہم ہسپانیہ کے مسلمانوں کا طرزِ عمل دیکھ رہے ہیں جو وہ اپنے عیسائی ہمسایہ گروہ کے بارے میں اختیار کیے ہوئے ہیں اور ان دنوں ہسپانیہ کے مسلمان لباس' زیورات' آرائش و زیبائش میں عیسائی ہمسایوں کی ریس کر رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے بہت سے رسم و رواج اور عادات کو تبدیل کر لیا ہے۔ مسلمانوں میں اپنے عیسائی ہمسایوں کی نقل کا یہ سلسلہ تصاویر' مجسموں اور اپنے گھروں اور دکانوں کی دیواروں پر آرائشی تصاویر تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ اور اس طرح ایک محتاط اور غائر منظر سے مشاہدہ کرنے والا کمزوری اور مرعوبیت کے یقین دلائل کا تعین کر سکتا ہے۔''

چھ سو سال پہلے لکھی ہوئی اس کتاب میں آج اُسے اپنے اُس سوال کا جواب مل گیا تھا جس نے اُسے عمر بھر اُلجھن میں ڈال رکھا تھا۔ جس کا جواب وہ نہ صرف فلسطین کے لوگوں کے لئے جاننے کا خواہشمند تھا بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ سوال دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے زندگی اور موت کے مسئلے سے کم نہیں تھا......! اس وقت وہ چاہتا تھا کہ کاش! اُس کا والد اور اُس کے مہاجر کیمپ کے تمام دوست آج اُس کے پاس ہوں تو وہ انہیں ابن خلدون کا یہ باب اُونچی آواز میں پڑھ کر سنائے...... اور اتنی اُونچی آواز میں کہ

Marfat.com

چلاتے ہوئے پڑھ کر اُن کے گوش گزار کرے کہ تمام ایشیا اور مشرق کے لوگ یورپ کے بارے میں اس حقیقت کو سن لیں۔ کاش! مسلمان اس کو سن کر اس پر توجہ کریں اس سے پہلے کہ پانی سر سے اُونچا ہو جائے اور وہ دائمی تباہی کے عمیق کھڈ میں جا گریں!

جلد ہی لائبریری کے معاون افسر عبدالرحمٰن اور انعام اللہ احمد خلیل کے گہرے دوست بن گئے۔ اُن کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کی خواہش میں اس نے قریب ترین مقامی مسجد کے سبزہ زار' کھجوروں کے باغ اور پھولوں کی نگہداشت کا کام حاصل کر لیا۔ عبدالرحمٰن نے ہندومت چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا اور وہ حج کے موقع پر اپنی تین بیویوں اور سات بچوں کے ہمراہ دہلی سے مدینہ منورہ آیا تھا۔ چونکہ اُس نے اپنی ذات پات سے نیچ ذات کی ایک لڑکی سے شادی کی تھی اس لئے اُس کے باپ اور بھائیوں نے اسے اچھوت سمجھتے ہوئے اس سے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے اسے عاق کر دیا تھا۔ اُس نے یہاں مستقل قیام کا فیصلہ کر لیا تھا۔ انعام اللہ کے عمر رسیدہ والدین نے زمین حجاز میں مرنے اور دفن ہونے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے سماٹرا سے مدینہ منورہ کا سفر اختیار کیا تھا اور اُس کو مدینہ منورہ کے علاوہ اپنے کسی اور گھر کے بارے میں بالکل ہی یاد نہیں تھا۔ اگرچہ نخلستان کے باغوں کی نسبت جہاں رشید اور خلیفہ ابھی تک کام کر رہے تھے' اُسے یہاں مسجد سے ملحقہ باغ میں معاوضہ بہت کم ملتا تھا لیکن پھر بھی وہ یہاں خوش تھا۔ یہاں وہ کھلے میدان اور خالص تازہ ہوا میں بہت فراغت سے کام لگا رہتا' اس کے پاؤں کے نیچے سبز فرحت بخش ٹھنڈی گھاس ہوتی۔ اردگرد شوخ رنگارنگ پھولوں کی محفل' کھجوروں کے سائے اور رنگارنگ پرندوں کے درمیان وہ خود کو کسی اور ہی پُر فضا مقام میں محسوس کرتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کی سب سے بڑی خواہش اور ترجیح مسجد نبویؐ کے باغیچے میں کام کرنے کی تھی۔ لیکن چونکہ یہ مسجد بھی حضورؐ کے شہر کے مضافات میں تھی۔ لہٰذا وہ اس دوسرے درجے کی مسجد میں ہی مطمئن تھا۔

سہ پہر کے وقت سردیوں کی خوشگوار اور گرم دھوپ میں وہ کھلے صحن میں بیٹھ کر سردیوں کی راتوں کو بچھانے کی غرض سے اپنے اور رشید کے لئے چٹائیاں بننے میں مصروف رہتا۔ تاکہ پرانی بوسیدہ چٹائیوں کی جگہ یہ نئی چٹائیاں استعمال کی جاسکیں۔ خلیفہ اس کام میں اُس کا ہاتھ بٹاتا۔ وہ بڑی احتیاط سے فرش پر رکھے ہوئے نرسل کے لمبے پتوں کے ڈھیر میں سے بڑی احتیاط سے ایک ایک کر کے پتے اُٹھا کر احمد خلیل کو تھمائے جاتا۔

Marfat.com

ہر طرف سکون اور طمانیت محسوس ہوتی اور اپنے بھائی کی خاموش رفاقت میں وہ کامل خوشی اور اطمینان محسوس کرتا۔

ایک دن سہ پہر کو احمد خلیل جب مسجد سے فارغ ہوا تو اُس نے لائبریری کے ایک اہل کار کو اپنا منتظر پایا۔ لمبی سفید عبا میں ملبوس' سیاہی مائل سفید ریش والے عالم فاضل کی پر شکوہ اور متین شخصیت دیکھ کر وہ متحیر رہ گیا۔

''میں آپ کے چھوٹے بھائی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ اُس کی خوش خطی اور نقاشی کے جو نمونے آپ نے مجھے دیئے تھے۔ میں نے ان کا بنظر غائر جائزہ لیا ہے۔ یہ بات پہلے ہی واضح ہے کہ اس میں خوش نویسی' خطاطی اور نقاشی کی خداداد صلاحیتیں ہیں۔ ایسی صلاحیتوں کے مالک بچے سے مجھے پہلی بار ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اگر آپ اسے خطاطی اور نقاشی کی تربیت حاصل کرنے کے لئے میری نگرانی میں دے دیں تو میں اُسے کھیتوں سے ملنے والی آمدنی سے کہیں زیادہ معاوضہ دینے کو تیار ہوں......''

بارہ سالہ خلیفہ اسی کمرے کے سامنے والے کونے میں ایک اعلیٰ درجے کے مزّین قالین پر بظاہر تو ایک کتاب کے مطالعہ میں محو دکھائی دیتا تھا۔ لیکن اصل میں وہ اپنے بارے میں ہونے والی اس گفتگو کو بڑے غور سے سن رہا تھا۔ لائبریری کا اہل کار خلیفہ کے پاس پہنچا اور گھٹنوں کے بل جھک کر اُس نے اپنا جھریوں بھرا نرم شفیق ہاتھ اس کے ناتواں کندھے پر بڑی ملائمت سے رکھا۔ خلیفہ کا حال یہ تھا کہ اس کے بچپن میں ہونے والی یہودیوں کی ظلم و سفاکی سے بھرپور جنگ کے بعد آج یہ پہلا موقع تھا کہ اس کا چہرہ ایک روشن مسکراہٹ سے دمک اُٹھا۔

☆......☆.....☆

Marfat.com

اکیسواں باب

افریقی دُلہن

کئی مہینے گزر گئے اور دنیا کے مقدس ترین شہروں میں سے دوسرے نمبر پر آنے والے اس شہر میں احمد خلیل ایک گھمبیر اور خاموش فضا محسوس کر رہا تھا جوایک ناقابلِ برداشت کشیدگی اور کھچاؤ میں تبدیل ہو گئی تھی۔ بعض اوقات تو یہ کیفیت ہوتی کہ اُسے خود کے بارے میں بھی پتہ نہ ہوتا کہ وہ کہاں ہے؟ شام کے وقت کام سے واپس آنے کے بعد وہ کئی کئی گھنٹے فرش پر اکڑوں بیٹھا رہتا' اُس کا مغموم نگاہیں جھکی ہوئی ہوتیں۔ جبکہ اُس کا چچازاد ایک اضطرابی کیفیت میں اِدھر اُدھر چکر لگاتا رہتا۔ ننھا اسمٰعیل چیخنا چلانا شروع کر دیتا۔ احمد خلیل اُس کے پاس جا کر اُس کے پاؤں کی ننھی منی انگلیوں میں گدگدی کرتا تو بچہ اُونچی آواز میں کلکاریاں مارتے ہوئے ہنسنے لگ جاتا۔ وہ اسے گلے لگا کر چومتے ہوئے پیار کرتا اور یہ ننھا منا گرم کھلونا اُس کے بازوؤں میں ہی سمٹ کر سو جاتا۔

''یہ کوئی انصاف تو نہیں ہے''! ایک دن لیکن اُس کے چچازاد بھائی نے چلاتے ہوئے کہا۔

''چپ رشید! چپ! تمہاری آواز سے بچہ جاگ اُٹھے گا''

لیکن رشید کی آواز بلند تر ہوتی گئی ''یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تمہارے پاس سب کچھ ہے اور میرے پاس کچھ بھی نہیں''؟

احمد خلیل نے ملتجیانہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''رشید تم ہم سب کو ایک نئی مصیبت میں کیوں ڈالنا چاہتے ہو''؟

''تمہارے پاس سب کچھ ہے۔ ایک بیوی' ایک بچہ اور جلد ہی تم دوسرے بچے

Marfat.com

کے باپ بھی بننے والے ہو۔ تم میری طرح کیسے ہوئے؟ اگر تم پر میری صورتِ حال وارد ہو جائے تو پھر تمہیں معلوم ہو جائے کہ کوئی آدمی بھی اس حالت میں اپنی بیٹی کا رشتہ دینے پر آمادہ نہیں ہو سکتا' جس صورت حال سے میں دوچار ہوں...... لیکن تم اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے......''

رشید غصے کے عالم میں اپنے چچازاد کو گھورتا رہا۔ اس کا سیاہ چہرہ انتہائی حریفانہ اور دھمکی آمیز دکھائی دے رہا تھا۔ پھر معاً فرش پر بیٹھ گیا اور اس نے اپنا سر گھٹنوں میں دے لیا ''آہ! وہ رات جب ہم سرحد عبور کرتے ہوئے نخل مدبار کے کھیتوں سے اناج کی فصل کاٹنے گئے تھے۔ کاش! میں اُن یہودی سپاہیوں کے ہاتھوں مارا جاتا جو مشین گنوں سے ہم پر فائرنگ کر رہے تھے؟ افسوس! کہ میں وہاں مر کیوں نہ گیا؟''
''یہ اللہ کی رضا نہیں تھی۔ اُس کی مشیت یہی ہے کہ تمہیں صبر سے کام لینا چاہیے......''

''ایسی باتیں کرنا تمہارے لئے بہت آسان ہے! تمہیں کیا معلوم کہ میں کس کیفیت سے دوچار ہوں۔ میں اس اذیت ناک تصور کے ساتھ زندگی کیسے گزار سکتا ہوں کہ نہ تو کبھی میری شادی ہو سکے گی اور نہ ہی کوئی اپنی اولاد ہو گی؟''
احمد خلیل نے قریب جا کر اُس کے توانا کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا تو وہ سمٹ کر پرے ہو گیا۔ اور چلاتے ہوئے کہنے لگا ''خبردار! مجھے ہاتھ نہ لگانا''!
رشید کی طبیعت میں چڑچڑاپن اور بدمزاجی دن بدن بڑھتی گئی۔ وہ کسی سے بھی بات چیت نہ کرتا۔ حتیٰ کہ وہ خلیفہ تک سے بولنے کا روادار نہ تھا۔ وہ بے دلی سے چند لقمے کھاتا۔ تقریباً آدھا دن وہ اپنی چٹائی پر بے حس و حرکت پڑا رہتا اور خالی نگاہوں سے چھت کی طرف کھجور کے بھاری تنے کے شہتیروں کو گھورتا رہتا۔ ایک دن صبح جب احمد خلیل بیدار ہوا تو اُس نے دیکھا کہ وہ جا چکا تھا بعض اوقات وہ کئی کئی گھنٹے غائب رہتا۔ اُس کی یہ روش کئی کئی ہفتے چلتی رہتی۔

پھر ایک دن تو ایسا ہوا کہ رشید دن بھر غائب رہا۔ احمد خلیل اس پریشانی کے مارے بدحواس ہو گیا۔ سورج غروب ہونے کو تھا کہ جب وہ خلیفہ کے ہمراہ رشید کی تلاش میں نکلا۔ دونوں بھائی ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے شہر کی تنگ ریگستانی گلیوں میں خاموشی سے چل رہے تھے...... اتنی تنگ گلیاں' کہ گلی کے دونوں جانب قدیم مکانات کی چھجے اور

Marfat.com

بالکونیاں دونوں اطراف سے تقریباً ایک دوسرے کو چھو رہی تھیں۔ اندھیرا پوری طرح چھا رہا تھا اور یہ چاند کی مدھم چاندنی تھی جس میں وہ اپنا راستہ تلاش کرتے ہوئے چلتے جا رہے تھے۔

خلیفہ نے احمد خلیل کا بازو کھینچا تو وہ تقریباً چونک اُٹھا۔ خلیفہ نے کہا ''میں نے گیٹ کے سامنے اُس کا سایہ دیکھا ہے! دیکھو! اُس طرف!''

''ہش ہش'' احمد خلیل نے اُسے چپ کراتے ہوئے کہا۔ ہمیں بالکل خاموش رہنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ہماری آواز سن لے''

وہ دونوں دبے پاؤں چلتے چلتے بالکل قریب چلے گئے اور انہوں نے خود کو دروازے کے پیچھے چھپا لیا۔ چاندنی میں اُنہوں نے رشید کو دیکھا' کہ اس نے اپنا چہرہ آہنی جنگلے کے بنے ہوئے گیٹ کے ساتھ لگا رکھا تھا۔ جنگلے کی دوسری جانب انہوں نے ایک دوسرا مدھم سایہ دیکھا۔ پھر انہیں شیریں اور دھیمی آواز سنائی دی۔

''ایک خاتون''! خلیفہ نے اپنے باز ُو کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا'

''ہش۔ ہش'' احمد خلیل نے اُسے چپ کرایا۔

وہ دونوں وہاں کھڑے مِلی جُلی آوازیں سنتے رہے۔ حتیٰ کہ آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ لڑکی کی سسکیاں اس خاموشی میں سنائی دے رہی تھیں۔

''لیکن آخر وہ رو کیوں رہی ہے؟'' خلیفہ نے پوچھا۔

احمد خلیل نے زور سے اپنے بھائی کا ہاتھ دبایا۔ اور مزید سُن گن لینے کا منتظر رہا۔ حتیٰ کہ لڑکی چلی گئی۔ رشید نے پیچھے مڑ کر جب انہیں دیکھا تو اس کے چہرے پر ناراضگی کے آثار نمودار ہوئے اور اُس نے بھاگنے کا ارادہ کیا۔

احمد خلیل نے اُس کی عبا کا دامن تھام کر اُسے پکڑ لیا ''تم ہم سے بھاگنا کیوں چاہتے ہو؟ ہم تو تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں''

رشید نے مکمل شکست خوردگی کے انداز میں کہا کہ ''تم کیا کر سکتے ہو؟ وہ ایک یتیم لڑکی ہے اور دُنیا میں بالکل تن تنہا ہے۔ جب سے اس کے والدین فوت ہوئے وہ اسی گھر میں ملازم ہے۔ آج وہ بیمار تھی اور اتفاقاً وہ گری اور اس کے ہاتھ سے ایک قیمتی رکابی گر کر ٹوٹ گئی۔ گھر کا مالک اس پر بہت ناراض ہوا۔ اس نے لڑکی کو مارا پیٹا اور گھر سے نکالنے کی دھمکیاں دیں۔ لڑکی کے لئے دُنیا میں کوئی ٹھکانہ نہیں ہے......''

Marfat.com

احمد خلیل نے اپنے چچازاد بھائی کی بیان کردہ صورتِ حال پر یقین نہ کرتے ہوئے کہا ''کیا تم یقین سے کہہ سکتے ہو کہ یہ سرگزشت سچی ہے؟ یہاں کے لوگ عموماً اپنے نوکروں اور غلاموں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے ہیں''

''یہ آدمی ان سب سے مختلف ہے اور بعض اوقات وہ انتہائی ظلم وستم پر اُتر آتا ہے''

اس کے بعد کئی دن اور پھر کئی ہفتے گزر گئے۔ رشید کٹھ پتلی کی طرح چلتے پھرتے ہوئے جی رہا تھا۔ ایسے لگتا کہ اُس میں جینے کی امنگ باقی نہیں رہی پھر ایک روز جمعہ کے دن سہ پہر کے وقت نماز جمعہ کے بعد عبدالرحمٰن نے رشید کا ہاتھ تھاما اور اُسے بڑے پیار اور منت سے کہا کہ میرے ساتھ آؤ'' احمد خلیل اور انعام اللہ بھی بالکل پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ وہ رشید کو مسجد سے ملحقہ ایک الگ تھلگ کمرے میں لے گئے۔ کمرے کے وسط میں فرش پر بچھی ہوئی چٹائی پر ایک خاتون سیاہی مائل اور نیلے رنگوں کے بھاری بھرکم کپڑوں کی تہوں میں اس طرح لپٹی بیٹھی تھی کہ اُس کے پاؤں ہی نظر آرہے تھے۔ احمد خلیل نے بڑی شفقت سے اُس کا نقاب اُٹھایا اور یہ پہلا موقع تھا کہ رشید نے یہ چہرہ دن کی بھرپور روشنی میں پوری طرح دیکھا۔ وہ بالکل نوجوان دکھائی دے رہی تھی۔ ایسے لگتا تھا کہ بچپن کی حدود سے لڑکپن میں داخل ہو رہی ہو۔ اُس نے دیکھا کہ خاتون کا سارہ جسم پٹیوں میں بندھا ہوا ہے۔ اس کے چہرے کی جلد بالکل اسی طرح سیاہ تھی جیسے رشید کی۔ اس کے چہرے کے نقوش بھی رشید کی طرح کھردرے اور موٹے تھے اور اس کی آنکھیں خوف اور کرب سے بھرپور تھیں۔

عبدالرحمٰن نے انتہائی شفقت اور دوستانہ انداز میں رشید کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ''تمہارے چچازاد بھائی نے اس خاتون کے بارے میں ہمیں بتایا اور اس لئے ہم اسے یہاں لے آئے۔ اب تم آئندہ زندگی میں تنہا نہیں رہو گے......''

اگلے دن بغیر کسی جشن اور دُھوم کے ایک انتہائی سادہ تقریب میں ان کی شادی ہوگئی۔ رشید نے ایک ہفتہ کی تنخواہ پیشگی حاصل کی اور اپنی نئی نویلی دُلہن کے لئے ایک کھجوروں بھری ٹوکری' کھانے پکانے کا ایک نیا برتن ایک تیل کا چولہا اور سونے کے لئے ایک چٹائی خرید لایا۔ پہلے پہل تو وہ اتنی شرمیلی اور خوفزدہ تھی کہ وہ کسی سے بھی بات کرنے سے گریزاں تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ رشید نے اُس کا اعتماد بحال کیا۔ ہر صبح کام پر جانے

Marfat.com

سے پہلے رشید اُس کے زخموں کی مرہم پٹی کرتا اور جلد ہی اُس کے زخم ٹھیک ہو گئے۔ رشید کی دُلہن اپنی انتہائی شائستہ عادات کے سبب تمام اہل خانہ کی تعریف و تحسین کا مرکز بن گئی۔

اسماء نے ایک سہیلی اور ساتھی کی طرح اس کا خیر مقدم کیا۔ جو گھر گرہستی کے کاموں میں اُس کا ہاتھ بٹاتی۔ چونکہ ماضی میں اُسے انتہائی سختی کے ساتھ الگ تھلگ اور ایک قید جیسے ماحول میں رکھا گیا تھا۔ اس لئے وہ بہت تنہائی پسند ہو گئی تھی۔ میمونہ اسماء سے کبھی شاذونادر ہی جھگڑتی۔ کمرے کو صاف ستھرا رکھنے کی غرض سے اس کی صفائی کرتی اور ہر روز اسمٰعیل کو اچھی طرح نہلانے دھلانے پر اصرار کرتی اور جب اسماء مسور کی ہانڈی میں ڈوئی چلانے اور سیمنٹ کے فرش کو دھونے میں مصروف ہوتی تو وہ چکی پیسنے میں مصروف میمونہ کی شیریں اور دھیمی آواز میں گنگناہٹ پر مبنی افریقی قبائل کے سریلے گیت سنتی جو اُس کی ماں نے اُسے بچپن میں سکھائے تھے۔

☆......☆......☆

Marfat.com

بائیسواں باب

غلافِ کعبہ کی تیاری

اگلے سالوں میں احمد خلیل اور رشید کے ہاں یکے بعد دیگرے تیزی کے ساتھ کئی بچوں کی ولادت ہوئی۔ کبھی کبھار کے لڑائی جھگڑے کے باوجود اُن کی بیویاں آپس میں گہری سہیلیاں بن گئی تھیں۔

اسمٰعیل نشوونما پاتے ہوئے اب ایک خوبصورت لڑکے کی عمر کو پہنچ چکا تھا۔ وہ اپنے شفیق والدین کا چہیتا تھا۔ اپنی صاف گندمی رنگت' بڑی سیاہ چمکدار آنکھوں' لمبی اور ملائم بھنوؤں' نرم چمکیلے گھنگریالے بالوں اور اپنے چہرے کے چھوٹے لیکن متناسب نقوش کے ساتھ وہ انتہائی خوبصورت اور پیارا بچہ دکھائی دیتا......! جس حسن کی والدین میں کمی تھی اللہ تعالیٰ وہ اُن کے بیٹے کو بھرپور انداز میں عطا فرمایا تھا...... اتنا فراواں حسن کہ ایک اجنبی آدمی کے لئے اُس کو دیکھ کر یقین نہ آتا کہ یہ احمد خلیل کا بیٹا ہے......! اُس کی دل کش جھلک احباب' ہمسایوں حتیٰ کہ اجنبی لوگوں کی گفتگو کا بھی موضوع بن جاتی۔ احمد خلیل کو اس پر بڑا مان تھا۔ وہ اکثر اسے اپنے ساتھ کام پر لے جاتا اور بلند کھجوروں کے جھنڈ سے کھجوریں توڑ کر اسے کھلاتا۔ اور کبھی وہ درخت کے اُوپر سے ہی کھجوریں نیچے پھینکتا کہ اسمٰعیل انہیں زمین پر گرنے سے پہلے دبوچ لے۔ اسمٰعیل اس پر اتنا خوش ہوتا کہ زور زور سے ہنستے ہوئے چلاتا۔ کام سے فراغت پانے کے بعد احمد خلیل نے اُسے کندھوں پر اُٹھا کر اپنے دوستوں کو دکھانے کے لئے بازار میں لے جاتا۔

احمد خلیل نے اپنے بیٹے کی آئندہ زندگی کے بارے میں کبھی زیادہ سوچنے کی

Marfat.com

کوشش نہیں کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ودیعت شدہ لڑکا بڑا ہو کر کیا بنے گا۔ حتیٰ کہ لڑکے کی عمر چار سال ہو گئی۔ انہی دِنوں اسماء نے انتہائی تکلیف دہ اور جانکنی کی مشقت کے بعد دو جڑواں بچوں...... ایک لڑکے اور ایک لڑکی کو جنم دیا۔ جب اسمٰعیل نے اپنی ماں کو کمزوری اور بے جان سی حالت میں دو ننھے منے نئے بچوں کو پہلو میں لئے ہوئے چٹائی پر لیٹی ہوئی پایا تو وہ زور زور سے زمین پر اپنے پاؤں پٹختے ہوئے چیخا: ''مجھے کوئی بہن یا بھائی نہیں چاہیے! اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے جیسا کہ تم کہتی ہو تو ان بچوں کو اپنے بطن میں ہی واپس لے جاؤ جہاں سے یہ آئے ہیں۔'' اسماء نے لیٹے لیٹے اپنا چہرہ دیوار کی طرف کر لیا اور وہ اتنی شدت سے روئی کہ احمد خلیل کے دلاسا وتسلی دینے پر بھی چپ نہ ہوئی۔

جونہی دیگر بچوں کی پیدائش ہوئی اس کے بعد اسمٰعیل دن بدن ضدی، سرکش، گستاخ اور منہ زور ہوتا گیا۔ اور اس کی بڑھتی ہوئی درشتی نے اس کے چہرے کے حسن اور دل کشی کو ختم کر دیا۔

احمد خلیل نے اپنے خاندان یا اپنے قدیمی گاؤں عراق المنشیا میں اس قسم کا لڑکا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اگرچہ اُس نے نجبا میں ایسے بہت سے لڑکے اور لڑکیاں دیکھی تھیں جن کا رویہ گستاخی پر مبنی ہوتا تھا لیکن ان میں سے اسمٰعیل جیسی سرکشی کی انتہائی حدوں کو کوئی بھی نہیں پہنچا تھا۔ اس کے آبائی گاؤں عراق المنشیا میں اس قسم کا رویہ اور چلن تو ایک لمحے کے لئے بھی برداشت نہیں کیا جاتا تھا۔ وہاں تو اس قسم کے لڑکے کی بے دریغ پٹائی کی جاتی تھی لیکن اب تو اپنے قبیلے اور وسیع طور پر پھیلی ہوئی برادری کا تعاون خواب و خیال ہو چکا تھا اور اپنے بیٹے کی تمام تر تربیت اور نگرانی کی ذمہ داری تنِ تنہا اُس کے کندھوں پر آن پڑی تھی۔ اور اب وہ اپنے بیٹے کا سامنا کرتے ہوئے خود کو انتہائی کمزور اور بے بس محسوس کرتا تھا۔ جو دن بدن معاندانہ رویّہ اختیار کرتے ہوئے ایک بالکل غیر اور اجنبی کی طرح اُس کا مدّ مقابل بن کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے پر غضبناک ہونے کی نسبت کہیں زیادہ اس بات سے خوفزدہ تھا کیونکہ لڑکا قابو سے باہر ہو چکا تھا اور اپنے والد کی نافرمانی کے علاوہ جو اس کے جی میں آتا وہ کرتا اور ہمیشہ اپنی من مانی کرتا تھا۔ اس مرحلے پر احمد خلیل کی سمجھ میں کوئی تدبیر نہیں آتی تھی۔

Marfat.com

اگرچہ اسمٰعیل ایک قوی جسم اور اچھی صحت کا مالک تھا لیکن وہ اکثر اوقات دانتوں کے درد کی بیماری میں مبتلا رہتا۔ عراق المنشیا میں قیام کے وقت احمد خلیل کے خاندان میں یہ بیماری نہ ہونے کے برابر تھی۔ جہاں وہ جھوٹی موٹی خوارک پر گزارہ کرتے تھے اور وہ بھی انہیں بمشکل ہی میسر آتی۔ لیکن وہاں اُن سب کے دانت مضبوط اور صحیح سلامت تھے۔ یہاں ایک دن احمد خلیل' اسمٰعیل کو مقامی حجام کے پاس لے گیا تاکہ وہ اس کی تین سڑی اور کھائی ہوئی کھوکھلی داڑھیں باہر نکال دے۔ حجام نے اسمٰعیل کو انتہائی سختی سے ڈانٹتے ہوئے کہا ''یہ سب تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ تم میٹھی چیزیں بہت کھاتے ہو۔ تم ہر وقت میٹھا کھاتے رہتے ہو۔ میں نے جو مسواک تمہیں دی تھی تم نے اس سے اپنے دانتوں کی صفائی کیوں نہیں کی؟'' اسمٰعیل حقارت سے اُسے گھورتا رہا لیکن زبان سے کچھ نہ کہا۔

اب وہ پرورش پاتے' پھلتے پھولتے خود اعتمادی رکھنے والا ایک آٹھ سالہ لڑکا بن چکا تھا اور گھر کے تمام بچوں میں سب سے زیادہ چالاک اور خودسر تھا۔ وہ اپنے چھوٹے سگے اور چچا زاد بہن بھائیوں سے اتنا زیادہ طاقتور تھا کہ اگر اُس کی ماں کے علاوہ رشید کی بیوی بھی کبھی کبھی اُس پر نگاہ نہ رکھتیں تو وہ اپنے سے چھوٹے تمام بچوں کا کھانا چھین کر چٹ کر جاتا۔

جب کبھی کبھار دو تین سالہ بچے اسمٰعیل کو دیکھتے تو وہ مایوسی سے چیخ اُٹھتے کیونکہ اسمٰعیل کی موجودگی میں وہ اپنے حصے کی خوراک حاصل نہیں کر پاتے تھے۔ اس وقت احمد خلیل' اسمٰعیل کو نظر انداز کرتے ہوئے ان بچوں کو اپنی گود میں دونوں طرف بٹھا کر اپنے ہاتھ سے روٹی کے لقمے کھجوروں کے ساتھ انہیں کھلاتا۔ اور بچوں کو اس بات کی تعلیم دیتا کہ کھانا اللہ کے نام سے شروع کرتے ہوئے کھانا چاہیے اور جب پیٹ بھر جائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور روٹی کے ریزے جو زمین پر گر جائیں انہیں چیونٹیوں کو کھلانا چاہیے۔ اکثر اوقات وہ مسور کے شوربے کے قطروں میں روٹی کے ذرّے بھگو بھگو کر چیونٹیوں کو اپنے ہاتھ سے خود کھلاتا اور اس منظر کو دیکھتے ہوئے خوشی سے مسحور ہو جاتا کہ یہ ننھی منی مخلوق کتنی محنتی' جفاکش اور باہمی تعاون کرنے والی ہے کہ سردیوں کے لئے اپنی خوراک کا ذخیرہ کرنے کے لئے دیوار کے نیچے واقع بلوں میں اپنی رہائش گاہ میں لے

Marfat.com

جانے کے لئے یہ مخلوق کتنی محنت اور تعاون سے کام کر رہی ہے۔

خلیفہ کے سن بلوغت کو پہنچنے میں اتنی تاخیر ہو گئی کہ احمد خلیل اور رشید اس امر پر حیرت زدہ تھے کہ شاید ساری عمر اسی بچپن کی حالت میں گزرار دینا ہی اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ لیکن سترہ سال کی عمر کو پہنچنے کے چند ماہ بعد خلیفہ ایک دُبلے پتلے لڑکے کے بجائے ایک بالغ اور بھرپور نوجوان کی صورت میں ڈھل گیا۔ اگرچہ اس کا جسم دُبلا اور چھریرا ہی تھا۔ اپنے مشفق اُستاد کے زیرسایہ ایک مستقل' صبر آزما' کڑی اور سخت پانچ سالہ تربیت کے بعد وہ قرمزی' سیاہ آسمانی نیلے اور سنہری و نقرئی رنگوں میں متناسب اور اعلیٰ درجے کی خوش نویسی و خطاطی میں اتنا ماہر ہو گیا کہ مدینہ شہر کا کوئی خطاط اس فن میں اس سے سبقت نہیں لے جا سکتا تھا۔ وہ نہ صرف جلی اور روشن الفاظ کی خطاطی میں مانا ہوا ماہر تھا بلکہ کسی نقص اور عیب کے بغیر کپڑوں پر سوزن کاری اور چوب کاری کی آرائش کا کام بھی نفیس انداز سے کرنے کا ماہر ہو گیا تھا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ یہ فن بذاتِ خود ایک مقدس کام ہے۔ کیونکہ قرآن پاک کی آیات اور حدیث سے اقتباسات کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے رہنا ہی بذاتِ خود ایک مذہبی اور روحانی تجربہ و مکاشفہ تھا۔ اُس نے اس کام میں کسی جدت اور تخلیقی اُپج کی کوشش نہ کی کیونکہ یہ فن ایک انفرادی رویے کا مظہر ہونے کے بجائے اس سے کہیں زیادہ ایک پوری تہذیب اور تمدن کا عکاس تھا۔ اس لئے وہ اس فن میں سے کسی انحراف اور تجاوز کے بغیر اپنے بے شمار گمنام پیشروؤں کی اس فن میں تخلیق کردہ روایتی صورتوں کی پیروی کرنے پر ہی مطمئن اور قانع تھا۔ اُس کا خوشنما اور آرائشی فن نہ صرف مکہ اور مدینہ کی مساجد میں اپنی بہار دکھا رہا تھا بلکہ اس کے علاوہ بہت سے لوگوں کی نجی رہائش گاہوں اور گھروں میں بھی پہنچ چکا تھا۔ اُس کی خطاطی کی تعریف و تحسین نہ صرف پورے عرب میں کی جا رہی تھی بلکہ عرب سے ملحقہ ممالک میں بھی اس کے فن کے نمونے پہنچ چکے تھے اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ لیکن ابھی تک اُس نے اپنے کسی فن پارے پر اپنا نام تحریر نہ کیا تھا۔ اس لئے بیرون مدینہ اس کے فن کو بخوبی جاننے کے باوجود کوئی بھی اس کے نام سے آگاہ نہیں تھا۔ اس کے باجود مدینہ کے چند لوگ اس کے نام سے واقف ہو گئے لیکن جب اُنہوں نے اسے دیکھا اور بڑے تجسس کے ساتھ اس سے بات چیت کی تو وہ مارے حیرت کے ساکت ہو کر رہ گئے۔ اُنہوں نے اس کے استاد

Marfat.com

سے انتہائی تعجب انگیز انداز میں پوچھا کہ کیا یہ لڑکا دیوانہ ہوسکتا ہے؟ اور ایک دیوانہ یا پاگل اتنی اعلیٰ خطاطی کے فن کو کس طرح عمل میں لا سکتا ہے؟ اُستاد نے انہیں اس بات کا یقین دلانے کی بہت کوشش کی کہ خطاطی کا یہ سارا کام خلیفہ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہے لیکن اُنہوں نے اس کی باتوں پر یقین کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ان کے علاوہ دیگر لوگ جو زیادہ ہمدردانہ رویہ رکھتے تھے وہ اُستاد کی غیر حاضری میں خلیفہ سے ذاتی اور انفرادی طور پر ملے اور اُنہوں نے خلیفہ کو منہ مانگے دام کی پیش کش کرتے ہوئے اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی۔ لیکن خلیفہ نے اپنے اُستاد کی اجازت کے بغیر اپنے فن پارے بیچنے سے انکار کر دیا اور کسی سے کوئی رقم قبول نہ کی۔

جب خلیفہ اُنیس (۱۹) سال کی عمر کو پہنچا تو خانہ کعبہ پر چڑھائے جانے والے سالانہ غلاف کی آرائش و زیبائش کے لئے اُس کا انتخاب کر لیا گیا۔ کئی صدیوں سے مصر میں ہی یہ غلاف بنا جاتا اور ماہر کاریگر اس پر سوزن کاری اور آرائش کا کام کرتے۔ جس کے بعد ہر سال حج کے موقع سے عین پہلے اسے ایک شاندار تقریب کے ساتھ سعودی عرب میں لایا جاتا تھا۔ لیکن جب سے صدر ناصر کے عرب قوم پرستی پر مبنی عزائم اور بیانات کے بعد سعودی عرب اور مصر کے تعلقات کشیدہ ہوئے تھے' اس کے بعد سے سعودی عرب کے شاہ نے مصر کے بنے ہوئے غلاف کو مسترد کر کے اسے اپنے ملک کے اندر بنائے جانے کا فرمان جاری کر دیا۔ اپنے اُستاد کی معیت میں خلیفہ مکہ مکرمہ گیا۔ جہاں اُس نے کئی مہینے اس طرح گزارے کہ فرش پر بچھی ہوئی چٹائی پر درجنوں دیگر ماہر کاریگروں کے درمیان اکڑوں بیٹھے ہوئے اپنی بیداری کے تمام اوقات زربفت و کمخواب کے سیاہ کپڑے پر سنہری دھاگے سے سوزن کاری کے کام کی معاونت میں صرف کیے۔ یہ پردہ بعد میں کعبہ کے دروازہ پر آویزاں کیا جانا تھا اس پر قرآنی آیات باہم پیوست اور پیچیدہ رسم الخط میں انتہائی محنت سے سوئی دھاگے سے کڑھائی کرتے ہوئے لکھی جا رہی تھیں اور ہر بخیہ بڑی احتیاط سے لگایا جا رہا تھا۔ معمر عالم کو بہت سے لوگوں کی طرف سے بسا اوقات تنبیہہ کی گئی تھی کہ وہ خلیفہ کو ساتھ نہ لے جائے کیونکہ یہ اتنے اعلیٰ اعزاز کا اہل نہیں ہے اور اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ لمحے وہ کیا کرنے والا ہے اور اس طرح وہاں کوئی ناخوشگوار صورت حال نہ پیش آ جائے لیکن اس مردِ سال خوردہ نے اس قسم

Marfat.com

کی تمام افواہوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان پر کان دھرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ خلیفہ سے بہت گہری وابستگی رکھتا تھا اور حقیقت میں وہ اس کے لئے اتنا مشفق تھا کہ وہ اسے پاگل سمجھنے کے بجائے انتہائی غیر معمولی ذہین لڑکا سمجھتا تھا...... ! ایسا ذہین لڑکا جو اس نے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو اور اس کی اُجرت کی تمام رقوم وہ احمد خلیل کو بھیجتا کہ اس رقم کو خلیفہ کے لباس و خوراک کے لئے ذمہ داری اور حفاظت سے سنبھال کر رکھے۔ خلیفہ اگرچہ اس بات سے آگاہ تھا لیکن اُس نے رقم کا مطالبہ کبھی نہ کیا۔

دوپہر کے وقت وہ مشترکہ طعام میں سے تازہ روٹی' سبزیوں اور گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑوں پر مشتمل کھانا کھانے کے بعد پانی یا دہی کی لسی کا ایک پیالہ پیتا۔ دیوار کے ساتھ پڑے ہوئے تکیوں میں سے ایک تکیہ اُٹھاتا اور فرش پر سمٹ کر لیٹتے ہوئے بجلی کے پنکھے کے نیچے سو جاتا۔ تھوڑی دیر سونے کے بعد جونہی وہ بیدار ہوتا' باہر نصب شدہ نلکے پر ہاتھ منہ دھو کر اپنے ذمہ لیا ہوا کام وہیں سے دوبارہ شروع کر دیتا جہاں سے اس نے چھوڑا تھا۔ صرف نمازوں کے اوقات میں اس کے کام کا سلسلہ منقطع ہوتا۔ وہ اپنے ساتھ کام کرنے والوں میں سے کسی کے ساتھ بھی بات چیت نہیں کرتا تھا اور نہ ہی کوئی اُس سے ہمکلام ہوتا۔ وہ اتنا خاموش اور کم آمیز تھا کہ وہ اس پر کوئی توجہ نہ کرتے اور انہیں بمشکل ہی یہاں اس کی موجودگی کا احساس ہوتا۔

جب اندھیرا چھا جاتا' تو وہ اپنے اُستاد کے ہمراہ نمازِ عشاء کے لئے مسجد میں جاتا اور نماز کے بعد اُس کے استادِ محترم اپنے ساتھ اُسے اپنے بھائی کے گھر لے جاتے...... خلیفہ کا لباس سفید عبا اور کافیے پر مشتمل تھا یہ انتہائی صاف ستھرا لباس اُسے اُستادِ محترم نے ہی دیا تھا۔

سیاہ رنگت کی ملائم جلد اور سفید عبا کے ساتھ اُس کا لباس ایک عجیب اور دل کش بہار دکھاتا۔ خلیفہ شام کا کھانا' کھانے کے بعد ان دونوں معمر آدمیوں کے ساتھ صحن میں بیٹھ جاتا اور جب وہ اسلامی قانون' قرآن و حدیث کی تعلیمات اور آخرت کے بارے میں گفتگو کرتے تو اُن کی باتیں انتہائی توجہ کے ساتھ سنتا۔ خلیفہ کی مذہبی باتوں میں گہری دلچسپی اور انہماک ان دونوں بزرگوں کو نہال کر دیتی۔

آخر کار جب اس پر اُونگھ غالب آنا شروع ہوتی تو وہ چھت پر اپنے اُستاد کے

Marfat.com

بستر کے پہلو میں تنکوں کی بنی ہوئی چٹائی بچھاتا' اور ہلکی ٹھنڈی ہوا میں کمبل اوڑھ کر ساری رات اطمینان سے سویا رہتا۔ فجر کی اذان کے وقت اُس کی آنکھ کھلتی اور نماز کے بعد اُس کے محنت طلب اور خاموش کام والے ایک نئے دن کا آغاز ہو جاتا۔

اُس نے ایام حج کے خاتمے تک اپنے اُستاد کے ہمراہ مکہ میں قیام کیا۔ یہ اُس کی زندگی کے سب سے زیادہ خوشیوں سے بھرپور دن تھے۔ ایسی خوشیاں جن سے پہلے وہ کبھی آشنا نہیں ہوا تھا۔

☆......☆......☆

Marfat.com

تیسواں باب

رُوسی دُلہن

جب خلیفہ کی عمر بیس سال کے لگ بھگ ہوئی تو وہ ایک معزز روسی مہاجر کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ جس نے مدینہ میں کریانہ کی دکان چلاتے ہوئے چھوٹے پیانہ پر خوشحالی حاصل کر لی تھی۔ جب سے خطاطی کے شاہکاروں پر خلیفہ کو بے شمار انعامات ملے تھے یہ روسی مہاجر خلیفہ کی خطاطی کے فن پاروں کا بہت مشتاق اور قدر دان تھا اور ہمہ وقت ان کو حاصل کرنے کی جستجو میں رہتا وہ اس کی خطاطی کی خوبصورتی اور مہارت کا اتنا مداح بن گیا کہ اُس نے خلیفہ کو اپنی سب سے بڑی بیوہ بیٹی کے رشتہ کے پیشکش کر دی۔

احمد خلیل اور خلیفہ نے اپنا وہ بہترین لباس زیب تن کیا جسے وہ صرف عیدین کی تقریب سعید کے موقع پر پہنا کرتے تھے۔ احمد خلیل نے روسی مہاجر کے خاندان سے اپنی رہائش گاہ اور اپنے محلے کے مکینوں کے بارے میں رازداری رکھنے کے لئے پوری احتیاط سے کام لیا...... تمام بات چیت اور شادی کے بارے میں گفتگو احمد خلیل نے کی...... خلیفہ نے اپنی خاموشی اور سکوت سے صاحبِ خانہ کو بہت متاثر کیا۔

احمد خلیل نے اپنے بھائی کو بڑی منت اور پیار سے سمجھایا کہ شادی کے سلسلے میں ابھی انتظار کرے۔ کیونکہ اُسے یہ فکر دامن گیر تھی کہ اس شادی کے بعد اُسے ایک اضافی خاندان کی کفالت کی بھاری ذمہ داری بھی سنبھالنا پڑے گی۔ اس بناء پر کچھ مدت کے لئے وہ اپنے آپ کو اس نئے بار سے بچانا چاہتا تھا۔ لیکن جب خلیفہ نے اس بات پر اصرار کیا کہ شادی فوری طور پر ہونی چاہیے تو احمد خلیل کو اس کی بات ماننا ہی پڑی۔ اُس نے تذبذب کے عالم میں ہچکچاتے ہوئے پہلی بار خلیفہ کی کمائی ہوئی رقم اس کے حوالے کرتے

Marfat.com

ہوئے اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ اپنی رقم کی ذِمہ داری سنبھالے۔ احمد خلیل کو فکر تھی ممکن ہے وہ رقم کے بارے میں لاپرواہی کا مظاہرہ کرے۔ لیکن وہ بہت کفایت شعار تھا اور یہ پیسے اُس نے بڑی احتیاط سے صرف کیے۔

اس کی نئی بیوی صفیہ کی عمر تیس سال تھی اور وہ ایک سال پہلے ہی بیوہ ہوئی تھی۔ پہلے خاوند سے اُس کا ایک بچہ بھی موجود تھا۔ پہلے پہل تو اسماء اور میمونہ کو اس کی آمد اور موجودگی نامانوس سی لگی کیونکہ وہ اپنے لباس کے سوا چہرے مہرے سے بالکل ایک سفید رنگت والی یورپی عورت معلوم ہوتی تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ جب اُنہوں نے اُسے مکمل انداز میں عربی بولتے دیکھا، اور اس کی سوچ، طرزِ عمل اور رویّے میں اپنے جیسی یکسانیت پائی تو وہ اُس سے بہت مانوس ہو گئیں۔ خلیفہ کو اپنی بیگم کے حسنِ سلوک اور خوبصورتی میں بے پایاں مسرت ملی اور وہ اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ اگرچہ بعض اوقات خلیفہ کی مالی مشکلات کو دیکھ کر وہ کبھی ذہنی طور پر پریشان بھی ہو جاتی۔ کیونکہ ماضی میں وہ ایک خوشحال اور آسودہ زندگی کی عادی تھی۔ لیکن ظاہری طور پر اُس نے کبھی کسی قسم کی شکایت نہ کی اور وہ بالکل مطمئن دکھائی دیتی۔

وہ دونوں بڑی خوش و خرم زندگی گزار رہے تھے حتیٰ کہ اُن کے ہاں ایک بچے کی ولادت بھی ہو گئی۔ خلیفہ ایک صبح کو بیدار ہوا تو وہ اپنے سر میں شدید قسم کا درد محسوس کر رہا تھا...... اسی حالت میں کئی دن گزر گئے اور اس نے گھر سے باہر جانے اور کام کرنے سے انکار کر دیا۔ جب صفیہ نے سختی سے اُس سے پوچھا کہ بات کیا ہے تو خلیفہ نے بتایا کہ اُس کے سر میں ناقابلِ برداشت درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی ہیں۔ وہ ہر کسی سے بے نیاز ہو کر لاپرواہی کے انداز میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے اکڑوں انداز میں بیٹھا رہتا۔ رات کے وقت اُس کو منانے کے لئے صفیہ کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔

اب صفیہ نے بے رحمانہ انداز میں اُسے جھاڑنا شروع کر دیا۔ کوئی کام اُس نے کیا ہو یا نہ کیا ہو صفیہ اُس پر نکتہ چینی اور عیب جوئی کے بہانے تلاش کرتی۔

وہ کہتی ''میرا پہلا خاوند میری اور میرے بچوں کی کفالت کے لئے سخت محنت کرتا۔ اگرچہ وہ کبھی بیمار بھی ہوتا تو کام ضرور کرتا۔ جس چیز کی بھی مجھے ضرورت ہوتی اُس نے لا کر دینے سے کبھی انکار نہیں کیا تھا۔ جو طرزِ عمل تم نے میرے ساتھ اختیار کیا ہے میرے مرنے والے خاوند نے کبھی ایسا نہ کیا تھا! میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس قسم

Marfat.com

کے آدمی ہو؟''

خلیفہ یہ ساری باتیں آنکھیں نیچی کیے سنتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے موجودہ رویے پر ندامت محسوس کر رہا ہے۔ اگلے دن وہ علی الصبح اُٹھا اور باہر چلا گیا۔ صفیہ نے اب اُسے طعنے کوسنے دینے بند کر دیے کیونکہ اُس کا خیال تھا کہ اب خلیفہ کے حواس بحال ہو گئے ہیں اور وہ میرے لئے اور نئے ننھے مہمان کے لئے سخت محنت کر رہا ہے۔ لیکن جب ایک ہفتہ گزر گیا اور گھر میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا اور خلیفہ نے اُسے کوئی چیز بھی لا کر نہ دی۔ پہلے پہل تو صفیہ اپنی خودداری کے ہاتھوں کسی سے کچھ طلب کرنے کا حوصلہ نہ پاتی تھی۔ لیکن جب اسماء نے اُس کی قابلِ رحم حالت دیکھی تو اُسے اپنے ساتھ شریک طعام ہونے کی پیشکش کر دی۔ صفیہ اور اُس کے شیر خوار بچے پر فاقہ زدگی کا یہ عالم تھا کہ اس کے لئے اس دعوت کو قبول کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

تین دن بعد کی بات ہے' یہ کوئی چاشت کا وقت ہو گا کہ خلیفہ اپنی بغل میں کاغذوں کا پلندہ دبائے ہوئے لائبریری سے واپس آیا۔ صفیہ انتہائی تعجب' حیرت اور احتیاط کے عالم میں اُس کے پاس گئی تو خلیفہ نے وہ پلندہ اُس کی طرف پھینکنے کے انداز میں تھما دیا۔ جب صفیہ نے ایک ہچکچاہٹ کے عالم میں یہ کاغذات اُس سے لئے تو خلیفہ کے چہرے پر ایک زہر خند قسم کی مسکراہٹ پھیل گئی ''میں تمہارے لئے یہ خصوصی تحفہ لایا ہوں۔ اسے احتیاط اور حفاظت سے سنبھال کر رکھنا۔ اب میری بنائی ہوئی تصاویر کو غور سے دیکھنا! کیا یہ خوبصورت نہیں ہیں''؟

ایک خون آلود لاش کو سنگین سے چھیدنے کے منظر پر اسماء نے خوف و دہشت کے عالم فوراً پہچان لیا کہ یہ اُس کے ابا جان یوسف ملک کے علاوہ کسی اور کی تصویر ہرگز نہیں۔ تصویروں میں ہوائی جہازوں کو بم گراتے' عراق المنشیا کے گاؤں کو شعلوں میں گھرا ہوا اور پس منظر میں ٹینکوں کو آگ برساتے دکھایا گیا تھا۔ یہ سب تصویریں اتنی حیرت انگیز مہارت سے بنائی گئی تھیں کہ تصویروں میں دکھائے گئے فوجی اور ان کا نشانہ ستم بننے والے بدنصیبوں کی صورتیں زبانِ حال سے بولتے ہوئے گویا صفحاتِ کاغذ سے باہر آتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ صفیہ نے ایک زوردار چیخ ماری اور غش کھا کر دھڑام سے فرش پر گر پڑی۔ اسماء کے چہرے پر مردوں جیسی زردی چھا گئی اور وہ دیوار کا سہارا لئے ہوئے بمشکل گرتے گرتے بچی۔ ہر تصویر پر خلیفہ نے واضح حروف میں اپنے دستخط ثبت کیے تھے۔ احمد

Marfat.com

خلیل نے یہ تصویریں چھین کر ان کے پرزے پرزے کر دیئے۔ اُس نے کاغذوں کے یہ چیتھڑے باہر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دیئے۔ میمونہ دوڑ کر صفیہ کے پاس گئی اور اس کے کندھے ہلاتے ہوئے چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیئے۔ صفیہ کانپتے ہوئے ہوش میں آئی ''وہ تصویریں کتنی حقیقی معلوم ہوتی تھیں'' اُس نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔ ''کتنی خوفناک! کتنی دہشتناک!''

صفیہ نے اس وقوعہ کے رونما ہونے کے بارے میں فوراً اپنے باپ اور بڑے بھائی کو پیغام بھیجا۔ جو دونوں اسی روز رات کے وقت آئے اور صفیہ کو اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ وہ اس بات سے خوفزدہ تھی کہ اس کا تین ماہ کا بیٹا رفیق بھی موروثی طور پر دہشت' خوف اور اندوہ وغم کے بدنما اثرات لئے ہوئے پروان چڑھے گا۔ کیونکہ یہ عین خلیفہ کی مانند دکھائی دیتا تھا اور اپنی ماں سے اس کی مشابہت بالکل نہیں تھی۔ اس نے بیٹے کو ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا۔ اور جب یہ بچہ پیدا ہوا تھا اس کے باپ نے اس کی طرف ذرّہ برابر بھی میلان ظاہر نہیں کیا تھا۔ اور وہ اس کی پہچان سے یہاں تک عاری تھا کہ اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ یہ بچہ ہے کون؟ اسماء اور میمونہ نے اپنے شیرخوار بچوں کے ساتھ اس کو بھی دودھ پلانا شروع کر دیا۔

خلیفہ اس بات کو مطلق نہ سمجھ سکا کہ اُس کی خوبصورت بیوی اُسے کیوں چھوڑ کر چلی گئی ہے اور وہ اپنی بیوی کے نام پاگل پن کے انداز میں خطوط لکھتا رہتا جو بیوی سے واپس آنے کی التجاؤں سے بھرپور ہوتے۔ احمد خلیل اور نہ ہی رشید اُس کو یہ بتانے کی جرأت کر سکتے کہ اُس کے خطوط کے جواب کیوں نہیں آتے۔

کئی مہینوں سے احمد خلیل کے ذہن پر سوار خوف' اندیشے اور پریشانیاں اب حقیقی صورت میں سامنے آ رہی تھیں۔ اگرچہ وہ اس صورت حال پر بہت غمزدہ تھا لیکن جو کچھ واقعات پیش آئے تھے وہ اس کے لئے کوئی غیر متوقع اور تعجب خیز نہیں تھے۔ اس بے بسی کے عالم میں وہ ہر نماز کے بعد بار بار اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگتا کہ کسی طرح کوئی معجزہ رونما ہو جائے اور اس کے بھائی کی شادی کا مسئلہ درست ہو جائے اور اس کے بھائی کو بے ہنگم مساعی سے نجات ملنے کے بعد اُس کے معمولات میں توازن پیدا ہو جائے جس سے وہ اندرونِ خانہ اور گھر سے باہر کے مسائل میں نمٹنے میں کامیاب ہو جائے...... لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کچھ اور ہی تھی...... کوئی معجزہ رونما ہو اور زمانے کے واقعات تقدیر کی

Marfat.com

گردش کے مطابق اُسی طرح ظہور پذیر ہوتے رہے۔

آخرکار جب خلیفہ کو یہ معلوم ہوا کہ قاضی نے اُس کے پاگل پن، کمزوری اور عدم کفالت کی خامیوں کی بناء اُس کی بیوی کی طلاق منظور کر لی ہے تو خلیفہ نے اس کا سارا الزام اپنی بیوی کے والد سر پر یہ کہتے ہوئے تھوپ دیا کہ دشمن کے جاسوسوں نے میرے سسر پر اثر انداز ہو کر اُسے میرے خلاف کر دیا ہے۔

☆......☆......☆

Marfat.com

چوبیسواں باب

نئی تہذیب

احمد خلیل اور رشید، خلیفہ کی مسلسل بگڑتی ہوئی حالت کو بے بسی سے دیکھتے رہے۔ آخرکار وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ راضی برضا رہتے ہوئے اس کی تقدیر کے لکھے ہوئے کو قبول کرنے کے سوا اور کوئی چارا نہیں۔

خلیفہ ہر وقت دیوار سے ٹیک لگائے بے جان سا ہو کر اکڑوں بیٹھا رہتا۔ یا ناتوانی کی حالت میں فرش پر ایسی بدحواسی کے انداز میں لیٹا رہتا کہ اسے یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ وہ ہے کہاں؟ اور اسی طرح اینٹھے ہوئے جسم کے ساتھ کئی کئی گھنٹے کمرے کے اپنے کونے میں بغیر ہلے جلے پڑا رہتا۔ اُس کی آنکھیں چھت کے ذرا نیچے واقع روشندان میں سے آنے والی سورج کی شعاؤں سے کمرے میں بننے والی لکیر پر جمی رہتیں۔ اُس کے لمبے بال اُلجھے ہوئے معلوم ہوتے۔ اس کا بدن انتہائی لاغر ہو چکا تھا اور گندے چیتھڑوں پر مبنی لباس اُس کے جسم کو ڈھانپنے سے قاصر تھا...... خصوصاً راتیں تو اس کے لئے بہت بھیانک ہو گئی تھیں۔ راتوں میں وہ نیند کے چند جھپکوں کے سوا بالکل سو نہیں سکتا تھا۔ صبح کے وقت احمد خلیل اور رشید اُسے فرش پر اس حالت میں بے سُدھ پڑا ہوا پاتے کہ اس کے ہاتھ پاؤں بے ہنگم انداز میں پھیلے ہوئے ہوتے۔ گردن پیچھے کو ڈھلکی ہوئی ہوتی' دانت آپس میں یوں بھینچے ہوئے ہوتے کہ جیسے ان میں شدید درد ہو۔ اور باچھوں سے لعاب بہتا ہوا دکھائی دیتا۔ احمد خلیل ایک گیلے کپڑے کے ٹکرے سے اس کا منہ پونچھتا اور پھر اسے دھو کر ٹھنڈے پانی میں بھگونے اور نچوڑنے کے بعد اُس کی پیشانی پر اسے پٹی کے انداز میں پھیلا دیتا تاکہ سر درد میں افاقہ ہو جائے۔ گرمی کے ایام میں وہ شدید پیاس کی شکایت

Marfat.com

کرتا۔ جونہی رشید سہ پہر کے وقت یا شام کو کام سے فارغ ہونے کے بعد گھر آتا وہ پانی کے جگ میں سے بار بار ٹھنڈا پانی بڑے پیالے میں بھر بھر کر خلیفہ کو دیتا جو انتہائی عجلت اور رغبت سے یہ فرحت بخش پانی پی جاتا۔ وہ خلیفہ کو اپنے بازوؤں میں لے کر دیر تک اپنے سینے سے لگائے ہوئے بھینچے رکھتا۔ خلیفہ کے ناگواری بو والے پسینہ کی دھاریں اُس کے جسم پر گرتی رہتیں۔ آخرکار وہ انتہائی نرمی سے خلیفہ کو چٹائی پر لٹا دیتا۔ احمد خلیل کو یہ دیکھ کر بہت اطمینان ہوتا کہ بیماری کی شدید ترین اذیت اُٹھانے کے بعد بھی خلیفہ کے چہرے کے حساس پن اور آنکھوں کی ذہانت میں کوئی فرق نہیں پڑا اور ایسا معلوم ہوتا کہ یہ ذہانت اپنے استعمال کے موقع کی منتظر ہے! کئی کئی ہفتے خاموش اور گنگ رہنے کے بعد وہ اچانک احمد خلیل اور رشید کو پہچان لیتا اور ان کا نام لے کر انہیں آوازیں دیتا۔

اپنے باپ کی محض ایک جھلک دیکھ کر ہی ننھا رفیق پانی بھرنے کے لئے رکھے ہوئے مٹکوں کے پیچھے چھپتا پھرتا۔ وہ باپ! جسے یہ بھی پہچان نہیں تھی کہ یہ ننھی جان اُس کی اولاد ہے......! لیکن اسمٰعیل اتنا دیدہ دلیر ہو گیا تھا کہ وہ خلیفہ کو تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ اور اس کا چالاک ذہن اس بارے میں نئی نئی اختراعیں سوچتا رہتا۔ اپنے والد اور رشید کی موجودگی میں محتاط رہتے ہوئے اس عادت سے باز رہتا۔ لیکن جب وہ کام پر چلے جاتے تو وہ خلیفہ کو مسلسل تنگ کرتا رہتا۔ جب اُس پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ خلیفہ اُس کی کسی بھی حرکت کا ترکی بہ ترکی جواب دینے اور اپنا بچاؤ کرنے کے لئے سلسلہ میں بالکل بے بس ہے تو اُس کا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا۔ اُس کے شیطانی ذہن نے اُسے ایک نئی شرارت سجھائی اور اس نے گلی محلے کے دیگر لڑکوں کو بھی اس شیطانی کھیل میں شامل کرنے کے لئے اپنے ساتھ لانا شروع کر دیا۔ اُس کی نام نہاد دیدہ دلیری نے اپنے ملنے والے لڑکوں میں بھی خلیفہ کو تنگ کرنے کی وبا کے جراثیم منتقل کر دیئے۔ یوں محلے کے تمام لڑکوں کے لئے خلیفہ بے رحمانہ ہنسی مذاق کا سامان بن گیا۔ اسماء اور میمونہ ان لڑکوں کو روکنے کی بہت کوشش کرتیں لیکن یہ اُن کے بس کا روگ نہیں تھا۔ وہ ان بچوں کی ماؤں کو کوسنے دیتے ہوئے کہتیں کہ نجانے ان بچوں کے والدین کس قماش کے لوگ ہیں کہ اپنے بچوں کو شہر نبویؐ میں بھی ایسی گری ہوئی اور ناشائستہ باتوں کی کھلی چھٹی دیئے ہوئے ہیں؟ اگرچہ اسماء اور میمونہ کو یہ معلوم تھا کہ ان کے ہمسایہ میں بسنے والے ان بچوں کے اکثر والدین نیک' خدا خوف' مخلص' گفتگو اور رویّے میں شائستہ اور نرم خُو تھے

Marfat.com

لیکن وہ بھی بچوں کو سمجھانے کے سلسلے میں بے بس تھے کہ اب ''تغیر و تبدل'' اور نام نہاد ''ترقی پسندی'' کی چلتی ہوئی تیز گندی ہواؤں میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اور اب باہر سے آنے والے جدید فیشن کی یہ ہوائیں شدت میں بڑھتے بڑھتے آندھیوں اور طوفان کا روپ دھار چکی تھیں اور اچھی روایات رکھنے والی گزشتہ نسل کے نقوش پا کو مٹائے جا رہی تھیں۔

اور آج تو اسمٰعیل اپنے چچا کو پاگلوں کے ہسپتال کے بارے میں لرزہ خیز اور بھیانک تفصیلات سنا کر اُسے ڈرانے میں ایک خاص لذت محسوس کر رہا تھا۔ یہ تفصیلات اُس نے قاہرہ سے شائع ہونے والے ایک مصری رسالہ میں پڑھی تھیں جو اُسے اپنے ایک ہم جماعت سے حاصل ہوا تھا۔ اُس نے اپنے تخیل سے اس کہانی کو من گھڑت تفصیلات اور وضاحتوں سے خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا۔ پھر اُس نے بڑے حقارت آمیز انداز میں یہ کہتے ہوئے اس کہانی کو اختتام پر پہنچایا کہ ''تم ہمارے کچھ بھی نہیں لگتے ہو۔ تمہیں بھی اُسی مقام پر ان تمام پاگلوں کے ساتھ بند کر دینا چاہیے!'' پھر اُس نے مضمون نکال کر زبردستی وہ تصویریں اپنے چچا کو دکھائیں۔

خلیفہ اس مصیبت پر چیخ اُٹھا۔

کھانا پکانے میں مصروف اسماء نے چونک کر اُوپر نظر اُٹھائی اور جب اُس نے اپنے بیٹے کے گھناؤنے کرتوت دیکھے تو رسالہ اُس کے ہاتھ سے چھین کر چولہے میں جھونک دیا۔

اسمٰعیل باغیانہ انداز میں گھر سے باہر بھاگ گیا اور تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ اپنے ساتھ گلی کے شرارتی اور بازاری لڑکوں کا ایک ٹولہ لئے ہوئے وارد ہوا۔ اس سے قبل کہ اسماء یا میمونہ انہیں روکتیں وہ لڑکے خلیفہ کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے سڑک کے عین درمیان میں لے جا چکے تھے۔ اسماء نے دروازے میں سے جب یہ منظر دیکھا کہ ہجوم میں سے دو لڑکے خلیفہ کو زمین پر گرا کر اس کے سینے پر چڑھے بیٹھے ہیں اور ایک بڑی عمر کا لڑکا اُسے جلتے ہوئے سگریٹ سے ایذا پہنچانے کی دھمکی دے رہا ہے تو وہ اس منظر پر چیخ اُٹھی...... وہ خلیفہ کو اُن سے چھڑانے کے لئے دروازے سے باہر بھاگنے والی تھی کہ میمونہ نے اُسے واپس گھر کے اندر کھینچ لیا۔

اسمٰعیل اپنے چچا کو طعنہ دیتے ہوئے طنزاً کہہ رہا تھا۔ ''بس تم ذرا رُت تو ہو

Marfat.com

لینے دو۔ پھر دیکھنا تمہارے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ موشے دایان (اسرائیل کا وزیر جنگ) تمہیں گرفتار کرنے کے بعد فائرنگ سے تمہارے پرخچے اُڑا دے گا!''

احمد خلیل جب آج کا کام جلدی ختم کر کے واپس آ رہا تھا تو اُس نے آوارہ اور مذاق میں ملی ہوئی آوازوں کے ہجوم میں خلیفہ کی وحشیانہ چیخیں سنیں تو وہ گلی کی جانب دوڑا۔ اُس نے ڈیوٹی پر موجود ویگن میں سوار سپاہیوں کی طرف بدحواسی سے دیکھا کہ شاید وہی اس ہجوم کی مصیبت سے خلیفہ کو چھڑائیں۔ شور مچاتے ہوئے' اس بلوے میں شریک لڑکوں کی بھیڑ کو چیرتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور اپنے بھائی کو بازوؤں میں اُٹھا کر گھر کی جانب بھاگا اور دروازے کو زور سے بند کر دیا۔ ہجوم بھی اس کے تعاقب میں اندھا دھند بھاگتے ہوئے آیا اور لڑکوں نے مقفل دروازے پر گھونسے مارنے شروع کر دیئے۔ قریب تھا کہ وہ دروازے کو توڑ ڈالتے کہ اسی اثناء میں احمد خلیل کو باہر رشید کی آواز سنائی دی جو ہجوم کو سخت اور تحکمانہ لہجے میں ڈانٹ رہا تھا۔ احمد خلیل ہجوم کی مصیبت سے نجات پانے پر رشید کی مدد پر تسکین سے رو پڑا۔ احمد خلیل نے رشید سے کہا کہ وہ پولیس کو اطلاع کرے لیکن رشید نے اس بات سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح اخبارات کو خواہ مخواہ سکینڈل پر مبنی ایک اشتہاری موضوع مل جائے گا اور ڈر ہے کہ یہ ہماری رُسوائی کا باعث ہو گا۔ جونہی ہجوم تتر بتر ہوا' بچوں کی غصے سے بھری ہوئی آوازوں کا شور معدوم ہو گیا۔

رشید اسمٰعیل کو ہاتھ سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے گھر میں داخل ہوا۔ احمد خلیل نے اپنے بیٹے کو دُکھ بھری نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا ''جو کچھ آج ہوا ہے اسے روکنا کیا تمہارا فرض نہیں تھا؟ اب تو تم اتنے بڑے ہو گئے ہو کہ تم اپنے ہر کام کا برا بھلا خود ہی سمجھتے ہو۔ کیا تمہیں شرم نہیں آتی؟''

لڑکے کا خوبصورت چہرہ خوفزدہ ہو گیا۔ لیکن پھر بھی وہ بڑی ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے بولا ''کوئی اُسے زخمی نہیں کر سکتا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ وہ تو بالکل پاگل ہے! وہ نہ کچھ جانتا ہے نہ محسوس کرتا ہے۔

احمد خلیل نے غضبناک ہو کر اپنے بیٹے کو گریبان سے پکڑا اور اس کے جبڑے پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ وہ لڑکھڑاتے ہوئے فرش پر گر پڑا۔ وہ چیختے ہوئے پیچھے دبک گیا تاکہ اپنے باپ کے اُٹھے ہوئے ہاتھ کے دوسرے تھپڑ سے بچ سکے۔ احمد خلیل نے ایک بھاری لاٹھی اُٹھا کر اس پر زور زور سے برسانا شروع کر دی۔ اس وقت اس کا جی

Marfat.com

چاہتا تھا کہ اس کو مار مار کر ختم کر دے، اس کا کچومر نکال دے...... اسے اتنا پیٹے کہ اس کے دماغ سے شر کے سارے کیڑے نکال کر باہر کر دے...... اسے اتنا زدوکوب کرے کہ اس کی پچھلی تمام کج روشی اور خرمستیوں کا حساب چکاتے ہوئے آج اطمینان حاصل کرے۔ لیکن پھر اُس نے اپنے حواس پر قابو پالیا۔ چیختے ہوئے لڑکے کو ایک جھٹکے سے اُوپر اُٹھا کر دیوار کے ساتھ کھڑا کرتے ہوئے بولا۔

''میرا بھائی بھی تمہاری ہی طرح درد محسوس کرتا ہے۔ اگر تم نے اسے دوبارہ ہاتھ لگانے کی جرأت کی تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا!''

روتے اور بسورتے ہوئے اسمٰعیل کو نظر انداز کرتے ہوئے' جو کہ اپنی ماں سے بچاؤ کی درخواستیں کر رہا تھا۔ رشید نے بڑی نرمی اور پیار سے خلیفہ کی جلی ہوئی ٹانگوں پر زیتون کا تیل لگایا اور پھر ان پر بڑی مہارت سے صاف کپڑے کے ٹکڑوں کی پٹیاں بنا کر باندھ دیں۔

پھر وہ سب اچانک اپنے نزدیک ایک شور سن کر چونک پڑے۔

''دُشمن کے جہاز آ گئے! دُشمن کے جہاز آ گئے!'' خلیفہ چلا اُٹھا۔

رشید نے خلیفہ کو قریب ہو کر تھام لیا۔ حتیٰ کہ آہستہ آہستہ موٹر کار کا شور بہت دور فاصلے پر جا کر معدوم ہو گیا۔ وہ اُسے تسلی دیتے ہوئے بولا ''دیکھا؟ جہاز جا چکا ہے۔ اب ڈرنے والی کوئی بات نہیں......''

رشید کی ہمدردی سے بھرپور اور گہری آواز خلیفہ کے خوف و سراسیمگی کی دُھند میں اچانک سرایت کے اثرات دکھاتے ہوئے اس دُھند پر غالب آ گئی اور خلیفہ کے دل و دماغ کو کشادگی سے ہمکنار کرتی گئی۔ آہستہ آہستہ خلیفہ نے کھوکھلے اور بے کیف انداز میں گھورنا بند کر دیا اور اس کا چہرہ اپنے روبرو موجود رشید کی شناخت و پہچان سے جگمگا اُٹھا۔

رشید تو وفورِ مسرت سے لرزنے لگا۔ اور اُس نے سرگوشی کے انداز میں کہا ''خلیفہ! کیا تم مجھے جانتے ہو''؟

ایک لمحہ بھر خلیفہ متوجہ ہو کر اپنے چچازاد کی طرف دیکھتا رہا۔ گویا وہ اُسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

''رشید''؟

''کہو''۔

Marfat.com

''رشید مہربانی کر کے مجھے بتاؤ کہ میرے لئے کھانے کو کچھ موجود ہے؟''

یہ سن کر رشید اور احمد خلیل کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ ہمارا بھائی بھی ہوش و حواس میں آ کر کوئی بات کرنے کے قابل ہوا ہے۔ انہوں نے کمرے میں جتنی بھی کھجوریں اور باسی روٹی کے ٹکڑے تھے تلاش کر کے جمع کیے۔ خلیفہ کھانے کا ہر لقمہ انتہائی بھوکوں کی طرح بے تحاشا انداز میں کھا گیا۔ ہانڈی کو پونچھنے اور اپنی اُنگلیاں چاٹنے کے بعد اس نے بڑی محبت سے اپنی بانہیں رشید کے گلے میں حمائل کرتے ہوئے اس کو چوم لیا۔

اندھیرا چھا چکا تھا لیکن گھر میں دیا روشن کرنے کے لئے مٹی کا تیل موجود نہیں تھا۔ احمد خلیل اور رشید خلیفہ کے پہلو بہ پہلو لیٹے ہوئے تھے جو اپنے زخموں کے باوجود جلد ہی تقریباً سو گیا تھا۔ اسماء اپنے بیٹے اسمٰعیل کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ مار پیٹ اور درد کی وجہ سے جس کی چیخ و پکار کم ہوتے ہوتے اب بالکل ختم ہو گئی تھی۔ ہر طرف مکمل خاموشی تھی......

اگلے دن علی الصبح بیدار ہوتے ہی خلیفہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے سیدھا بیت الخلا گیا۔اور پھر اُس نے احمد خلیل سے طہارت کے لئے پانی مانگا۔ جب خلیفہ کو اپنی انتہائی میلی کچیلی ہیئت کذائی کا احساس ہوا تو اُسے ایک دھچکا سا لگا اور وہ نادم سا ہو کر رہ گیا۔ اسماء اُسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ خلیفہ کے خیالات سے واقف ہونے کی کوشش میں ہو۔ لیکن اُس سے کوئی بات کیے بغیر وہ فوراً بالٹی لے کر سرکاری نلکے پر گئی اور تین بار تازہ پانی وہاں سے بھر بھر کر اس کے لئے لائی۔ پھر اسماء نے خلیفہ کو کپڑے دھونے والے صابن کی ایک سخت اور بڑے سائز کی ٹکیا دی۔ خلیفہ نے ٹکیا کو خوب مَل مَل کر نہاتے ہوئے اپنے جسم سے میل کچیل اُتاری اور باقی ماندہ پانی اپنے اُوپر بہاتے ہوئے خود کو اچھی طرح صاف کیا۔ پھر اُس نے اپنے دانت اچھی طرح صاف کیے کہ یہ چمکتے ہوئے سفید نظر آنے لگے۔ ایک پرانی رنگ آلودہ قینچی سے اپنے ناخن تراشے۔ رشید نے اس کے زخموں کی پٹیاں تبدیل کرنے کے لئے کپڑوں کے مزید ٹکڑے جمع کیے۔ اپنے چچا زاد بھائی کی ٹانگوں پر انتہائی گہرے زخم دیکھ کر پہلے تو اسے جھرجھری آ گئی۔ لیکن اسے یہ جان کر قدرے تسلی ہوئی کہ خلیفہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے علاوہ چل پھر سکتا ہے اور تکلیف کا بہت کم اظہار کرتا ہے۔

Marfat.com

تھوڑی دیر بعد خلیفہ نے احمد خلیل کو بتایا کہ وہ اپنے اتنی دیر تک برہنہ رہنے پر بہت نادم ہے اور پھر اس نے پہننے کے لئے لباس مانگا۔ احمد خلیل نے اپنی تین عباؤں میں سے ایک عبا اُسے لا کر دی۔ لیکن یہ اتنی بوسیدہ اور خستہ حالت میں تھی کہ رشید ایک اور عبا اُس کے پہننے کے لئے لایا تاکہ خلیفہ خود کو اچھی طرح ڈھانپ سکے۔ اسماء نے اسے سوئی دھاگہ دیا اور وہ چٹائی بچھے فرش پر اس لباس کی مرمت کے لئے بیٹھ گیا اور انتہائی نفاست اور سلیقہ سے لباس کو پیوند لگانے میں مصروف ہو گیا۔ اُس نے بڑی صفائی سے بالکل درست ٹانکے لگاتے ہوئے لباس کے مرمت طلب حصوں کو سی لیا۔ پھر اُس نے ان بوسیدہ کپڑوں کو دھو کر اہل خانہ کے عین سامنے صحن میں کپڑے لٹکانے والی رسی پر دھوپ میں سوکھنے کے لئے ڈال دیا۔ جہاں دھوپ پوری آب و تاب سے نکلی ہوئی تھی۔ کھڑکی کے نزدیک والے طاق میں اُسے گندا سا پلاسٹک کا کنگھا مل گیا جس کے آدھے دندانے غائب تھے۔ وہ اس سے اپنے بے ہنگم بالوں کو سنوارنے لگا تاکہ اس کے بعد کافیہ سے اپنے سر کو اچھی طرح ڈھانپ سکے۔

خلیفہ دیوار سے ٹیک لگائے گلی میں کھلنے والے دروازے میں بیٹھ کر گلی میں آنے جانے والے لوگوں پر مبنی رنگارنگ زندگی کا مشاہدہ کرتا رہتا۔ سردیوں کا روشن سورج اُس کی پشت پر چمکتا رہتا اور وہ اس کی تمازت کو اپنے اندر جذب کرتے ہوئے مطمئن بلکہ مست ہو جاتا۔ گلی میں خوانچہ فروشوں کی دل کش صدائیں سنتا جو وہ اپنی چیزوں کی تعریف میں بلند کرتے۔ گلی میں سے گزرنے والے ان گنت متنوع لوگوں اور ان کے لباسوں کو دیکھتا۔ جن کا تعلق دنیا کی ہر قوم سے ہوتا۔ اسے اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ وہ خوفناک اذیت' جس میں وہ مبتلا تھا اب وہ ایک بھولی بسری بات بن چکی ہے۔ برف کی طرح سردمہری کی وہ منجمد اور ناقابل اثر دیوار جس نے اُسے جیتی جاگتی دنیا سے محروم کر دیا تھا اب غائب ہو چکی تھی...... وہ اب گلی کی مصروف زندگی کے مناظر میں یوں کھو جاتا کہ وہ خود کو بھی گلی کی رونقوں کا جزو لاینفک بنتا ہوا محسوس کرتا۔ اُس کی انتہائی تمنا ہوتی کہ وہ خود بھی ان مناظر کا ایک حصہ بنتے ہوئے اپنے آپ کو اس میں مدغم کر دے۔ وہ گھر کے اندر صرف اس وقت جاتا جب اسماء اسے کھانے کے لئے بلاتی یا غروب آفتاب کے بعد چھاتا ہوا اندھیرا اُس پر واضح کرتا کہ اب صبح تک سونے کا وقت ہو گیا ہے۔ وہ صبح کے بعد بھی گہری نیند سویا رہتا۔ اسماء مسور کا سالن' کھجوریں اور روٹیاں اس کے سامنے لا کر رکھ دیتی

Marfat.com

اور کہتی۔ جتنا چاہو' جی بھر کے کھاؤ۔

آہستہ آہستہ دن...... اور دنوں کے بعد کئی ہفتے گزر گئے۔ اس کے زخم کوئی متعدی اثر چھوڑے بغیر بہت جلد اچھے ہو گئے اور اب صرف اُن کے نشانات ہی باقی رہ گئے تھے۔ اب احمد خلیل اور رشید نے اپنے دوست احباب کو گھر بلانا شروع کیا۔ کیونکہ خلیفہ کی شفایابی کے بعد اب اُنہیں کوئی ذہنی پریشانی نہیں تھی۔ خلیفہ مہمانوں کے ساتھ خاموشی اور کم آمیزی کے انداز میں بیٹھا رہتا۔ لیکن جب کبھی کوئی مہمان اُس سے مخاطب ہوتا تو وہ انتہائی شائستگی کے ساتھ اُس سے گفتگو کرتا۔

جونہی خلیفہ کی صحت یابی کی خبر مسجد اور اس سے ملحقہ لائبریری میں عام ہوئی' معمر عالم نے ہر روز علی الصبح آنا شروع کر دیا' تاکہ خلیفہ کو دوبارہ نمازیں شروع کرنے کے لئے ترغیب دے سکے وہ لائبریری سے کتابیں لاتا اور اُس کے پاس گھنٹوں بیٹھ کر اُونچی آواز میں پڑھ کر اُس کا دل بہلاتا رہتا۔ اس کے بعد اُس نے خلیفہ کو مزید کتابیں لا کر دیں تاکہ وہ خود بھی پڑھے۔ اکثر اوقات وہ اس کے لئے پکے ہوئے چاولوں' گوشت اور پھلوں کے تحفے لاتا اور یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتا کہ خلیفہ ان لذیذ اشیاء کو بہت پسند کرتا ہے۔ ایک دن وہ رنگوں کا نیا ڈبہ' بہت سے قلم' روشنائی' کئی اقسام کے برش اور اعلیٰ قسم کا کاغذ لے کر آیا۔ بڑی محبت کے انداز میں آہستہ آہستہ اُس نے خلیفہ کو بہلا کر قرآن اور حدیث کے اقتباسات کو اپنی خوشنما خطاطی میں نقل کرنے کی ترغیب دی اور جب خوش نویسی کے یہ شہ پارے مکمل ہوئے تو یہ پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت تھے۔ اور اُس کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اُس نے اپنے شاگرد کے بارے میں خوشنویسی و خطاطی کا فن بھول جانے کے بارے میں جو آراء قائم تھیں وہ محض خیالِ خام تھیں۔

☆......☆......☆

Marfat.com

پچیسواں باب

ناخلف فرزند

جب اسمٰعیل چار سال کا تھا تو احمد خلیل نے اُسے مسجد کے مدرسہ میں بھیجنا شروع کر دیا تھا تاکہ وہ لکھنا پڑھنا سیکھنے کے علاوہ قرآن پاک حفظ کر سکے۔ اُستاد اس کی گستاخانہ عادتوں سے بہت نالاں تھا۔ اسمٰعیل کا اصرار تھا کہ میں اپنا سبق یاد کر کے تب سناؤں گا کہ پہلے مجھے اس سبق کے معنی و مفہوم سے آگاہ کیا جائے۔ لیکن مدرسہ میں سب سے پہلے حفظ کرنا ہی مقدم تھا اور اس کے ترجمہ و تشریح کے لئے صرف بڑی عمر کے طلبہ پر توجہ دی جاتی۔ اپنے آبائی گاؤں کی زمینوں سے محروم ہونے کے بعد احمد خلیل جانتا تھا کہ اب میں اسمٰعیل کو اپنے جدی پشتی پیشہ زراعت پر نہیں لگا سکتا۔ اُسے یقین تھا کہ اگر میں نے کسی دیانت دارانہ اور مفید ذریعہ روزگار کا انتخاب کیا تو اسمٰعیل اسے پسند کرتے ہوئے میرا ہاتھ بٹائے گا۔ اُس نے اپنے بیٹے کو صرف اس اُمید پر سکول میں داخل کروایا کہ وہ علم کی اہمیت اور فضیلت سے واقفیت حاصل کرے نہ کہ اسے ذریعہ معاش بنائے۔

لیکن اُس کی یہ اُمید پوری نہ ہوئی۔ اگرچہ اسمٰعیل نے جلد ہی لکھنا پڑھنا سیکھنے کے علاوہ، حساب کے ابتدائی قواعد سے واقفیت حاصل کر لی تھی لیکن باقی مضامین میں وہ بالکل کورا تھا۔

جب وہ کمرۂ جماعت میں آتا تو وہاں خاموشی اور نظم و ضبط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اُس کی موجودگی دیگر لڑکوں کو بھی شوخیوں، شرارتوں اور لڑائی جھگڑے کی ترغیب دیتی۔ جونہی وہ سکول پہنچتا تمام سکول ایک ہنگامہء کارزار کا میدان بن جاتا۔ اگر کسی ایسے موقع پر اُس کا اُستاد اُسے تھپڑ مار دیتا تو اسمٰعیل بھی جوابی طور پر اُستاد کو تھپڑ رسید کر دیتا۔

Marfat.com

احمد خلیل نے اُسے اس سکول سے اُٹھوا کر ایک دوسرے سکول میں داخل کروایا۔ جہاں اُس کا رویہ قدرے بہتر اور خاموشی وسکون پر مبنی تھا لیکن یہاں بھی اُس کی تعلیمی پیش رفت چنداں تسلی بخش نہیں تھی۔ رشید کا خیال تھا کہ اسے کھیتوں میں اپنے ساتھ معاون کے طور پر کام پر لگا لیا جائے۔ لیکن احمد خلیل مُصر تھا کہ اسمٰعیل کو ہماری طرح ہی جاہل اور ناخواندہ نہیں رہنا چاہیے اور اس بارے میں وہ اپنے چچازاد کے ساتھ طول طویل بحثیں کرتا۔

رشید کہتا ''تم اسمٰعیل کو سکول کیوں بھیجتے ہو؟ جبکہ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ بڑے ہو کر ہماری طرح ہاتھوں سے کام کرنا اور کمر پر بوجھ ڈھونا ہی اُس کا مقدر ہے؟ اور اس جسمانی مشقت کی زندگی میں اُسے سکول کا لکھا پڑھا سب بھول جائے گا۔ تمہیں چاہیے کہ اسے کام پر بھیجو۔ ہمیں اپنے کام میں اس کی مدد کی ضرورت ہے''!

لیکن احمد خلیل اپنے ارادے پر ڈٹا رہا۔ اپنے والد کی طرف سے جب اُسے اس نوع کے خطوط موصول ہوتے تو اپنے ارادے پر اُسے اور بھی اطمینان ہو جاتا۔ ملک وہاب اپنے خطوں میں لکھتا۔

''یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ اسمٰعیل ابھی تک سکول میں زیر تعلیم ہے اور اس بات پر تو میں خاص مسرت محسوس کرتا ہوں کہ تم رشید کے تینوں بیٹوں کی تعلیم کے سلسلے میں وہ کام کر رہے ہو جو اُن کا باپ کبھی نہ کر پاتا۔ اور بچوں کو سکول میں بہتر تعلیم اُس وقت تک کم ہی حاصل ہوتی ہے جب تک اُنہیں گھر میں وہ حوصلہ افزائی اور ذہنی رہنمائی نہ ملے جس کی اُنہیں ضرورت ہے۔ اور جیسا کہ تم نے لکھا ہے' یہی وجہ ہے کہ اُستاد کی تمام تر مساعی کے باوجود رشید کے بیٹے سکول میں تین سال گزارنے کے باوجود پڑھائی کے بارے میں بالکل کند ذہن ہیں۔ اور پڑھائی کے سلسلے میں کسی پیش رفت کے بجائے مسلسل ناکام ہوتے ہوئے بالکل ان پڑھ اور جاہل ہی رہ گئے ہیں۔ اب اُن کا مستقبل اُن کے لئے ایک ایسے سے کم نہیں ہوگا! اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارے لئے رشید کو سمجھانا بہت مشکل ہے۔ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارا ذہن تبدیل کر دے۔ تم اپنے بچوں کو بہتر تعلیم دینے کے علاوہ اس سے بڑھ کر اور کوئی خیر خواہی اور بھلائی ان کے لئے نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں ماضی میں زندگی کے اہم اور بحرانی سالوں میں کھیتوں میں کام کرنے یا مصطفےٰ آفندی کے گھر پر نوکر کی حیثیت سے چاکری کرنے کے بجائے صرف اور صرف سکول

Marfat.com

جانے اور تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملتا تو آج تمہاری زندگی کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا......''

احمد خلیل اپنے والد کی طرف سے آئے ہوئے کئی سالوں کے خطوط کو صندوق سے نکال کر انہیں بار بار پڑھ رہا تھا۔ اور ان میں لکھی ہوئی عبارتوں پر غور کر رہا تھا کہ دروازہ زور سے کھلا اور پھر اسی طرح ایک شور کے ساتھ بند ہوا اور اسمٰعیل دوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ احمد خلیل چونکا اور اُس نے بڑے تعجب سے کہا۔

''بیٹے! ابھی تو چاشت کا وقت ہے' چھٹی تو سہ پہر کے بعد ہوتی ہے۔ تم اتنی جلدی گھر کس لئے آ گئے ہو؟ سکول میں کیوں نہیں ٹھہرے؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

اسمٰعیل نے بے باکی سے جواب دیا ''جب اُستاد کا رُخ دوسری جانب ہوا تو میں نظر بچا کر فوراً بھاگ آیا۔ ابا! میں مسجد کے سکول میں واپس نہیں جاؤں گا۔ میں تو اب وہاں ایک لمحہ بھی نہیں ٹھہر سکتا''!

''اسمٰعیل! آخر بات کیا ہوئی ہے؟ کیا اُستاد نے تمہیں پھر مارا ہے؟ آخر تمہارا بھی تو کوئی قصور ہو گا کہ تم بھی تو تمیز اور ادب سے نہیں رہتے نا؟''

''ابا جان! میں صرف چار سال کا تھا جب آپ نے مجھے سکول بھیجنا شروع کیا اور اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ سب وقت ضائع کرنے والی بات تھی''۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''وہاں تو مجھے صرف پرانی خرافات اور توہمات پڑھائے جاتے رہے ہیں......''

''اسمٰعیل! تم ایسی باتیں کیسے کہہ سکتے ہو؟ کیا سکول میں تمہیں تلاوتِ قرآن مجید نہیں سکھائی گئی؟ کیا تمہارے اُستاد نے تمہیں حضور ﷺ کی احادیثِ مبارکہ نہیں پڑھائیں؟''

''ابا جان! یہ سب کچھ بے فائدہ ہے! کیوں نہ میں ایک جدید انداز کے سکول میں داخلہ لے لوں؟''

''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم ایسے سکول کی فیسیں نہیں ادا کر سکتے''

''ابا جان! آپ کو وہاں کوئی فیس ادا نہیں کرنا پڑے گی۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ حکومت کی طرف سے نئے کھلنے والے سکولوں میں تعلیم مفت ہے؟ ہمارے گھر سے چند قدم کے فاصلے پر بھی ابھی حال ہی میں ایک نیا سکول کھلا ہے۔ آپ مجھے وہاں کیوں نہیں بھیجتے؟

Marfat.com

''ان کا تو تمام انتظام وانصرام ہمارے دشمنوں کے ہاتھ میں ہے۔''

''اے ابا جان نہیں! وہ بھی تو ہمارے ہی اسکول ہیں۔''

''سنو اسمٰعیل! وہ غیر ملکی سکولوں سے ذرّہ برابر بھی مختلف نہیں ہیں۔ حکومتی سکولوں میں طلبہ غیر ملکیوں کی طرح پڑھتے ہیں۔ بالکل ان کے مشابہ' انہی کا لباس پہنتے' انہی کی طرح اُٹھتے بیٹھتے ہیں حتیٰ کہ ان کی سوچ کا انداز بھی غیر ملکیوں کا سا ہے۔ ان سکولوں کے فارغ التحصیل طلبہ میں مسلمان یا عرب ہونے کا کوئی تشخص باقی نہیں رہ جاتا۔''

''لیکن ابا جان' اِن سکولوں میں ہر بات کا خیال رکھا جاتا ہے۔ جبکہ ہمارے سکولوں میں یہ بات نہیں! وہ ہر چیز کے بارے میں جانتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اگر مجھے امریکہ' برطانیہ یا جرمنی کے کسی سکول میں جانے کا موقع ملے۔ مسجد سے ملحقہ مدرسے' سے کہیں زیادہ علم اور معلومات تو میں اخبارات و رسائل پڑھ کر حاصل کر سکتا ہوں۔ وہاں میرا جانا محض تضیع اوقات سے زیادہ کچھ نہیں۔''

''تمہیں سب سے پہلے قرآن پڑھنا چاہیے اسمٰعیل! قرآن ہی تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔''

''لیکن ابا جان! عظیم لوگ تو ہزاروں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طیاروں پر پرواز کرتے ہیں۔ کل ہی میں نے اخبار میں پڑھا کہ وہ کس حیرت انگیز انداز میں ایک آدمی کو راکٹ کے ذریعے چاند پر بھیجنے والے ہیں! آپ یہ قرآن میں کہاں تلاش کر سکتے ہیں؟''

''بیٹے! قرآن کہتا ہے کہ انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اور اشرف المخلوقات ہے' انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیقات کو اپنی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ ان لوگوں کے چاند پر جانے کا کیا فائدہ' جبکہ زمین پر بدی اور فساد کی قوتیں انسان کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ اور اس سے پہلے کہ یہ شرانگیز قوتیں ہمیں تباہ و برباد کر ڈالیں یہ لوگ اِن برائیوں کا قلع قمع کرنے کی کیوں نہیں سوچتے؟ عظیم لوگ تو حضور نبی اکرم ﷺ کے پیروکار ہیں۔ وہ جہاں کہیں بھی جائیں اسلام کی روشنی پھیلاتے ہیں۔ لیکن آج دنیا پر اللہ کے دشمنوں کی حکمرانی ہے اور یہ دشمنانِ خدا ہر اچھی' نیک اور خوبصورت چیز کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں......''

''لیکن آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ قرآن برحق ہے؟ فرض کیجئے کہ اللہ کا وجود

Marfat.com

نہیں ہے! اگر اللہ نے یہ دنیا بنائی تو پھر خالق کو کس نے بنایا؟ آپ کسی چیز کو ثابت نہیں کر سکتے''!

''اسمٰعیل! میری طرف دیکھو! مجھے ان غیر ملکی کتابوں کے نام بتاؤ جنہیں تم پڑھتے رہے ہو؟ پتہ نہیں تم کیا کچھ پڑھتے رہے ہو؟ مجھے بھی تو کچھ معلوم ہو؟''

لڑکے نے آنکھیں چرائیں اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ حقیقت کے انکشاف سے خوفزدہ اور شرمندہ ہے...... اس نے جواب دیا ''میں نے کچھ نہیں پڑھا...... یہ میرے اپنے خیالات ہیں جو میں نے خود سوچے ہیں۔''

نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن' کی ذہنی کیفیت میں احمد خلیل نے اپنے باپ کو لکھا!

''...... میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے ناکام ہو گیا ہوں؟ نہ معلوم میں نے کس مقام پر غلطی کی؟ میرا بیٹا بے دین اور دہریہ ہو گیا ہے! مجھے تو اس کے بارے میں دن رات تشویش اور اندیشوں نے گھیر رکھا ہے۔ کیونکہ وہ علم و دانش سے تو بالکل بے بہرہ ہے اور جانتا بوجھتا کچھ بھی نہیں' لیکن اپنی بودی اور گھسی پٹی دلیلوں سے اس دور میں روز افزوں پھیلتی ہوئی بدی کی وکالت کرتا ہے جو کہ روز بروز بدترین حد تک بڑھتی جا رہی ہے۔ اس بدی کے نام نہاد شر سے یہ مقدس شہر بھی محفوظ نہیں ہے۔ اے ابا جان! میں تو خود کو بالکل بے بس محسوس کرتا ہوں! میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ میں اب کیا کروں؟ آپ کی منت کرتا ہوں کہ آپ ہی بتایئے کہ ان حالات میں مجھے اب کیا کرنا چاہیے......''

ملک وہاب نے فوری طور پر اس خط کے جواب میں لکھا!

''...... اسمٰعیل ٹھیک کہتا ہے۔ تمہیں باپ کی حیثیت سے محسوس کرنا چاہیے کہ موجودہ دنیا اور مستقبل کے مطابق اسے بہتر طریقے پر زندگی بسر کرنے کے قابل بنانا تمہارے فرائض میں داخل ہے اور یہ کام صرف جدید سکول ہی کر سکتے ہیں۔ پرانی طرز کے مکتب جہاں لڑکے طوطوں کی طرح قرآن رٹتے ہیں۔ اس دور میں اُن کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ وہ معنی و مفہوم سمجھائے بغیر اسے صرف حفظ کرنا ہی سکھاتے ہیں۔ وہ بچوں کو موجودہ دور اور مستقبل کے تقاضوں کے مطابق ہمارے مذہب کا علم بالکل نہیں سکھاتے۔ اسمٰعیل کو ان جدید سکولوں میں بھیجنے کے علاوہ تمہیں رشید کو بھی اس بات کی ترغیب دینی چاہیے کہ وہ بھی اپنے بیٹوں کو ان سکولوں میں بھیجا کرے۔ رہی قرآن کی تعلیم' تو وہ سکول کے اوقات

Marfat.com

کے بعد بھی مسجد میں قرآن پڑھ سکتے ہیں اور تمہیں چاہیے کہ بچوں کو قرآن کے معنی و مفہوم سمجھاؤ تاکہ وہ اسے سمجھ سکیں۔ تمہیں ماضی میں نہیں رہنا چاہیے بلکہ اس دور کی ترقی یافتہ زندگی کا ادراک کرتے ہوئے مستقبل پر اعتماد رکھنا چاہیے۔ گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہارے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمٰعیل غیر معمولی ذہانت کا مالک ہے، جس میں اعلیٰ کارنامے انجام دینے کی صلاحیت موجود ہے۔ اُس کے ذہین ہونے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اُسے جو کچھ پڑھایا جائے اس کی اندھا دھند تقلید کرنے کے بجائے وہ اس بارے میں تجسس کے علاوہ سوال کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ اور یہ ایک اتنی چھوٹی عمر کے لڑکے کی ذہانت کو ظاہر کرتا ہے۔ تمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایک بچے کو جوانی کی عمر تک پہنچنے اور پرورش پانے سے پہلے تشکیک کے مراحل سے ضرور گزرنا چاہیے......"

☆......☆......☆

Marfat.com

چھبیسواں باب

مجھے یاد آنے والے

اسمٰعیل کو سکول چھوڑے بمشکل ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ رشید نے اپنے آجر کو کہہ سن کر اُسے نخلستان کے کھیتوں میں سبزیوں کی دیکھ بھال میں اپنے مددگار کے طور پر رکھوا دیا۔ لیکن اسمٰعیل نے وہاں بیماری کا بہانہ کرتے ہوئے وقت ضائع کرنے کے حربے اختیار کرنا شروع کر دیئے۔ جب رشید نے یہ ساری صورتِ حال اپنے چچازاد کو بتائی تو احمد خلیل نے اسمٰعیل کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر تم نے سکول جانے یا کام پر جانے سے انکار کیا تو میں تمہیں گھر سے باہر نکال دوں گا۔ کیونکہ میں ایسے فضول اور بے کار آدمی کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا۔ اب تم جوان ہو گئے ہو اور اپنا نفع نقصان خود سوچنے کے اہل ہو۔ اس کے بعد اسمٰعیل نے کام کی تلاش شروع کر دی اور جلدی ہی اُسے بازار اور منڈی میں تاجروں کی دکانوں پر ایک دکان سے دوسری دکان پر اپنی کمر پر بوریاں ڈھونے کا کام مل گیا۔ جب حج کا موسم آن پہنچا تو اسمٰعیل کو مقدس مقامات کی زیارت کے لئے آنے والے ہزاروں حاجیوں میں بطور رہبر کام تلاش کرنے کے لئے کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ جب حج کا وقت گزر گیا تو اُس نے حساب لگایا کہ پچھلے چھ ماہ کی مزدوریوں کے دوران مل ملا کر اُس نے کل اتنے پیسے نہیں کمائے تھے جتنے اُس نے ان دو ہفتوں میں کما لئے تھے۔

لیکن جب اُس کے باپ نے اس تمام رقم کے لئے مطالبہ کیا تو وہ بھر گیا اور بولا۔

''یہ رقم میری ہے! اسے میں نے کمایا ہے!''

احمد خلیل کی آواز بلند ہوئی ''تم اکیلے نہیں رہتے ہو اسمٰعیل! تمہیں اپنے ساتھ رہنے والے دوسروں کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ اس رقم کے بارے میں، میں تم پر کیسے اعتماد

Marfat.com

کر سکتا ہوں؟ تم یہ تمام پیسے اپنے لئے فضول سامان زیبائش اور مٹھائیوں وغیرہ پر ضائع کر دو گے جبکہ ہمیں تو روٹی کی ضرورت ہے!"

"ابا"! لڑکا مایوسی کی حالت میں چلاتے ہوئے بولا۔ "ذرا میری طرف دیکھئے! کیا میں بھی کبھی عمدہ لباس خرید سکوں گا؟ آپ نے تو کبھی مجھے نئے کپڑے خرید کر نہیں دیئے۔ ان چیتھڑوں میں گھر سے باہر مجھے لوگوں کے سامنے چلتے پھرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے"!

لیکن احمد خلیل نے نرمی دکھانے سے انکار کر دیا اور اسمٰعیل کے لئے اپنے والد کا حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ اسی طرح دن گزر گیا اور اسے اتنے زوروں کی بھوک لگی ہوئی تھی کہ اُس کی امی نے اُس کے لئے جو کھانا تیار کیا وہ اُسے مطمئن نہ کر سکا۔ اُس کی آنکھیں بے چینی سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں کہ اُس نے اپنے چچا کو کمرے کے اندھیرے کونے میں دیوار کے ساتھ اکڑوں اور برہنہ حالت میں بیٹھے ہوئے پایا۔ جب اُس نے ذرا قریب ہو کر دیکھا تو بدلو اور سڑاند کے ایک بھبھوکے نے اس کے نتھنوں کو جلا دیا۔ اُسے اتنی گھن آئی کہ اُس نے ناک اور منہ میں کپڑا ٹھونس لیا۔

اسمٰعیل تو خلیفہ کو بے جان اور غیر ذی روح چیز خیال کرتا کہ جیسے وہ کمرے میں پڑی ہوئی چارپائی یا فرنیچر وغیرہ کا کوئی ٹکڑا ہو۔ اور اُس کا خیال تھا کہ خلیفہ نہ کچھ جانتا ہے نہ محسوس کرتا ہے۔ تاہم جب کبھی اسمٰعیل اُس کا مذاق اُڑاتا' منہ چڑاتا اور گلی سے اودھم مچانے والے لڑکوں کا ہجوم گھر میں لا کر اُس کا مضحکہ اُڑاتا تو خلیفہ اُسے اس طرح گھورتا جس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور اس کی واہیات روش کے خلاف بات کرنے ہی والا ہے۔ جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ سب کچھ سنتا اور مکمل طور پر سمجھتا ہے۔ کبھی کبھار خلیفہ اسمٰعیل کا کہا ہوا کوئی ہتک آمیز جملہ دہرا کر اُسے چونکا دیتا' جو کہ اسمٰعیل نے اپنے دوستوں کے ایک ٹولے کی شکل میں مل کر اس کے بارے میں چند دن پہلے خواہ کئی ہفتے پہلے کہا تھا۔ جبکہ ظاہری وضع قطع کے اعتبار سے خلیفہ اپنے گرد و پیش کے ماحول سے مکمل طور پر غافل اور بے خبر معلوم ہوتا۔

اسمٰعیل اپنے خیالات کی دنیا سے اس وقت باہر آیا جب اُس کی امّی نے کمرے سے گزرتے ہوئے اُسے اُبلے ہوئے مسور کا ایک پیالہ' کافی تعداد میں چپچپی ملائم کھجوریں اور ایک بڑی لمبی روٹی کا ٹکڑا دیتے ہوئے کہا۔

Marfat.com

''اسمٰعیل! تمہارے چچا نے صبح سے کچھ نہیں کھایا...... اور چونکہ آج کل سبزیوں کی چنائی کا موسم ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ رشید کو کام سے دیر ہو جائے۔ کیا تم اُسے کھانا کھلاؤ گے!

''ضرور امّی جان''

اسماء نے بڑے پیار سے اس کے کندھے تھپتھپاتے ہوئے کہا ''میں پہلے ہی جانتی تھی کہ تم ضرور میرا کہا مانو گے۔ تم تو میرے بہت فرمانبردار بیٹے ہو......''

خلیفہ اپنی ہی ایک علیحدہ دنیا میں یوں کھویا ہوا تھا کہ پہلے پہل تو اُسے اپنے بھتیجے کی احساس تک نہ ہوا۔ اسمٰعیل نے خاموشی سے کھجوریں لیں اور انہیں انتہائی تیزی سے ہڑپ کر گیا۔ پھر اُس نے بے تحاشا روٹی اور مسور کھانا شروع کر دیئے۔ اب خلیفہ کو کچھ خفیف سا احساس ہو گیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن جب اُس نے اپنا کھانا حاصل کرنے کی ایک ناتواں سی کوشش کی تو اسمٰعیل نے وحشیانہ انداز میں لاتیں مارتے ہوئے اُسے پرے گرا دیا۔ خلیفہ فرش پر گر گیا لیکن اُس نے کوئی چیخ و پکار نہیں کی۔ وہ صرف شفقت بھری اور سیاہ آنکھوں سے اسمٰعیل کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔ اُس کے دیکھنے میں کسی نفرت یا خوف کا تاثر بالکل نہیں تھا۔ بلکہ اُس کی آنکھوں سے ایک اتھاہ اُداسی اور غمنا کی ہویدا تھی۔

خلیفہ نے اپنی آنکھیں اُس پر جمائے رکھیں۔ اسمٰعیل نے بڑی شدت سے ایک مضطربانہ کیفیت محسوس کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آنکھیں اُس پر الزام لگا رہی ہوں۔ اسمٰعیل ان نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے چیخ اُٹھا ''مجھے اس طرح گھور گھور کر دیکھنا بند کرو''! وہ کمرے کی دوسری طرف چلا گیا لیکن سیاہ آنکھوں کا جوڑا اُس کا تعاقب ہی کرتا رہا۔ اسمٰعیل نے آخری چارۂ کار کے طور پر اپنے سر اور چہرے کو ہاتھوں سے ڈھانپتے ہوئے چھپا لیا لیکن خلیفہ کا چہرہ بدستور اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرتا رہا۔

اسمٰعیل جوشِ غضب سے دھاڑا ''دفع ہو جاؤ! میں کہتا ہوں نکل جاؤ یہاں سے''!

اسماء جو کہ پرانے اور بوسیدہ کپڑوں کے ایک ڈھیر کے پاس بیٹھی ہوئی ان کی پیوند کاری میں مصروف تھی یہ شور سن کر چونک اُٹھی اور اُس نے پوچھا۔

''بیٹے! کیا بات ہوئی ہے؟''

''کچھ نہیں! آپ اپنا کام کرتی جائیں! یہاں کچھ نہیں ہوا......'' اسمٰعیل نے

Marfat.com

جواب میں کہا۔

پھر اچانک اُس کی آنکھوں کے سامنے ایک خوفناک اندھیرا چھا گیا اور اُسے ہر چیز گھومتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ موت کے ہیبت ناک تصورات کی تاریکیوں میں سے اسمٰعیل کو اس آواز کی گونج سنائی دی۔

(.......... وہ دن ہوگا جب تم لوگ پیش کیے جاؤ گے' تمہارا کوئی راز بھی چھپا نہ رہ جائے گا.......... اور جس کا نامہء اعمال اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا "کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا گیا ہوتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش میری وہی موت (جو دنیا میں آئی تھی) فیصلہ کن ہوتی۔ آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا سارا اقتدار ختم ہو گیا" (حکم ہوگا) پکڑو اسے اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو' پھر اسے جہنم میں جھونک دو!

.... یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا۔

اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا..........)

(سورہ الحآقتہ آیات ۱۸' ۲۵ تا ۳۱' ۳۳' ۳۴)

اس ڈراؤنے خواب سے بیدار ہونے کے بعد صبح کے وقت اسمٰعیل خلیفہ سے پرے پرے ہی رہا' خلیفہ کی محض ایک جھلک دیکھ لینے سے ہی اس پر وحشت سے لرزہ طاری ہو جاتا۔

یہ سال انتہائی سخت ثابت ہوا۔ خرابیٔ موسم کے سبب نخلستان کی پیداوار بہت کم نکلی اور اس سے رشید کی اُجرت سے پہلے سے بھی قلیل تر ہو گئی۔ آخرکار نخلستان کا آدھا حصہ ایک تعمیراتی کمپنی کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔ جس نے ایک مضافاتی اور خوشحال لوگوں کی نئی آبادی کی داغ بیل ڈالنے کے لئے کھجوروں کے درخت کاٹ دیئے۔ اور اس سے قبل ہی ایئر کنڈیشنڈ کوٹھیوں کی تعمیر کا کام شروع ہو چکا تھا۔ رشید کو کبھی خلیفہ کا خیال آتا اور کبھی اس نئی اتھل پتھل کو دیکھ کر آزردگی اور ایک نفرت کے ساتھ ان نئی عمارتوں کو بنتا اور بلند ہوتا دیکھتا..... آخری چارۂ کار کے طور پر میمونہ نے رشید سے التجا کی کہ وہ حکومت سے مدد کی درخواست کرے..... میمونہ نے اُسے یقین دلاتے ہوئے کہا کہ حکومت نے غریب اور مفلس لوگوں کی مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن احمد خلیل جانتا تھا کہ حاجیوں کی

Marfat.com

ہر سال بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر حکومت مصیبت زدہ مہاجرین کو اب مزید پناہ دینے اور تحفظات میسر کرنے کی صورتِ حال میں نہیں تھی' حاجیوں کو اب اس امر کی اجازت نہیں تھی کہ وہ پہلے کی طرح جتنی دیر چاہیں جزیرۃ العرب میں قیام کریں۔ بلکہ اب اُنہیں احکامات جاری کر دیئے گئے تھے کہ مناسک حج کی ادائیگی کے بعد فوری طور پر اپنے اپنے ملکوں کو واپس چلے جائیں یا شدید ترین قید اور سزائیں برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور چونکہ قانونی لحاظ سے احمد خلیل کی حیثیت ایک غیر ملکی اور اجنبی سے زیادہ نہ تھی لہٰذا اُسے اس بات کا خدشہ تھا کہ جونہی حکام پر اس امر کا انکشاف ہو گیا کہ وہ اور اس کا خاندان کتنے بے حیثیت اور بے نوا ہیں تو انہیں یہاں سے کسی وقت بھی جلاوطن کر دیا جائے گا۔

اس سال رشید کو سبزیاں گھر لے جانے کی اجازت نہیں تھی بلکہ اُس کا آجر پیداوار کی کمی کے سبب تمام جنس منڈی میں فروخت کرنے پر مجبور تھا۔ رشید اور احمد خلیل دونوں کو اسی موجودہ یافت پر گزارہ کرنا پڑ رہا تھا۔ دیگر اشیا کی طرح اشیائے خوراک کی قیمتیں بھی بہت گراں اور ان کی پہنچ سے باہر تھیں۔ لیکن وہ اتنے خوددار اور ضبط کے خوگر تھے کہ ان کے آس پاس کے لوگوں' دوستوں اور ہمسایوں کو ان کے چہروں سے ان کے مصائب و آلام اور ذہنی پریشانیوں سے آگاہی تک نہ ہو سکی کہ وہ آج کل گزشتہ حالات کی نسبت کتنے خستہ حال ہیں!!!

اگرچہ رشید نے خلیفہ کو دن میں ایک بار خوراک کھلانے کا معمول جاری رکھا' لیکن وہ مسلسل کمزور اور لاغر ہوتا گیا اور ناتوانی کے سبب اس کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ اُٹھ کر بیٹھ جانے کے بھی قابل نہ رہا۔ وہ چٹائی پر بے حس و حرکت بدحواسی کے عالم میں پڑا رہتا۔

ایک سہ پہر کو احمد خلیل روزمرہ معمول کی نسبت جب ذرا جلدی گھر آیا تو اُسے بے ہوش پڑا ہوا پایا۔ سردی سے اس کا وجود نیلا پڑ چکا تھا۔ اُس نے بڑے پیار سے اپنی بھاری اُونی چادر اس کے گرد لپیٹ دی اور اس کے ہاتھ پاؤں سہلانے شروع کیے حتیٰ کہ وہ ہوش میں آ گیا۔ غلطی سے کمرے کا دروازہ کھلا رہ گیا اور اسے بند کرنا احمد خلیل کو یاد نہ رہا' اس سے آتے جاتے ہمسایوں کی توجہ اس طرح ہوئی اور اُنہوں نے کمرے کے اندر دیکھا تو اب انہیں ساری صورتِ حال کا پتہ چل گیا...... اُسی وقت مکان کی دوسری منزل پر

Marfat.com

مقیم بخارا سے آنے والا ایک رُوسی مہاجر سیڑھیوں سے نیچے اُترتے ہوئے اپنے ساتھ ایک توشک اور ربڑ کی چادر لایا۔ سمرقند سے تعلق رکھنے والا ایک دوسرا مہاجر جو تیسری منزل پر رہتا تھا کمبل لے کر آ گیا اور اسی تیسری منزل کے مقیم ترکستان (سنکیانگ) سے جان بچا کر آنے والے ایک چینی مسلمان نے تکیہ مہیا کیا۔ احمد خلیل اور رشید نے خاموشی سے یہ چیزیں لے لیں اور حتی الوسع خلیفہ کو آرام پہنچانے کی تگ و دَو میں لگے رہے۔

آئندہ ایام کے لئے اُنہوں نے اپنے کام سے چند دنوں کی رُخصت لے لی تاکہ وہ دل جمعی کے ساتھ خلیفہ کی تیمارداری کر سکیں۔ اُنہیں ایک لمحے کے لئے بھی خلیفہ کو اکیلے چھوڑنے کا حوصلہ نہ پڑتا اور مسجد میں جانے کے بجائے وہ کمرے میں ہی نماز ادا کر لیتے۔ اس کی دیکھ بھال کے وقت وہ اس کا ہاتھ پکڑے رکھتے' اُس کی پیشانی سہلاتے اور پیار سے اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے رہتے۔ خلیفہ کی حالت اتنی خراب ہو گئی کہ وہ معمول کی خوراک کھانے کے بھی قابل نہ رہا۔ جونہی وہ کوئی چیز کھانے کی کوشش کرتا اُسے قے آ جاتی۔ اس لئے رشید صبح و شام شہد اور دُودھ ملا کر اس کے لئے میٹھا دلیا پکاتا۔ اور خلیفہ اسے بڑے شوق و رغبت سے کھانے کے بعد بڑی لجاجت سے مزید دلیا کھانے کے لئے مانگتا جب کہ اُن کے پاس اتنی استطاعت نہ تھی کہ وہ اُسے جی بھر کر یہ کھانا کھلا سکیں۔ خلیفہ کی حالت میں کوئی بہتری رونما نہ ہوئی۔ اور جلد ہی یہ نظر آنے لگا کہ اس کی حالت تیزی سے دگرگوں ہو رہی ہے۔ دن کے زیادہ تر اوقات وہ سویا پڑا رہتا۔ اور جب کبھی اُس کی آنکھ کھلتی تو رشید اُسے تسبیح تھما دیتا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) اسمائے حسنہ کا ورد کرو۔ کیونکہ وہ اتنا ساکت' ناتواں اور درماندہ ہو گیا تھا کہ سوئے پڑے رہنے کے علاوہ اس میں کسی اور کام کی ہمت ہی باقی نہیں رہی تھی۔

صرف ایک بار اُنہوں نے اُسے اپنی بچی کھچی قوت کے ساتھ چلاتے ہوئے سنا کہ ''مجھے ڈاکٹر کے پاس نہ بھیجو! مہربانی کر کے مجھے ہسپتال' پاگل خانے یا اس طرح کے کسی اور مقام پر نہ بھیجو!'' اُس کا چہرہ اندرونی اضطراب اور ذہنی کرب سے متغیر ہو گیا۔ ''میں نے خود سنا ہے کہ تم اپنے دوستوں سے میرے بارے میں اس طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ مجھے گھر سے باہر نہ نکالو۔''

''نہیں نہیں! ہرگز نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا!'' احمد خلیل نے پوری آواز سے چلاتے ہوئے کہا ''جب تک میری جان میں جان ہے۔ میرے ہوتے ہوئے یہ کبھی نہیں

Marfat.com

ہو گا۔ میں تمہیں گھر سے باہر بھیجنے پر کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔ تم ہمیشہ ہمارے ساتھ ہی رہو گے۔ وہ دوائیں اور علاج سب فضول ہیں۔ وہ تمہارے کسی کام کے نہیں۔ وہ تو تمہیں اور بھی ہلکان کر دیں گے۔ میں تمہیں ایسی جگہوں پر بھیجنے کا ہرگز روادار نہیں ہوں۔"

احمد خلیل اور رشید اس کے پاس کافی دیر خاموشی کے عالم میں بیٹھے رہے۔ سورج غروب ہو گیا اور پورا کمرہ تاریکی میں ڈوب گیا کیونکہ ان کے پاس مٹی کا تیل خریدنے کے لئے بھی پیسے نہیں تھے۔ رات آہستہ آہستہ گزرتی جا رہی تھی لیکن اُن میں سے کسی کو بھی نیند نہ آئی۔ اور جب فجر کی اوّلین روشنی نمودار ہوئی تو خلیفہ احمد خلیل سے مخاطب ہوا۔

"مجھے سورۂ یٰسین کی تلاوت سناؤ"

اس وقت میرے پاس قرآن پاک کا کوئی نسخہ موجود نہیں لیکن جتنی سورۂ یٰسین مجھے حفظ ہے وہ میں تمہیں سناتا ہوں...... سنو"!

("......... ان کے سامنے ان کے رب کی آیات میں سے جو آیت بھی آتی ہے یہ اس کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو رزق تمہیں عطا کیا ہے اُس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرو تو یہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے ایمان لانے والوں کو جواب دیتے ہیں" کیا ہم اُن کو کھلائیں جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟ تم تو بالکل ہی بہک گئے ہو" یہ لوگ کہتے ہیں کہ "یہ قیامت کی دھمکی آخر کب پوری ہو گی؟ بتاؤ اگر تم سچے ہو۔" دراصل یہ جس چیز کی راہ تک رہے ہیں وہ بس ایک دھماکا ہے جو یکایک انہیں عین اُس حالت میں دھر لے گا جب یہ (اپنے دُنیوی معاملات میں) جھگڑ رہے ہوں گے......... پھر ایک صور پھونکا جائے گا اور یکایک یہ اپنے رب کے حضور پیش ہونے کے لئے قبروں سے نکل پڑیں گے۔ گھبرا کر کہیں گے! "ارے یہ کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اُٹھا کھڑا کیا"؟...... ایک ہی زور کی آواز ہو گی اور سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ آج کسی پر ذرّہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا اور تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا جیسے تم عمل کرتے رہے تھے...... آج جنتی لوگ مزے کرنے میں مشغول ہیں...... ہر قسم کی لذیذ چیزیں کھانے پینے کو اُن کے لئے

Marfat.com

وہاں موجود ہیں' جو کچھ وہ طلب کریں اُن کے لئے حاضر ہے' ربّ رحیم کی طرف سے ان کو سلام کہا گیا ہے...... اور اے مجرمو' آج تم چھٹ کر الگ ہو جاؤ...... یہ وہی جہنم ہے جس سے تم کو ڈرایا جاتا رہا تھا۔ جو کفر تم دُنیا میں کرتے رہے ہو' اُس کی پاداش میں اب اس کا ایندھن بنو۔

آج ہم ان کے منہ بند کیے دیتے ہیں' ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ دُنیا میں کیا کمائی کرتے رہے ہیں.......... کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر وہ صریح جھگڑالو بن کر کھڑا ہو گیا.......... اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے۔ کہتا ہے ''کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جبکہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں''؟ ان سے کہو' انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انہیں پیدا کیا تھا' اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے.......... کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پید کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں جبکہ وہ ماہر خلاق ہے۔ وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے' اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو..........'') (سورہ یٰسین۔ آیات' ۴۶ تا ۴۹' ۵۱! ۵۲' ۵۳ تا ۵۵' ۵۷ تا ۵۹' ۶۳ تا ۶۵' ۷۷' ۷۸' ۷۹' ۸۱ تا ۸۳)

احمد خلیل نے اپنے بھائی کو اپنے بازوؤں میں اٹھا کر اسے سینے سے لگا لیا۔ اُس نے محسوس کیا کہ خلیفہ کا وزن کھجور کے پتوں کے ایک گٹھے سے بھی زیادہ نہیں۔ گوشت تو جسم سے تقریباً سب کا سب غائب ہو چکا تھا لیکن اس کی جلد چمکتے ہوئے تانبے کی مانند تھی اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ ہڈیوں پر کس کر منڈھی گئی ہو۔

''مجھے ایک مسواک دو'' خلیفہ نے التجا کے انداز میں کہا۔

احمد خلیل نے پاس ہی فرش پر پڑی ہوئی کھجور کی سبز ٹہنیوں کے ڈھیر میں سے

Marfat.com

ایک شاخ اُٹھائی اور اس کو ایک سرے سے چبا کر اس کے لئے نرم کیا۔ خلیفہ نے اسے اپنے منہ میں لے کر اپنے دانت صاف کرنے شروع کر دیئے۔

خلیفہ نے بڑی آرزومندانہ نگاہوں سے اپنے بھائی کی جانب دیکھا......

''اگر میں اس دنیا سے چلا جاؤں تو کیا آپ اور رشید بھی میرے ساتھ چلیں گے؟''

''ہاں''

''لیکن کب؟''

اس کا فیصلہ کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ انشاء اللہ العزیز تمہیں زیادہ زمانہ ہمارا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ پھر تو ہم ہمیشہ ہی اکٹھے رہیں گے اور کبھی جدا نہیں ہوں گے۔

اب تم سو جاؤ......تم جلد ہی صحت یاب ہو جاؤ گے..........

وہ اپنے بھائی پر بہت قریب ہو کر جھکا۔ اتنا قریب کہ چند لمحے وہ اپنے رخساروں پر اس کے سانسوں کو محسوس کر سکتا تھا۔ آخر خلیفہ نے اس کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے اپنی آنکھیں کھولیں اور اس کے چہرے پر پتھرائے ہوئے انداز میں جما دیں۔ یوں لگتا تھا کہ وہ آنکھ جھپکے بغیر مسلسل احمد خلیل کو دیکھ رہا ہے۔ احمد خلیل نے غور سے دیکھا تو اُن کا نور بجھ چکا تھا......! اور ان پر ایک پتلی سی دُودھیا جھلی پھیلی ہوئی تھی!!

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا الیہ راجعُون O

احمد خلیل بڑی آہستگی سے خلیفہ کی چٹائی پر جھک کر بیٹھ گیا' اُس نے خلیفہ کی آنکھوں اور منہ کو بند کیا۔ اس کی ٹانگیں سیدھی کیں اس کے جسم سے گندے بوسیدہ کپڑے اُتارے اور پھر اسے اپنی چادر سے ڈھانپ دیا۔ اگرچہ وہ اپنی عمر کے بائیس (۲۲) سال بسر کر چکا تھا' لیکن وہ بمشکل سولہ سال کا دکھائی دیتا۔ اُس کا چہرہ ایک سوتے ہوئے بچے کی طرح پرسکون تھا۔ رشید اس کے قریب جا کر بڑی دیر تک اس کا چہرہ دیکھتا رہا' اس کی پیشانی چومی اور پھر آہستہ آواز سے رونا شروع کر دیا۔

عبدالرحمٰن اور اس کی تینوں بیگمات فوری طور پر آ گئیں۔ ان کے بعد انعام اللہ اور لائبریری سے بزرگ عالم بھی آ گئے۔ اپنے ان دوستوں کی مدد سے احمد خلیل اور اس کے چچا زاد نے اپنے بھائی کو آخری غسل دیا۔ پھر اُنھوں نے ایک نئی سفید چادر کا کفن پہنا

Marfat.com

دیا۔ ایک مستعار لی ہوئی چارپائی پر اس کی میت کو پانچ آدمیوں کے ہمراہ، جن میں کچھ ہمسائے بھی شامل ہو گئے تھے، جنازہ اپنے کندھوں پر اُٹھا کر مسجد کے باہر نمازِ جنازہ کے لئے لے گئے۔ اور اُنہوں نے خلیفہ کو ایک بالکل الگ تھلگ جگہ پر جو کہ آنحضرت ﷺ کے روضہء مبارک سے کچھ زیادہ دُور نہیں تھی، دفن کر دیا۔ احمد خلیل اور رشید کو اس تصور سے ایک یقینی اطمینان تھا کہ خلیفہ کو آنحضرت ﷺ کی قربت اور موجودگی سے ہمیشہ خوشی حاصل رہے گی۔

☆......☆......☆

Marfat.com

ستائیسواں باب

نئی اُمیدیں

احمد خلیل پر تنہائی، اُداسی اور دل شکستگی یوں طاری ہو گئی تھی کہ وہ پہروں غم و اندوہ کی کیفیت میں کھویا رہتا۔ رشید کے علاوہ اُسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس سرد مہر اور مخالف دنیا میں اکیلا اور تنہا رہ گیا ہے، جہاں احساسِ محرومی اور نا آسودگی کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ اسماء نے جن آٹھ بچوں کو اپنے بطن سے جنم دیا تھا اُن میں سے سات تو شیر خوارگی کے ایام میں ہی فوت ہو گئے تھے صرف اکیلا اسمٰعیل ہی اُن میں سے زندہ باقی رہ گیا تھا۔ لیکن اسمٰعیل کا یہ حال تھا کہ اُس کا رویہ اپنے باپ کے لئے ایک اجنبی جیسا تھا جو انتہائی سرد مہری اور الگ تھلگ اور گریزاں گریزاں روش پر مبنی تھا۔ اگرچہ وہ دونوں ایک گھر میں اکٹھے قیام پذیر تھے لیکن اسمٰعیل کا وتیرہ اس کے لئے کرۂ زمین کے دوسرے سرے پر بسنے والے اجنبی کی مانند تھا۔ جب سے اسمٰعیل اُس کے ہاتھوں سے نکلنا شروع ہوا تھا وہ سوچتا کہ کس مقام پر اُس سے کون سی لغزش ہوئی جس کے سبب یہ دن دیکھنے پڑے! کیا میں نے بھی اپنے والد کے ساتھ اسی بے ادبی کا مظاہرہ کیا تھا جیسا کہ میرا بیٹا کر رہا ہے؟ اپنے ماضی کے بارے میں وہ بڑی دقت نظری اور گہرائی سے جائزہ لیتا رہا لیکن وہ اپنی یادداشت میں اس بات کو کہیں بھی تلاش نہ کر سکا کہ اسمٰعیل کی تربیت کے بارے میں کن کن مواقع پر اُس سے غلطیوں کا صدور ہوا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے اتنے مختلف تھے کہ اُن کے درمیان کوئی واحد شے بھی ایسی نہیں تھی جسے وہ قدر مشترک کی حیثیت سے عزیز رکھتے ہوں...... بعض اوقات تو احمد خلیل کو یقین نہ آتا کہ اسمٰعیل کی رگوں میں اس کا ہی خون دوڑ رہا ہے......! بسا اوقات وہ تمنا کرتا کہ کاش اسمٰعیل پیدا ہی نہ ہوا ہوتا...... اس

Marfat.com

سے تو بہتر تھا کہ اس کے ہاں کوئی بیٹا نہ ہی جنم لیتا...... یہ صرف خون کا رشتہ اور بندھن تھا' جس کے سبب وہ آپس میں منسلک تھے۔ ورنہ اسمٰعیل تو احمد خلیل کے نزدیک ہر ذی رُوح سے زیادہ قابلِ نفرین تھا۔ محض اُس کی ایک جھلک دیکھتے ہی احمد خلیل کو دُنیا کی ہر شے بری دکھائی دینے لگتی......

اپنے انتہائی مشفق والدین کے ساتھ بھی اُس کا سلوک سرد مہری' بے رُخی اور لاپرواہی پر مبنی تھا۔ اور دوسرے لوگوں کے بقول وہ مطلب پرست' حریص اور ایسا منہ پھٹ تھا کہ جس کے دل میں کسی بڑے چھوٹے کا لحاظ و احترام بالکل نہ ہو۔ وہ اس بات کی بھی پرواہ نہ کرتا کہ میرا طرزِ عمل لوگوں کے لئے اچھا ہے یا برا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ وہ صحیح اور غلط کی تمیز سے عاری ہو گیا ہے۔ نتائج کی پرواہ کیے بغیر اپنا من خوش کرنے کے لئے اس کے دل میں جو آتا کر گزرتا۔ وہ مستقبل کے بارے میں بالکل لاپرواہ تھا۔ وہ تو کلی طور پر زمانۂ حال کے لئے جی رہا تھا کیونکہ کل کس نے دیکھا ہے! لہٰذا اس کی زندگی بابر بہ عیش کوش...... کی ڈگر پر رواں تھی۔ کوئی سرزنش' تنبیہہ' دھمکی' مارکٹائی یا کسی قسم کی سزا اس کی روش کے لئے مانع نہ ہو سکی۔ کوئی شخص' حتیٰ کہ اُس کے ماں باپ بھی اُس کے لچھن دیکھ کر بھی اُس کی روش کو تبدیل کرنے کے بارے میں بے بس تھے۔ وہ اتنا متکبر اور خود پسند ہو چکا تھا کہ اپنی موجودہ ہیئت اور روش پر آپ ہی خوش' مطمئن اور مگن تھا۔ اگر کوئی اس کے موجودہ چلن کے بارے میں شکایت کرنے کی جسارت کرتا تو وہ خود کو ہمیشہ ''راہِ راست'' پر سمجھتے ہوئے اپنے مخاطب کو ہی قصوروار ٹھہراتا۔

رات کی اتھاہ تاریکیوں اور سناٹے میں جب کبھی احمد خلیل' اسماء سے مجامعت کرتا تو وہ دل ہی دل میں بار بار اللہ سے اپنی بیوی کے بار آور ہونے کی دُعائیں مانگتا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اُن دونوں کی جوانی کا زمانہ گزر چکا تھا اور اب وہ بوڑھے ہو چکے تھے۔

ایک روز رات کے وقت احمد خلیل عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد جب مسجد سے گھر آنے والا تھا تو اُس نے ایک چھوٹے سے لڑکے کو سوتے ہوئے پایا۔ جسے وہ اس سے پہلے بھی بارہا دیکھ چکا تھا۔ وہ بچہ مسجد کے اندرونی احاطے میں محرابی ستونوں کے پاس سیمنٹ کے ننگے فرش پر سو رہا تھا۔ جب وہ دبے پاؤں اس کے نزدیک گیا تو بچہ بیدار ہو گیا اور اُس نے چلانا شروع کر دیا لیکن جب احمد خلیل نے اُسے مٹھی بھر کھجوریں دیں تو وہ چپ ہو گیا۔

Marfat.com

''آپ کون ہیں؟'' بچے نے سہمے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''میں تمہارا دوست ہوں''

''کیا آپ میرے ابا اور امّی کی تلاش میں میری مدد کر سکتے ہیں؟''

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ العزیز کل ہم انہیں تلاش کریں گے۔ لیکن اب میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ میرے گھر پر چلو......''

اس کے بعد کئی ہفتے احمد خلیل بچے کے والدین کو ڈھونڈتا رہا اور اس نے ان کی تلاش میں شہر کا کونا کونا چھان مارا۔ لیکن اُسے کہیں بھی اُن کا سراغ نہ مل سکا۔ آخرکار ایک دن مسجد کے عمر رسیدہ خادم نے اُسے بلا بھیجا۔

دوران ملاقات اُس نے کہا۔''میں ابھی ابھی مکہ میں اپنے عزیزوں سے مل کر آ رہا ہوں۔ اور پچھلے چند دن میں نے اُن کے پاس ہی گزارے۔ ورنہ میں تمہیں ضرور اس معاملے کی حقیقت سے آگاہ کر دیتا۔ یہاں آ کر مجھے تمہارے دوستوں کی زبانی معلوم ہوا کہ تم کن حالات میں عبدالرزاق کو اپنے گھر لے گئے۔ میں بھی اچانک مسجد سے اس کے غائب ہو جانے پر حیران تھا۔''

احمد خلیل نے کہا''کیا آپ اس کے خاندان کی تلاش میں میری رہنمائی کر سکتے ہیں؟ میں نے تو تمام شہر چھان مارا ہے''

''جب تم اُسے اپنے گھر لے کر گئے تھے' اگر اس وقت میں یہاں ہوتا تو میں تمہیں اس کی پوری روداد سنا دیتا۔ عبدالرزاق بدوؤں کے ایک قبیلے میں پیدا ہوا' آنکھوں کے ککروں کی بیماری سے اس کی دونوں آنکھیں جاتی رہیں تو اُس کے قبیلہ کے لوگ ایک اندھے بچے کو اس بنا پر اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتے تھے کیونکہ وہ اسے صحرا میں خانہ بدوشی کی زندگی اور آئے دن کے سفر میں ایک بھاری بوجھ اور رکاوٹ سمجھتے تھے اور جب گزشتہ سال وہ یہاں آئے تو فریضہء حج ادا کرنے کے بعد اسے اس مسجد میں چھوڑ کر صحرا میں غائب ہو گئے۔ اگر ہم اس کے کھانے پینے کا یہاں خیال نہ رکھتے تو وہ بھوکوں مر جاتا۔ ہم نے اس کا نام بھی تبدیل کر دیا۔ کیونکہ بدّو لوگ اپنی جہالت اور جنگلی بودوباش کے سبب شاذونادر ہی اپنے بچوں کے اسلامی نام رکھتے ہیں۔ اور عبدالرزاق کا پرانا نام بھی کافروں جیسا تھا۔ عبدالرزاق کا خیال ہے کہ وہ گم ہو چکا ہے اور اُس کا والد ابھی تک اُس کی تلاش میں ہے۔ اور کم از کم میں تو اپنے اندر اتنا حوصلہ نہیں پاتا کہ اُسے صحیح صورتِ حال سے

Marfat.com

آ گاہ کرسکوں......

جب احمد خلیل نے یہ ساری رُوداد سنی تو اُس نے فوری طور پر عبدالرزاق کو اپنا متبنی بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور ویسے بھی ازیں قبل احمد خلیل کو اس بچے سے اتنی گہری وابستگی ہو چکی تھی کہ اگر کسی معجزاتی واقعہ کے نتیجہ میں اگر اس کے والدین اسے مل بھی جاتے تو وہ اسے ان کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔ ایسے والدین جن کے دل میں اپنے بیٹے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ جنہوں نے انتہائی شقاوت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے یہاں پھینک دیا تھا۔ اور اب عبدالرزاق کو اس کے آبائی ٹھکانہ پر بھیجنے کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ اُسے لاپرواہی پر مبنی ظالمانہ سلوک کے لئے دوبارہ اُس کے والدین کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا اسماء اور میمونہ کو عبدالرزاق سے ایسا لگاؤ ہو گیا کہ جیسے وہ ان کا اپنی ہی بچہ ہو۔ لیکن اسمٰعیل نے اس بات کے اظہار میں کوئی باک نہیں کیا کہ خاندان میں اس نئے فرد کا اضافہ پسند نہیں ہے۔ چونکہ اس کا والد واضح طور پر عبدالرزاق کو اپنی محبت اور شفقت میں اوّلین ترجیح دیتا تھا اس لئے وہ شدید حسد میں مبتلا ہو گیا۔ اسمٰعیل کے لئے یہ سب کچھ ناقابل برداشت تھا۔ اور بہت جلد اُس کی ناراضگی بڑھتے بڑھتے ایک شدید نفرت کی صورت اختیار کر گئی۔

جب احمد خلیل نے یہ دیکھا کہ اسمٰعیل کی موجودگی میں عبدالرزاق کتنا پریشان اور غمزدہ رہتا ہے تو اُس نے اُسے اپنے ساتھ باغ میں لے جانا شروع کر دیا جہاں وہ کام کرتا تھا۔ یہاں وہ پودوں کو انگلیوں سے چھوتے ہوئے' خود کو پھولوں کی خوشبو اور نکہت زار فضا میں پا کر بہت خوشی محسوس کرتا۔ عبدالرزاق جو ابھی تک صحرا کی فضا سے ہی آشنا تھا' اس کے لئے یہ جگہ جنت سے کم نہیں تھی۔ وہ تروتازہ سبزے میں اپنا منہ چھپا لیتا اور اپنی حساس اُنگلیاں انتہائی ملائمت سے پتوں پر پھیرتا رہتا۔ کچھ کشادہ پتے اور پھول اتنے نرم محسوس ہوتے جیسے کہ مخمل' جبکہ کچھ پتے اور پھول لمبے' چکنے اور ملائم لگتے۔ تھوڑے ہی دنوں میں احمد خلیل نے لڑکے کو سونگھنے اور چھونے کے ذریعے ہر قسم کے پودوں کی پہچان سکھا دی۔

عبدالرزاق کو ایک زندہ کھلونا مل گیا تھا۔ یہ امام صاحب کی پالتو بلی تھی جو اس سے بہت مانوس تھی۔ اس سے کھیلنے میں بے انتہا خوشی محسوس کرتے ہوئے وہ طویل اوقات

Marfat.com

گزار دیتا۔ بلی کو اپنے بازوؤں میں لے کر اس پر پیار سے ہاتھ پھیرتا رہتا۔ جب کبھی وہ بلی کو ستانے کے لئے اس کی دُم کھینچنے لگتا تو احمد خلیل ناراض ہو کر اُسے دھمکی دیتا کہ بلی سے اچھا سلوک کرو ورنہ یہ تم سے چھین لی جائے گی۔ ایک دفعہ اُسے اسی باغ میں کھجور کے درخت کے نیچے' گھونسلے سے گرا ہوا ایک کبوتر کا بچہ ملا جس کی ٹانگ زخمی ہو چکی تھی۔ احمد خلیل نے ایک چھوٹا سا ڈبہ تلاش کرنے کے بعد عبدالرزاق سے کہا کہ اسے نرم گھاس کی پتیوں سے بھر دو۔ احمد خلیل نے پرندے کی زخمی ٹانگ پر ایک چھوٹی سی کھپچی اور پٹی باندھی۔ عبدالرزاق اس کی دیکھ بھال کرتے ہوئے اسے روزانہ خوراک کھلاتا رہا حتیٰ کہ وہ صحتمند ہو کر اُڑ گیا۔

جب رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو احمد خلیل تین دیگر آدمیوں کے ہمراہ عبدالرزاق کو بھی سحری سے بہت قبل جگا کر اپنے ساتھ لے جاتا۔ وہ اپنے محلے اور اس کے گردوپیش کے علاقے میں ڈھول اور ٹین کے کنستر بجاتے ہوئے لوگوں کو سحری کھانے کے لئے جگاتے۔

عبدالرزاق کو اُن کے ہاں رہتے ہوئے تقریباً ایک سال کا عرصہ ہو گیا تھا۔ احمد خلیل نے فیصلہ کیا کہ اب عبدالرزاق کو سکول بھیجنا چاہیے۔ ہر روز اپنا کام ختم کرنے کے بعد وہ اسے لائبریری میں لے جاتا اور اُونچی آواز میں اُسے کوئی کتاب وغیرہ پڑھ کر سناتا۔ پہلے پہل تو عبدالرزاق وہاں بہت بدحواسی کے عالم میں ایک پریشانی کی کیفیت محسوس کرتا۔ لیکن احمد خلیل اُس کی حوصلہ افزائی کرتا رہا حتیٰ کہ یہ کیفیت جاتی رہی اور اس کے بعد جلد ہی اُسے سکول میں داخل کرا دیا۔ اگرچہ عبدالرزاق پڑھنا نہیں جانتا تھا کیونکہ لائبریری میں ابھرواں رسم الخط میں اندھوں کے لئے کوئی بریل کتاب نہیں تھی۔ پھر بھی اُس نے پہلا سال ختم ہونے پر قرآن مجید کی لمبی سورتیں اور قدیم عربی شاعری کے طویل اقتباسات حفظ کر لئے۔ ایک دن پڑھائی کے اوقات میں احمد خلیل سکول گیا تو اُس نے عبدالرزاق کو دیکھا کہ وہ اُس دن کا سبق اپنے اُستاد کو زبانی سنا رہا ہے۔

(''قسم ہے رات کی جبکہ وہ چھا جائے' اور دن کی جبکہ وہ روشن ہو'.......... (الیل ا۔۲)

(اے نبیؐ) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔

اور یقیناً تمہارے لئے بعد کا دَور پہلے دَور سے بہتر ہے۔

Marfat.com

اور عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔
کیا اُس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟
اور تمہیں ناواقفِ راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی۔
اور تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا۔ (الضحٰی ۳ تا ۸)
پس حقیقت یہ ہے کہ تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔
بے شک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔(الم نشرح ۵،۶)
لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو۔) (الضحٰی ۹،۱۰)

کئی دن بعد مسجد مکتب (سکول) کے اُستاد نے احمد خلیل کو بلا بھیجا۔ اور کہا' ''عبدالرزاق کا شمار میرے ذہن ترین شاگردوں میں ہونے لگا ہے۔ قاہرہ سے ایک پروفیسر طلبہ کا زبانی امتحان لینے کے لئے آرہا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس کا بھی زبانی امتحان دِلوا دیا جائے؟ اگر اس کی کارکردگی اچھی رہی تو اس کے نتیجہ میں اسے الازہر یونیورسٹی سے ملحقہ کسی پرائمری سکول میں داخلہ اور وظیفہ مل جائے گا......''

یہ سُن کر احمد خلیل کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ بڑے اشتیاق بھرے لہجے میں اُستاد سے مخاطب ہوا' ''آپ کو میری طرف سے بصد شوق اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس نے عبدالرزاق کی صورت میں مجھے ایک انتہائی ہونہار فرزند عطا فرمایا ہے۔ جو میرے خاندان کے لئے اور ہم سب کے لئے اعزاز اور نیک نامی لایا ہے''۔

☆......☆......☆

Marfat.com

اٹھائیسواں باب

بے نور آنکھوں والا

کئی مہینے بعد الازہر یونیورسٹی نے عبدالرزاق کو ایک پرائمری طالب علم کی حیثیت سے داخلے کی منظوری دے دی۔ احمد خلیل کے لئے یہ دن اُس کی زندگی کا سب سے زیادہ خوشیوں والا دن تھا۔ وہ بھی کم و بیش عبدالرزاق کی طرح ہی پرجوش تھا۔ کئی ہفتے تک یہ عالم رہا کہ اُسے کام سے فراغت کے بعد جو وقت ملتا وہ بڑے شوق سے عبدالرزاق کے سفر کی تیاریوں میں مصروف رہا۔ عبدالرحمٰن اور انعام اللہ نے اسے اپنے بچوں کے پرانے اور وقت گزرنے پر چھوٹے ہو جانے والے کپڑوں کا ڈھیر لا کر دیا...... اسماء اور میمونہ ان کپڑوں کی دھلائی' مرمت اور انہیں عبدالرزاق کے ماپ کے مطابق بنانے کے لئے بڑی باریک بینی اور احتیاط سے ان کی پیوند کاری میں لگی رہیں۔ عبدالرزاق نے یہ پرانے اور استعمال شدہ کپڑے پہننے میں کوئی عار محسوس نہ کیا' کیونکہ وظیفہ کے لئے جن دیگر طلبا کا انتخاب کیا گیا تھا وہ بھی اس کی طرح ہی غریب تھے۔ انعام اللہ کا تیرہ سالہ بیٹا کریم بھی وظیفہ حاصل کرنے کے بعد اس کے ساتھ ہی جا رہا تھا۔ اس نے عبدالرزاق کی نگہداشت اور حفاظت کی ذمہ داری اٹھانے کا وعدہ کیا۔

جس دن اُسے روانہ ہونا تھا۔ اس سے پہلی رات کو عبدالرزاق کو مارے خوشی کے رات بھر نیند نہ آئی۔ ہر چند لمحے بعد وہ احمد خلیل کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھتا۔ ''کیا ابھی روانہ ہونے کا وقت نہیں آیا''؟

انعام اللہ اور اس کا بیٹا سورج طلوع ہوتے ہی آ گئے۔ دونوں لڑکے اپنی اپنی گٹھڑیاں اور سامان اُٹھائے ہوئے اپنے باپوں کے ہمراہ بسوں کے اڈے کی طرف جا رہے

Marfat.com

تھے۔ احمد خلیل نے عبدالرزاق کو اپنے سینے سے لگا کر بہت مضبوطی سے بھینچتے ہوئے کہا ''اب محنت کرتے ہوئے' جہاں تک ہو سکے علم کے حصول سے لگے رہنا۔ انشاء اللہ العزیز ایک دن تمہارا شمار چوٹی کے علماء میں ہوگا'' لڑکے کا یہ حال تھا کہ وہ معانقے سے نکلنے کے لئے بے قرار تھا۔ اُسے اس علمی سفر کا اتنا اشتیاق تھا کہ وہ معانقہ کے چھوڑنے کا بھی انتظار نہ کر سکا۔ جونہی لڑکے بس میں سوار ہو کر اپنی ٹکٹوں کو ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑے ہوئے اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہوئے۔ احمد خلیل کو دفعتاً خیال آیا کہ میں عبدالرزاق کے بغیر کتنی شدید تنہائی میں مبتلا ہو جاؤں گا' جو الازہر میں تعلیم حاصل کرنے جا رہا ہے اور جہاں سے وہ سال میں صرف ایک بار ماہِ رمضان المبارک کی تعطیلات میں ہی گھر آیا کرے گا...... احمد خلیل کے دل میں اُداسی کے ساتھ' خوشی اور فخر کے ملے جلے جذبات کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ اپنے دوست کے ساتھ کھڑا جاتی ہوئی بس کو دیکھتا رہاحتیٰ کہ یہ سڑک کے نشیب میں نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

☆......☆......☆

Marfat.com

انتیسواں باب

بے بسی کی موت

عبدالرزاق کے قاہرہ جانے کے بعد اسمٰعیل کی بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا۔ احمد خلیل نے اُسے فوج میں بھرتی ہونے اور اپنا مستقبل عسکری دنیا سے وابستہ کرنے کی بہت ترغیب دی۔ اس ترغیب میں دیگر باتوں کے علاوہ ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اُسے اُمید تھی کہ فلسطین کی آزادی کے لئے لڑنے والے چھاپہ مار گوریلا فوج کے دستوں میں شامل رشید کے بیٹوں کے شانہ بشانہ اسمٰعیل میں بھی یہی جذبہ اور روح بیدار ہو گی۔

رشید اپنے بیٹوں کو ان کے بچپن کے آغاز سے ہی فلسطین کے بارے میں بار بار پوری رُوداد سناتا رہتا۔ جہاں تک اُس کا حافظہ ساتھ دیتا تھا اپنے لڑکپن کے ایام کی آپ بیتی اور اپنے خاندان وقبیلہ پر بیتنے والے آلام ومصائب کے حالات اپنے بچوں کے گوش گزار کرتا۔ عراق المنشیا گاؤں کے بارے میں اور جس جنگ نے انہیں جلاوطن کر دیا تھا' اس کی تفصیلات سے وہ بچوں کو شروع سے ہی آگاہ کرتا رہا تھا۔ اُس نے کسی نہ کسی طرح کہیں سے فلسطین کا ایک نقشہ حاصل کر لیا تھا جو اتنا بڑا تھا کہ اس نے پوری دیوار کو ڈھانپ لیا تھا۔ اس نقشے پر نہ صرف معروف شہروں اور قصبوں کے نام درج تھے بلکہ اس میں اُن تمام چھوٹے سے چھوٹے گمنام دیہات کے نام بھی موجود تھے' جو یہودیوں کی تباہ کاری سے پہلے وہاں آباد تھے۔ رشید نے عراق المنشیا کے نیچے سرخ پنسل سے ایک خط کھینچ دیا تھا۔ اگرچہ وہ ان پڑھ تھا لیکن وہ اپنے لڑکپن کے زمانے میں دیکھے ہوئے عراق المنشیا کے گرد ونواح کے دیہات اور دیگر اہم مقامات کی نشان دہی بڑی آسانی سے کر سکتا تھا۔ رشید کے تینوں بیٹوں میں سے کسی نے بھی سکول کی تعلیم میں کوئی پیش رفت نہیں کی

Marfat.com

تھی۔ وہ صرف احمد خلیل کے اصرار پر ہی سکول جاتے رہے تھے۔ اگرچہ انہوں نے قرآن کی کئی لمبی لمبی سورتیں اور احادیث کے طویل اقتباسات زبانی حفظ کر لئے تھے لیکن اُن کا حال تقریباً اَن پڑھوں جیسا ہی تھا۔ وہ کسی دستکاری میں مہارت' کاروبار یا کسی پیشے کی واقفیت کے بغیر ہی پروان چڑھے تھے۔ انہیں تو صرف جہاد سے ہی لگاؤ تھا۔ رشید نے اپنی جوانی کے زمانہ میں فلسطینی فدائین کے ساتھ مل کر اسرائیل کے خلاف جہاد اور یہودی نوآبادی نااہل مُدبار میں جو کار ہائے نمایاں انجام دیئے تھے' ان کی پوری تفصیلات وہ اُن کے سامنے بیان کر چکا تھا۔ اب چونکہ فدائین اپنی گزشتہ نسل سے کہیں زیادہ مضبوط' تعداد میں بہت زیادہ اور اعلیٰ پیمانے پر منظم تھے۔ لہٰذا رشید کے تمام بیٹوں نے فدائین کے دستوں میں شمولیت اور جہاد کے لئے ایک پرزور مطالبہ کرتے ہوئے گویا ایک شور وغوغا مچا دیا۔ لیکن جب اُن کے علم میں یہ بات آئی کہ فدائین کی اکثر تحریکیں مارکس کے سوشلزم اور کمیونزم کے تصورات سے آلودہ ہیں تو وقتی طور پر اُن کا آزادی فلسطین کے لئے لڑنے کا جوش وخروش کم ہو گیا۔ اگرچہ وہ ان پڑھ ہی تھے لیکن کمونسٹوں کے نعروں اور پروپیگنڈے سے انہیں دھوکا نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اُن کے ترکستانی ہمسائے جو رُوسی اور چینی مظالم سے تنگ آ کر یہاں بھاگ آئے تھے۔ انہوں نے کمیونزم کے دہشتناک مظالم کی رودادیں سنا سنا کر اُن کے سامنے اس نام نہاد کمیونزم کا پول پہلے ہی کھول دیا تھا۔ اگرچہ وہ بالکل ان پڑھ تھے اور اخبارات سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے باوجود وہ قریبی کافی ہاؤس میں ریڈیو پر فلسطین کے بارے میں تمام خبرنامے اور تبصرے بڑے شوق سے سنتے۔ آخرکار وہ دن بھی آ گیا کہ وہ اپنے والدین کو خدا حافظ کہتے ہوئے اُن سے الوداع ہوئے۔ اور اخوان المسلمون سے تعلق رکھنے والے دو نوجوان مجاہدوں کے ہمراہ عمان کے بیرونی مضافات میں فدائین کے ایک ایسے تربیتی کیمپ کے لئے روانہ ہو گئے جس کا تمام عمل دخل اور اختیارات اخوان المسلمون کے ہاتھ میں تھے۔

احمد خلیل یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا کہ ایک نسل گزرنے کے باوجود ان نوجوانوں کی فلسطین سے وابستگی کتنی شدید ہے۔ حالانکہ فلسطین ان کے لئے ایک ایسا ملک تھا جس کی سرزمین کو انہوں نے دیکھا تک نہ تھا۔

اُسے اس بات کا بہت افسوس تھا کہ میں تو اس کارنامہ کو انجام دینے میں ناکام رہا ہوں' لیکن رشید نے اُسے پورا کر دکھایا تھا۔

Marfat.com

وہ اپنے بیٹے سے کہتا ''اے اسمٰعیل! دن بدن یہودی فلسطین میں ہماری زمینیں غصب کرتے جا رہے ہیں۔ آئے دن ہمارے لوگوں کو قتل کرتے رہتے ہیں اور ہمارے بھائی بندوں کو اذیت دیتے ہوئے ان پر روز افزوں مظالم ڈھا رہے ہیں اور اس سے قبل وہ یروشلم میں ہمارے مقدس مقامات اور ہبرون میں مسجد ابراہیم الخلیل پر بھی قبضہ کر چکے ہیں۔ وہ ان غصب شدہ مقامات کو یہودی عبادت گاہوں میں تبدیل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اُنہوں نے مسلمانوں کو ان مساجد میں عبادت کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اگر تم رشید کے بیٹوں کے شانہ بشانہ یہودیوں کے خلاف جہاد نہیں کرو گے تو کوئی بعید نہیں کل کلاں وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے تل ابیب سے اپنے ہوائی جہاز بھیج دیں؟''

اسمٰعیل نے اپنے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا ''ابا جان! کیا آپ اس موضوع پر باتیں کرنا کبھی بند بھی کریں گے یا نہیں؟ اگر ہم عرب لوگ آپ کی طرح سوچنے کے بجائے حقائق کا سامنا کریں تو ہم یہودیوں کے ساتھ تعلقات قائم کرتے ہوئے اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔''

''اسمٰعیل! تو پھر آئندہ زندگی میں تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟''

اسمٰعیل نے جواب میں کہا۔ ''میں کام کی تلاش میں جدہ جا رہا ہوں۔ یہاں رہ کے بھی کیا کرنا ہے؟ یہ تو اتنی بے کیف اور افسردہ کرنے والی جگہ ہے کہ یہاں تو صرف قبرستان جیسی خاموشی اور سناٹا ہی نظر آتا ہے''۔

''اسمٰعیل! اب تم بچے نہیں ہو۔ تمہیں خود اپنے برے بھلے کا فیصلہ کرنا چاہیے''

''ابا جان! رفیق بھی میرے ساتھ جا رہا ہے۔ ہم اکٹھے وہاں کام تلاش کریں گے۔''

رشید کے بیٹوں نے جب سے اخوان المسلمون کے فدائین گروپ میں شمولیت اختیار کی تھی۔ اس کے بعد سے رشید کو اُن کے خطوط صرف اسی وقت موصول ہوتے تھے جب کبھی اُن کے فدائین ساتھی اُنہیں خط لکھنے کی فراغت اور مہلت دیتے۔ احمد خلیل یہ خطوط اُونچی آواز میں پڑھ کر اپنے چچا زاد بھائی کو سناتا۔ یہ خطوط اُس کے لئے گہری دلچسپی کا باعث تھے اور وہ رشید پر زور دیتا کہ ان خطوط کو بے احتیاطی سے کہیں گم کرنے' ضائع کرنے یا اِدھر اُدھر پھینکنے کے بجائے انہیں طاق میں پڑے ہوئے صندوق میں میرے والد کے خطوں کے ساتھ ہی سنبھال کر رکھے۔ ایک روز احمد خلیل شہر کے روزانہ اخبار کے صفحۂ اوّل پر رشید کے بیٹوں کی تصاویر دیکھ کر حیران رہ گیا' جس میں دُشمن کے دُور دراز

Marfat.com

علاقے میں اُن کے کامیاب چھاپہ مار حملوں کے بعد واپسی کی تفصیل درج تھی۔ جب احمد خلیل نے یہ تصویر اپنے چچازاد کو دکھائی تو اُس کا چہرہ فخرومسرت سے چمک اُٹھا۔تصویر میں تین صحت مند گھبرو جوان پورے جنگی لباس میں ایک مشین گن کے پاس اکڑوں بیٹھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اُنہوں نے اپنے سیاہ فام چہروں پر کافیے اتنی مضبوطی سے کس کر باندھ رکھے تھے کہ صرف اُن کی سیاہ عقابی آنکھوں کی جھلک ہی دکھائی دیتی تھی۔

پھر اچانک ایک دن اُسے اسمٰعیل کا خط ملا۔ اسمٰعیل اور رفیق کو ایک امریکن کی ملکیت کوکا کولا بوتلوں کی فیکٹری میں کام مل گیا تھا۔ احمد خلیل لفافے میں اتنی بڑی رقم کا چیک دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس سے پہلے اُس نے اپنی زندگی میں یکبارگی اتنی زیادہ رقم نہیں دیکھی تھی، جس کا وہ صرف تنہا مالک ہو۔ یہ بات واضح تھی کہ اسمٰعیل اور رفیق نے صرف ایک ماہ میں ہی اتنا کما لیا تھا کہ جو اُس کی سال بھر کی کمائی سے بھی کہیں زیادہ تھا۔ اس رقم سے اُس نے مزید اناج اور خوراک کا سامان خریدا۔ اسماء کو نئے چمکدار کپڑوں کے جوڑے لے کر دیئے جس سے وہ خوش ہو گئی اور اپنے لئے چمڑے کے مضبوط چپل خریدے۔ بقایا رقم اُس نے عبدالرزاق کو بھیجنے کا فیصلہ کیا تا کہ وہ اپنی ضرورت کی کتابیں خرید سکے۔ اُس نے اپنے والد کو خط لکھا جس میں انتہائی جوش وخروش سے اس بات کا ذکر کیا کہ اسمٰعیل اور رفیق کو فیکٹری میں کام مل گیا ہے اور عبدالرزاق ابھرواں (بریل) کتابوں کی مدد سے لکھنا پڑھنا سیکھ رہا ہے...... اُس کے والد کے خطوط کسی حد تک اُس کی تنہائی کے غم کا مداوا کرتے لیکن وہ سب سے بڑھ کر رمضان کی آمد کے انتظار میں دن گنتا کہ جب تعطیلات میں عبدالرزاق کی گھر میں آمد ہوتی۔ یونیورسٹی میں عبدالرزاق کی حاصل شدہ کامیابیوں اور خوشیوں کو دیکھ کر وہ باغ باغ ہوتا اور گھر میں گویا ایک جشن کا سماں ہو جاتا۔

لیکن تعطیلات کے بعد عبدالرزاق کو رخصت کرنے کے لمحات اس کے لئے انتہائی غم انگیز ہوتے کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اب پورے ایک سال کے بعد رمضان کی تعطیلات میں ہی پھر عبدالرزاق سے ملاقات ہو سکے گی۔

عبدالرزاق کی روانگی کے بعد احمد خلیل اتنی شدید تنہائی محسوس کرتا کہ اُس کی بیوی، اُس کے چچازاد بھائی اور دوستوں کی موجودگی بھی اس کی تلافی نہ کر سکتے۔ بچوں کے بغیر بالکل خالی گھر کاٹ کھانے کو آتا۔ احمد خلیل اس غمِ تنہائی کو بھلانے کے لئے باغ میں

Marfat.com

پہلے سے کہیں زیادہ سخت محنت سے کام کرتا۔ پھولوں کلیوں کو کھلتے اور کھجور کے درختوں کو نشوونما پاتے دیکھ کر خوشی محسوس کرتا۔

اسی طرح وقت کا پہیہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا اور گزرتے ہوئے ایام ماضی کا حصہ بنتے گئے۔ حتیٰ کہ وہ وقت بھی آ گیا کہ اخبارات عرب اسرائیل کی تیسری اور حالیہ جنگ کی خبروں اور اس کے ممکنہ نتائج وعواقب اور امکانات کے تبصروں سے بھرے ہوئے نظر آنے لگے۔ احمد خلیل غزہ پر اسرائیل کے قبضہ کرنے کے بعد اپنے والد کو دشمنوں کی قید میں پھنس جانے کے انجام کا تصور کرتا اور اسی پریشانی اور کرب میں ساری ساری رات نہ سو سکتا اور جب اُس کے والد کی طرف سے کوئی نامہ و پیام موصول نہ ہوا تو اُس کی گھبراہٹ اور پریشانی بڑھتے ہوئے اور بھی شدید ہو گئی۔ ہر روز جب ڈاکیہ اس کے ہمسایہ اور گردوپیش کے علاقے میں ڈاک تقسیم کرنے کے لئے آتا تو وہ انتہائی بے قراری کے عالم میں اُس کا انتظار کرتا۔ اور جب ڈاکیے سے اُسے اپنے والد کا کوئی خط نہ ملتا تو اُس کے دل میں مایوسی کی لہر دوڑ جاتی۔ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے اُسے پچیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چلا تھا اور اُس وقت سے لے کر اب تک ملک وہاب اُسے ہر مہینے میں ایک دو بار خط لکھنا نہیں بھولا تھا۔ احمد خلیل نے اپنے والد کے تمام خطوط کو الگ الگ گٹھوں میں ڈوری سے باندھتے ہوئے ایک صندوق میں سنبھال کر انتہائی احتیاط سے محفوظ کرنے کے بعد اس صندوق کو ایک بلند طاق پر رکھ دیا تھا۔

چار ماہ کے تعطل کے بعد اُسے تین خطوط ملے جو کئی ہفتوں کی تاخیر اور سخت سنسرشپ کے بعد یہاں پہنچے تھے۔ ان خطوط سے غزہ شہر کی جو تصویر سامنے آئی اُس سے معلوم ہوتا تھا کہ غزہ اب شہر کے بجائے قیدیوں کے ایک خوفناک کیمپ میں بدل چکا ہے۔ جہاں مسلسل دھمکیاں' کئی کئی ہفتوں کے طویل کرفیو' آدھی رات کے وقت خانہ تلاشیاں' فدائین کو پناہ دینے کے شبہ میں طاقتور دھماکہ خیز بارود سے گھروں کو اُڑاتے ہوئے تباہ و برباد کر دینا' ظالمانہ گرفتاریاں' سفاکانہ قید' اور مسلمانوں کے عام مجمعوں کو گولیوں سے بھون دینا یہ سب کچھ روزمرہ کے معمولات بن چکے ہیں۔ سکول میں اسرائیلی حکام نے تمام کتابیں ضبط کرتے ہوئے صرف تل ابیب کے اربابِ اقتدار کی طرف سے شائع شدہ نصابی کتب کو رائج کر دیا تھا۔ اس لئے ملک وہاب نے اب تمام نئی کتب کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اور صرف تختہء سیاہ کی مدد سے اپنی کلاسوں کو پڑھانے کا طریقہ اختیار کر لیا۔ احمد خلیل نے

Marfat.com

اپنے والد کے ساتھ تمام اختلافات کو بھلاتے ہوئے اُسے دل سے معاف کرنے کے بعد' اُسے مدینہ میں اپنے پاس بلانے کی کوشش کی۔ حالانکہ اُس کے والد کا ناروا سلوک اُس کے لئے جوانی کے زمانہ میں بہت تکلیف دہ تھا اور والد سے اُس کا تعلق صرف خونی رشتہ کی وجہ سے قائم رہ گیا تھا۔ اتنا وقت گزرنے کے بعد بھی یہ تلخ یادیں اُس کے ذہن سے محو نہ ہونے پائی تھیں۔ فاصلوں' دوریوں اور گہرے اختلافات کے باوجود احمد خلیل نے انتہائی مضطربانہ انداز میں اپنے والد سے درخواست کی کہ وہ جان بچا کر سرحد عبور کرتے ہوئے مدینہ میں اُس کے پاس آجائے لیکن اُس کا والد بھی ہٹ کا اتنا پکا تھا کہ اُس نے آنے سے ہمیشہ انکار ہی کیا۔ اس جواب پر احمد خلیل کا ردِعمل خوف اور پریشانی پر مبنی تھا۔ حالانکہ وہ اپنے دل میں اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ میں اور ابا اپنے اپنے خیالات اور طبائع کے اختلاف کے باعث اکٹھے زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے والد کی سلامتی اور زندگی کا خواہاں تھا اُس کی دلی آرزو تھی کہ غزہ کے پرآشوب حالات میں اُس کے والدا کی جان بچ جائے۔ ملک وہاب نے اپنے خط میں لکھا کہ تمہاری پیشکش پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مجھے یہاں رہ کر سکول کو چلانے کا فریضہ انجام دینا چاہیے اور طلبہ کو ممکنہ حد تک یہودی اثرات سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس کے بعد مزید چھ مہینے خط و کتابت کے بغیر خاموشی سے گزر گئے۔ آخرکار جب احمد خلیل کو خط موصول ہوا تو اُسے یہ جان کر دھچکا سا لگا کہ یہ نیا خط غزہ سے نہیں آیا بلکہ اس پر عمان کے ڈاکخانے کی مہر لگی ہوئی ہے اور لفافے کے باہر سرنامہ کی لکھائی بھی اُس کے والد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں تھی۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے جب اُس نے لفافہ کو چاک کرتے ہوئے کھولا تو اُسے معلوم ہوا کہ یہ اُس کے چچا منصور کی جانب سے لکھا گیا ہے۔ جونہی اس نے یہ خط رشید کو پڑھ کر سنایا تو وہ صدمے کے مارے نڈھال ہو کر گرتے گرتے بچا۔

''...... چونکہ میں خود پڑھ لکھ نہیں سکتا اس لئے میں یہ خط عمان کی گلیوں میں بیٹھنے والے ایک عام خطوط نویس منشی سے لکھوا رہا ہوں......

جب سے یہودیوں نے غزہ پر قبضہ کیا ہے یہاں زندگی عذاب ہو گئی ہے۔ زیرِ زمین تحریکِ مزاحمت کی کارروائیوں کا انتقام لینے کے لئے پناہ گزینوں کے کیمپوں اور دیہات پر ہوائی جہازوں سے نیپام بم برسائے گئے۔ میرے بھائی کی جماعت میں پڑھنے

Marfat.com

والے بہت سے بچے اس بمباری میں مارے گئے۔ باقی ہسپتال میں زیرِ علاج ہیں۔
ملک وہاب کو اسرائیلیوں نے بار بار خبردار کیا کہ اگر تم نے ہمارے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق طلبہ کو نہ پڑھایا تو سکول بند کر دیا جائے گا۔ تاہم اُس نے آخری چارۂ کار کے طور پر کسی نہ کسی طرح پناہ گزینوں کے کیمپ سے خصوصی اجازت حاصل کی اور سکول کی ضروریات کی اشیاء و سامان خریدنے کے لئے شہر چلا گیا۔ واپسی پر جب وہ ایک بڑی سڑک کو پار کر رہا تھا تو شراب کے نشے میں دُھت یہودی فوجیوں کی ایک جیپ نے اُسے کچل کر رکھ دیا۔ اور وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا۔ جب میں نے اس کی شکایت کی تو بہت سے یہودی فوجی آئے اور اُنہوں نے مجھے بری طرح زدوکرب کرنے کے بعد اسلحہ و ہتھیاروں کے شبہ میں میرے کمرے کی تلاشی لی۔ جب اُنہیں کچھ بھی نہ ملا تو وہ میرا سارا سامان اور کپڑے وغیرہ بھی لے گئے۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور کچھ دوستوں' مہربانوں کا تعاون تھا کہ میں نے بحفاظت اُردن کی سرحد عبور کر لی۔ اب میں بڑھاپے کی اس منزل پر ہوں کہ میں کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اب میں بالکل تنہا رہ گیا ہوں۔ مجھے کچھ پتہ نہیں آتا کہ مستقبل میں میرا کیا ہو گا......''

احمد خلیل نے فوری طور پر خط کے جواب میں لکھا کہ میرے اور رشید کے لئے اس سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی خوشی نہیں ہو گی کہ آپ ہمارے پاس آ جائیں اور ہم پھر آپس میں مل جل کر یہاں رہیں۔ اپنے پاس آنے کی پرزور تاکید کرتے ہوئے اس نے وہ تمام رقم اکٹھی کی جو اسمٰعیل اور رفیق نے حالیہ خط کے بعد ارسال کی تھی۔ یہ تمام رقم ایک بیرون ملک بھیجے جانے والے منی آرڈر کے ذریعے احمد خلیل نے اپنے چچا کے نام ارسال کر دی تا کہ وہ طویل سفر کے اخراجات اور کرایہ وغیرہ ادا کر سکے۔ منصور کی آمد کے بعد احمد خلیل اور رشید کو بے پناہ خوشی ہوئی کہ پچیس سال کے طویل عرصے کے بعد اُنہیں آپس میں ملنا نصیب ہوا تھا۔ لیکن احمد خلیل کو یہ دیکھ کر دھچکا سا لگا کہ وقت گزرنے کے ساتھ اُس کا چچا انتہائی کمزور اور ناتواں ہو گیا تھا اور ضعیفی سے اس کی کمر جھک گئی تھی۔

اسمٰعیل باقاعدگی سے رقم بھیجتا رہا۔ احمد خلیل کی زندگی میں پہلی بار فراغت اور خوشحالی کا دور آیا تھا' لیکن احمد خلیل کو اب بھوک نہیں لگتی تھی۔ اب وہ پہلے کی طرح سخت مشقت کا کام نہیں کر سکتا تھا بلکہ تھوڑے سے کام کے بعد ہی فوراً تھک جاتا۔ سہ پہر کے وقت اُسے روزانہ بخار ہو جاتا اور راتوں کو کھانسی کے طویل دورے پڑتے۔ ایک دن صبح

Marfat.com

کے وقت جب وہ باغ میں کام کر رہا تھا تو اس نے خود کو اتنا کمزور محسوس کیا کہ کام جاری رکھنا مشکل ہو گیا۔ بڑی مشکل سے وہ گرتا پڑتا مسجد میں پہنچا جہاں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا اور وہ نڈھال ہو کر مسجد کی چٹائی کے بچھے ہوئے فرش پر دھڑام سے گرا اور بے ہوش ہو گیا...... اُسے بالکل خبر نہیں کہ وہ یہاں کتنی دیر تک یوں ہی پڑا رہا' کہ اُس نے ایک نرم اور مہربان بازو کا لمس محسوس کیا جو اُسے اُٹھانے میں مدد دے رہا تھا۔ اُس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا میں سارا دن ہی یہاں بے ہوش پڑا رہا ہوں؟ مدھم روشنی میں اسے اپنی بیوی کا چہرہ دکھائی دیا جس پر تشویش اور پریشانی چھائی ہوئی تھی۔

اسماء نے کہا ''آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ آپ اتنے زیادہ بیمار ہیں؟ میں تو پہلے ہی آپ کے بارے میں بہت فکر مند تھی' کیونکہ آپ ایک طویل عرصہ سے بیمار نظر آتے تھے۔'' وہ بڑی مشکل سے اُس کا سہارا لے کر کھڑا ہوا تو اسماء بولی ''آیئے اب آپ کو گھر جا کر آرام کرنا چاہیے''۔

☆......☆......☆

Marfat.com

تیسواں باب

ہسپتال یا بوچڑ خانہ

سرد مہری اور ایک طویل خاموشی کے عالم میں اسمٰعیل دروازے میں کئی لمحات تک کھڑا رہا اور جب اس نے اپنے والد کی بخارزدہ آنکھوں کو غور سے دیکھا تو اس کے چہرے پر گھبراہٹ اور تشویش چھا گئی۔ اپنی والدہ اور رشید کی موجودگی میں اس نے شش و پنج کے عالم میں خود کو اتنا اوپرا اور بیگانہ محسوس کیا کہ اُسے دروازے کی دہلیز عبور کرتے ہوئے اندر آنے کی جرأت تک نہ ہوئی۔ گزشتہ تین سالوں میں گھر سے دور جدہ میں رہتے ہوئے وہ ایک اور ہی طرح کے نئے طرزِ زندگی کا خوگر ہو چکا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میں اپنے نقطۂ نظر اور اُفقِ زندگی میں ایک لامحدود وسعت سے آشنا ہوں اور اب تو وہ اپنی گزشتہ ''تنگ'' ''محدود'' اور ''پابند'' زندگی کے احساس سے بھی عاری تھا۔ یہ تو ایک ناگہانی قسم کی صورتِ حال تھی جو اسے یہاں لے آئی تھی۔

''ابا جان! مجھے آپ کے دوست عبدالرحمٰن کا تار موصول ہوا کہ آپ مسجد کے باغ میں کام کرتے ہوئے غش کھا کر گر پڑے تھے...... یہ سن کر مجھے اچانک آنا پڑا۔ لیکن جدہ سے روانہ ہونے سے قبل' جس فیکٹری میں میں کام کرتا ہوں' میں نے فیکٹری سے ملحقہ کلینک کے ڈاکٹر سے آپ کا معائنہ اور علاج کروانے کی بات کر لی ہے۔''

احمد خلیل محض حیرت کے عالم میں اس کا منہ ہی تکتا رہا۔ وہ اسمٰعیل کو بمشکل ہی پہچان پایا۔ آج سے کئی سال پہلے اس کا اپنا باپ ملک وہاب بھی بالکل اسی طرح فرنگی لباس میں کتنا اجنبی' بھدا اور بدصورت دکھائی دیتا تھا۔

''میرے بیٹے! کیا یہ اتنا ہی کافی نہیں تھا کہ تم امریکیوں کے لئے کام کرتے

Marfat.com

ہو؟ کیا یہ ضروری تھا کہ اُن کی وضع قطع اختیار کرتے ہوئے تم بھی بالکل ان جیسے نظر آنے لگو؟''

اسمٰعیل بولا ''یہ وہی لباس ہے جو فیکٹری میں ہم تمام لوگ پہنتے ہیں۔ وہاں لمبی عبائیں پہننا منع ہے کیونکہ یہ مشینری سے الجھ جاتی ہیں۔ اچھا! تو آپ نے اُن پیسوں کا کیا کیا' جو میں نے آپ کو بھیجے تھے؟''

ملک وہاب نے جواب دیا ''وہ میں نے عبدالرزاق کو بھیج دیئے تاکہ وہ یونیورسٹی میں اپنی ضرورت کی کتابیں خرید سکے''۔

اسمٰعیل اندر ہی اندر غصہ سے کھولتے ہوئے گویا جوالا مکھی بن گیا۔ وہ تو رُوئے زمین پر بسنے والی ہر ذی روح مخلوق کی نسبت اپنے منہ بولے بھائی عبدالرزاق کو سب سے زیادہ حقیر سمجھتا تھا۔ اگرچہ عبدالرزاق صرف ماہِ رمضان المبارک کی تعطیلات میں الازہر سے گھر آتا تھا لیکن اسمٰعیل کو یوں لگتا تھا کہ اس کے باپ کو اپنے متبنیٰ بیٹے کے سوا کسی اور کا دھیان ہی نہیں ہے''۔

''کیا میں نے آپ کو لکھا نہیں تھا کہ اپنے لئے عمدہ لباس اور جوتوں کا ایک جوڑا خرید لیں؟''

احمد خلیل غصے کے مارے آگ بگولا ہو گیا اور طیش کے عالم میں اس کی آواز بلند ہوئی۔ ''ایک بیٹے کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ باپ کو اپنی مرضی پر چلنے کے لئے کہے! میں بوٹ لے کر کیا کروں گا۔ میرے پاؤں تو تمام عمر بوٹوں سے آشنا نہیں رہے' جو چپل میں نے خریدی ہے' بہت اچھی ہے اور میرے لئے وہی کافی ہے''۔

''اب ہم کوئی غریب غربے تو نہیں رہے۔ آپ کو کم از کم عمدہ لباس کا ہی خیال رکھنا چاہیے۔ مجھے تو اس بات سے بہت شرم آتی ہے کہ میرے باپ کے بوسیدہ لباس کے سبب اسے غلطی سے کوئی بھکاری سمجھ بیٹھے''!

اپنے باپ کے چہرے پر گہرے دکھی تاثرات دیکھ کر اسمٰعیل معاً نادم ہو گیا۔ ''مجھے معاف کر دیجئے ابا جان! اصل میں میرا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا۔ کیا آپ جانے کے لئے تیار ہیں' اگر ہم ہسپتال میں بروقت داخلہ کے لئے جدّہ پہنچنا چاہتے ہیں تو ہمیں ابھی سے روانہ ہو جانا چاہیے''۔

رشید اُٹھا اور اس نے اپنے چچا زاد کا ہاتھ مضبوطی سے تھامتے ہوئے بڑی محبت

Marfat.com

سے کہا ''اگر تم گئے تو میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ میں وہاں تمہاری دیکھ بھال کیا کروں گا''

اسمٰعیل نے فوری طور پر بے صبری کے انداز میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''آپ کا جانا کوئی ضروری تو نہیں' کیونکہ آپ کوئی ڈاکٹر ہیں نہ نرس''۔

اسماء اپنے سینے پرونے کے کام کو ذرا چھوڑ کر اپنے بیٹے کو گھور کر دیکھتی رہی۔ اس کے لئے اسمٰعیل اتنا ہی اجنبی تھا جتنا کہ اس کے شوہر کے لئے...... وہ اس پر اعتماد کرنے کو قطعی تیار نہیں تھی۔ وہ اس کے خود پسندانہ اور غرور تکبر پر مبنی طور طریقے اور اس کی آواز کا مصنوعی عاجزی والا لب ولہجہ پسند نہیں کرتی تھی۔ تاہم اس نے بڑے ٹھہراؤ کے انداز میں کہا ''آپ کو اپنے بیٹے کی پیشکش کو ٹھکرانا نہیں چاہیے۔ اور میری بھی سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ آپ پہلے کی طرح پھر توانا اور صحت مند ہو جائیں' میں اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتی۔''

احمد خلیل نے اس پر احتجاج کرنا چاہا۔ لیکن جب اس نے اپنی بیوی کی التجا بھری' آنسوؤں سے چمکتی ہوئی شفاف آنکھیں دیکھیں تو اس کی مزاحمت دم توڑ گئی۔

☆......☆......☆

جدہ اس پرانے شہر کی نسبت کہیں زیادہ پرشور ہنگامہ خیز اور کئی گنا بڑھ گیا تھا' جسے اس نے آج سے پچیس سال سے بھی زیادہ عرصہ قبل حج کے ابتدائی ایام میں دیکھا تھا۔ پرانی پر پیچ' بل کھاتی ہوئی گلیاں ختم ہو چکی تھیں۔ اور دس سال سے بھی کچھ کم عرصہ میں یہ ایک مشرقی شہر سے مغربی شہر میں ڈھل چکا تھا۔ پرانی عمارتیں تقریباً تمام کی تمام ڈھائی جا چکی تھیں۔ ماسوائے ان پیدل چلنے والے لوگوں کے مناظر کے پیشِ نظر جن میں اکثر ابھی تک اپنا روایتی عرب لباس پہنے ہوئے تھے' تقریباً تمام شہر ہی یورپ اور امریکہ کے شہروں کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔ سیدھے کشادہ بازار' جن میں بے ہنگم سی بلندی والے اُوپر اُٹھتے ہوئے فلیٹوں' دفتروں اور دکانوں کی قطاریں انتہائی بے کیف کرخت اور شیشے کے ڈبوں کی مانند دکھائی دے رہی تھیں۔ ان بازاروں میں چمکدار امریکی کاروں' بسوں اور ٹرکوں سے ٹریفک جام ہو گئی تھی۔ ان کشادہ بازاروں میں اُونٹ کہیں بھی دکھائی نہ دیا کیونکہ حکام نے اسے حقیر اور شرمناک ''پسماندگی'' کی علامت سمجھتے ہوئے تمام بڑی بڑی سڑکوں اور عام شاہراہوں پر اس کے داخلے پر پابندی لگا دی تھی۔

Marfat.com

اسمٰعیل نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔ ''لیجئے اب ہم یہاں پہنچ ہی گئے''

کمپنی کے کلینک میں احمد خلیل کو اپنی باری کے لئے کئی گھنٹے انتظار کرنا پڑا' لیکن اُس نے اس کا برا نہ منایا۔ پھر دفتر کا دروازہ کھلا' ایک گنجا لیکن سرخ و سفید آدمی سفید کوٹ پہنے ہوئے نمودار ہوا۔ وہ اس کی طرف آیا اور اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا ''مہربانی کر کے اسی برآمدے میں سیدھے میرے پیچھے پیچھے چلتے آیئے۔''

کمرے میں ایک نرس کھڑی تھی۔ ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کرنا چاہا۔ لیکن احمد خلیل نے کہا کہ جب تک یہ عورت کمرے سے نہیں جائے گی' میں معائنہ نہیں کراؤں گا۔ ڈاکٹر نے نرس کو کمرے سے چلے جانے کا حکم دیا۔ پھر بھی احمد خلیل کو ایک اجنبی کے سامنے اپنا جسم کھولتے ہوئے عجیب قسم کی اُلجھن اور جھجک محسوس ہو رہی تھی...... اور ڈاکٹری کے آلاتِ جراحی وغیرہ نے تو اسے اور بھی خوفزدہ کر کے رکھ دیا۔

''یہ کیا ہے؟''

''یہ''! ڈاکٹر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ''ایکسرے مشین ہے'' ہم تمہاری چھاتی کا ایکسرے لے رہے ہیں۔ اب تم مضبوطی سے ایک جگہ پاؤں جما کر کھڑے ہو جاؤ...... یہ تمہیں بالکل کوئی ضرر نہیں پہنچائے گی۔''

آخر ڈاکٹر نے احمد خلیل سے کہا کہ اب آپ کپڑے پہن سکتے ہیں۔ اُسے کمرے سے باہر بھیجنے کے بعد ڈاکٹر نے اسمٰعیل سے کہا 'تمہارے والد کو تپدق ہے'' بیماری کافی حد تک بڑھ چکی ہے لیکن مایوس ہونے والی کوئی بات نہیں۔ آج کل تو ہم نئی دواؤں اور جراحت کے جدید طریقوں سے بیمار سے بیمار مریضوں کا حیرت انگیز اور معجزنما علاج کر رہے ہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھو کہ تمہارے والد کے لئے ایک طویل علاج کی ضرورت ہے......''

اسمٰعیل نے کہا کہ ''میں یہاں فیکٹری میں فورمین ہوں۔ علاج کے اخراجات کے لئے میری تنخواہ کافی ہے۔''

ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا ''اس کی ضرورت نہیں پڑے گی...... اب سعودی عرب ایک جدید فلاحی مملکت بن چکا ہے۔ علاج معالجے کے لئے تمام طبی سہولیات حکومت مفت مہیا کرتی ہے۔ اس بارے میں تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس امریکی ہسپتال میں تمہارے والد کو نہایت بہتر طبی سہولیات مہیا کی جائیں گی''۔

Marfat.com

اس کے بعد جو واقعات پیش آئے وہ احمد خلیل کے لئے اتنے حیران کن تھے کہ یہ اسے کسی ڈراؤنے خواب کا حصہ ہی معلوم ہوتے تھے۔ معاً اس نے خود کو ایک ٹائلوں والے کمرے میں پایا۔ نقش و نگار سے مزین ایک سفید ٹب دیوار سے ملحق اس طرح بنا ہوا تھا کہ گویا دیوار ہی سے نمودار ہوا ہے۔ اس میں نیم گرم پانی کی ایک رو لگاتار بہہ رہی تھی۔ ٹونٹی سے زور دار بہاؤ کے ساتھ نکلنے والے پانی کی دھاروں کے اس منظر نے احمد خلیل کو اتنا مبہوت کر دیا کہ گویا اسے ہپناٹائز کر دیا گیا ہو۔ جب آدھا ٹب بھر گیا تو نرس نے دفعتاً ٹونٹی کو بند کر دیا۔

''اب اپنے کپڑے اتارو اور اس پانی میں داخل ہو جاؤ۔'' اس نرس نے بہت بھدی عربی بولتے ہوئے ایک نامانوس اجنبی لہجے میں گویا اسے حکم دیا۔

ایسا غسل احمد خلیل نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ وہ حیران ہو رہا تھا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں جو اپنے ہی گندے کیے ہوئے پانی میں نہا لیتے ہیں؟ وہ اس بات کا انتظار کرتا رہا کہ نرس کمرے سے چلی جائے۔ لیکن وہ تو کولھوں پر ہاتھ رکھے اسی جگہ یوں کھڑی رہی جیسے کہ زمین میں گڑ گئی ہو۔

''اچھا اب جلدی کرو' تا کہ میں تمہیں نہلا سکوں''۔

اس کے ردِّعمل میں احمد خلیل نفرت بھری نگاہوں سے اس کے سنہری بالوں اور بھورے تلوں کو گھور گھور کر دیکھتا رہا' جنھوں نے اس کے سپاٹ گلابی چہرے کا ستیاناس کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ اپنے جسم پر اس غیر محرم عورت کے ہاتھ لگنے کی نسبت اس بات کو ترجیح دیتا تھا کہ اس منحوس گھڑی سے پہلے میں اس کو اپنے ہاتھوں قتل کر دوں یا مجھے موت آ جائے۔

اس کے فوراً بعد تقریباً نصف درجن لڑکیاں جو دراصل زیرتربیت نرسیں تھیں' کمرے میں آ دھمکیں۔

ان میں سے ایک نے انگریزی میں پوچھا کہ ''کیا گڑ بڑ ہے؟''

یہ صاحب اپنے کپڑے اتارنے پر آمادہ نہیں اور اس سلسلے میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔''

یہ سن کر تمام کی تمام لڑکیاں کھلکھلا کر ایک کھسیانی ہنسی ہنس دیں۔

شدت غضب اور وفورِ شرم سے احمد خلیل کے تن بدن میں گویا آگ لگ گئی۔

Marfat.com

اس نے اپنے دانت زور سے بھینچ لئے' اس کا رنگ سفید پڑ گیا۔ لیکن کمرے میں موجود ان نرسوں کی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے ایک بھی کمرے سے باہر نہیں گئی۔

اُسی پہلی نرس نے کہا "اب یہ جراثیم کش دوا کی بوتل لو اور اس کے سر کو اچھی طرح دھو ڈالو...... اگر اس کے سر میں جوئیں پڑی ہوئی ہوں تو میرے نزدیک یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہو گی۔

احمد خلیل کو جس کمرے میں رکھا گیا۔ اس میں مریضوں کے لئے چار بستر لگے ہوئے تھے۔ تین خالی تھے اور چوتھے پر ایک چھوٹا سا بچہ براجمان تھا جس کی عمر بمشکل پانچ سال ہو گی۔ احمد خلیل ذہنی کوفت کے مارے اتنا نڈھال ہو چکا تھا کہ اسے بچے کی طرف توجہ دینے کا خیال ہی نہ رہا۔ اس نے لیٹتے ہوئے آرام کرنے کی کوشش کی۔ لیکن چارپائی کی چوڑائی انتہائی کم تھی' جس کے سبب بستر انتہائی تکلیف دہ تھا۔ اور ہر لحظہ یہی خوف اس کے سر پر سوار رہا کہ گویا وہ ابھی بستر سے نیچے گر پڑے گا۔

پھر ایک مانوس آواز نے اسے چونکا دیا۔

یہ اسمٰعیل تھا جو ہدایات دینے کے انداز میں اسے کہہ رہا تھا۔ "ابا! جس طرح یہاں آپ سے کہا جائے اسی طرح ہر بات میں ان کی ہدایات پر عمل کریں گے تو آپ بہت جلد اچھے ہو جائیں گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ روزانہ آپ سے ملنے آیا کروں گا۔"

اسمٰعیل کے جانے کے بعد تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک نرس انواع و اقسام کے کھانوں سے بھرا ہوا ایک طشت لے کر کمرے میں آئی۔ یہ کھانے اس کے لئے اتنے مرغوب کن تھے کہ بھوک سے اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ بڑے اشتیاق سے اس نے گوشت کا ایک بڑا ٹکرا اُٹھایا۔ لیکن ابھی وہ اسے چکھ بھی نہیں پایا تھا کہ نرس نے یہ اس سے لے کر واپس پلیٹ میں رکھتے ہوئے ایک چھری کانٹا اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ اس دندانے دار چیز کو نہایت افسردگی سے دیکھنے لگا کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ کیا چیز ہے؟

نرس نے اسے جھاڑ پلاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اس کے متعلق اچھی طرح معلوم ہو جانا چاہیے۔ ہمارے ہاں مریضوں کو یہاں اپنی انگلیوں سے کھانا کھانے کی اجازت نہیں ہے۔

احمد خلیل نے بے تکے پن سے چھری کانٹا تو پکڑ لیا لیکن گوشت کا ٹکڑا منہ تک

Marfat.com

لے جانے سے پہلے ہی نیچے گر پڑا اور یخنی تمام کی تمام بستر کی سفید چادروں پر گر گئی۔

نرس غصے میں چیختی ہوئی بولی۔ ''تم تو ایک بچے سے بھی گئے گزرے ہو' تمہیں کھانا کھلانے کا کام بھی مجھے ہی کرنا پڑے گا۔''

احمد خلیل نے کھانے کی ٹرے کو پرے دھکیل کر اپنا چہرہ دیوار کی طرف کر لیا اور سسکی بھرے انداز میں کہا ''تم یہاں سے چلی جاؤ اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو''

اس نے چادر اپنے گرد لپیٹ کر خود کو بالکل اچھی طرح ڈھانپ لیا۔ جب بھی کوئی نرس اس طرف آ نکلتی تو وہ اپنا چہرہ بھی چادر میں چھپا لیتا۔ وہ ان نوجوان عورتوں اور لڑکیوں کو ان کے نیم برہنہ اور فحش لباسوں میں دیکھنے کا روادار نہیں تھا...... اور نہ ہی وہ یہ چاہتا تھا کہ یہ بلائیں اسے دیکھیں۔

رات ہو گئی۔ کئی گھنٹے یکے بعد دیگرے گزر گئے لیکن وہ اندھیرے میں بے خواب ہی لیٹا رہا۔ وہ نیند کی تمنا میں انتظار کرتے کرتے مایوس ہو کر عاجز آ گیا۔ لیکن اس بے آرام بستر پر نیند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اچانک چھوٹے بچے نے چیخنا چلانا شروع کر دیا ''یہ چبھتا ہے! امّی!'' میں اپنی امّی کے پاس جانا چاہتا ہوں''۔

کافی دیر گزر گئی اور احمد خلیل اندھیرے میں بے خوابی کے عالم میں اس کی درد بھری چیخیں سنتا رہا۔ اس کے بعد احمد خلیل چپکے سے اپنے بستر سے اُٹھ کر دبے پاؤں چلتا ہوا بچے کے پاس پہنچا اور اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔

''نہ رو'' اس نے بچے کے گھنگریالے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے سرگوشی کی ''میں تمہیں ایک کہانی سناؤں گا''۔

بچے نے کراہتے ہوئے کہا ''لیکن یہ بستر تو بہت چبھتا ہے''

''بس بس' بس'' احمد خلیل نے پچکارتے ہوئے اسے چپ کرایا ''تمہیں تو ایک بہادر لڑکا بننا چاہیے۔ اب میں تمہیں ایک کہانی سناؤں گا......''

بچے سے باتیں کرتے کرتے اس نے بستر کے تمام کمبل اور چادریں اپنے اور بچے کے گرد مضبوطی سے لپیٹ لیں۔ اور بے غل و غش ہو کر آرام سے زمین پر لیٹ گیا۔

''مجھے اور کہانیاں سنایئے نا'' بچے نے گویا التجا کے انداز میں کہا۔

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ کل میں تمہیں کہانی سناؤں گا' لیکن اب

Marfat.com

تمہیں سو جانا چاہیے......''

جب اس کی آنکھ کھلی تو سورج کی کرنیں کمرے کی کھڑکی سے اندر آ رہی تھیں اور کوئی اس کے سرہانے کھڑا تھا۔

نرس نے چلاتے ہوئے کہا ''تم یہاں فرش پر کیا کر رہے ہو؟'' ابھی فوری طور پر اُٹھو اور اپنے بستر پر واپس جاؤ۔ تمہاری حماقتوں اور بے ہودگیوں کی بھی کوئی حد ہی نہیں رہی''!

چھوٹے بچے نے رونا شروع کر دیا اور نرس نے انتہائی کرخت پن سے بچے کو اٹھایا۔ ایک ڈاکٹر نرس کی طرف آیا اور بولا ''اسے بچوں کے وارڈ کی طرف لے جاؤ۔ اس کا تعلق اسی وارڈ سے ہے اور اس کی جگہ بھی وہیں ہے''۔

نرس نے بچے سے کہا ''اب تمہیں رونا نہیں چاہیے۔ وہاں بہت سے کھلونے' مٹھایاں اور تمہارے ساتھ کھیلنے والے بہت سے بچے بھی ہوں گے۔ اور وہاں تمہیں جی بھر کر آئس کریم کھانے کو ملے گی''

نرس چیختے چلاتے ہوئے بچے کو لے کر باہر چلی گئی' یہ چبھتا ہے۔ یہ چبھتا ہے! امی! میں اپنی امی کے پاس جانا چاہتا ہوں''!

بچے کے جانے کے بعد سفید براق کوٹ پہنے ہوئے ڈاکٹروں کا گروہ اس کے پاس آیا۔ نرس نے اس کے بستر کے ساتھ میز لگا کر اس پر قسم قسم کے سٹین لیس سٹیل کے چمکیلے اور ظالمانہ دکھائی دینے والے ڈاکٹری آلات صف بندی کر کے پھیلا دیے۔

انہوں نے ایک فیتہ نما چیز اس کی کمر کے گرد لپیٹ کر باندھی اور پوری احتیاط سے اس کا معائنہ شروع کیا۔

احمد خلیل صبر وثبات کے عالم میں بت بنا بستر پر بیٹھا رہا۔ ایک نوجوان ڈاکٹر نے اس کی نمایاں نظر آنے والی پسلی کی ہڈیوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں دوسرے ڈاکٹروں کے سامنے رائے زنی کرتے ہوئے کہا ''اسے پسلیوں پر مزید گوشت کی ضرورت ہے'' اس تمام کارروائی میں احمد خلیل کو بڑی گھٹن اور شرم محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے نزدیک یہ انتہائی پستی اور رذالت کی بات تھی کہ ایک آدمی کے جسم کو مجبور کرتے ہوئے ان بے گانہ اور بے حس ہاتھوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے......''

ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ ''یہ ایک انتہائی تشویشناک کیس ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ

Marfat.com

میں نے اپنی پوری طبی زندگی میں تپ دق کا اتنا مخدوش کیس نہیں دیکھا'' ڈاکٹر نے اپنے ساتھیوں کے سامنے تبصرہ کرتے ہوئے کہا دونوں پھیپھڑے تپدق سے متاثر ہو چکے ہیں۔ اور جو پھیپھڑا زیادہ متاثر ہے۔ آج سہ پہر ہمیں اس کا آپریشن کرتے ہوئے اسے نکال دینا چاہیے......''

ڈاکٹر آپس میں نہایت فنی قسم کی باتیں کرتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے نزدیک مریض اپنے سینے میں محسوسات رکھنے والا کوئی انسان نہیں بلکہ محض دو متاثرہ پھیپھڑوں کا مجموعہ ہے۔

آخر اسے تنہا چھوڑ دیا گیا۔ اس کی آنکھیں نیند کی کمی کے سبب جلن محسوس کرتے ہوئے بوجھل ہو رہی تھیں۔ گزشتہ رات بچے کے ساتھ ہی اسے چند گھنٹے نیند نصیب ہوئی تھی۔ اس وقت وہ بہت تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا۔ اپنی پشت سرہانے سے لگاتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں لیکن نیند کا کہیں دور دور تک نام و نشان تک نہیں تھا...... بستر پر لیٹنا بے سود تھا کیونکہ اسے تو صرف فرش پر ہی نیند آ سکتی تھی۔

اس کے کانوں یں بہت دور دور کی مسجدوں سے آتی ہوئی مدھم لیکن واضح، مِلی جُلی اور جُدا جُدا شیریں اذانوں کی آوازیں آنا شروع ہوگئیں۔ یہ ظہر کی نماز کے لئے حاضر ہونے کا حکم تھا۔ اذان کی آوازوں سے اسے اتنی تسکین ہوئی کہ اس کے تمام اندیشے دور ہو گئے۔ پتلے اور طویل و بلند مینار کے منظر کی آرزو کا شیفتہ ہو کر وہ بڑے اشتیاق سے کھڑکی کے باہر دیر تک دیکھتا رہا۔ لیکن باہر کنکریٹ کی سِلوں کی بنی ہوئی ہسپتال کی دیواروں کے سوا اور کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔

کئی گھنٹے خاموشی کے عالم میں انتہائی اکتا دینے والے انداز میں گویا رینگتے ہوئے گزرے اور بخار کی حرارت سے اس کا جسم گرم ہو گیا۔ اسماء کا چہرہ کئی بار اس کے سامنے بالکل ہو بہو انداز میں نمودار ہوا' اس نے اسماء کی تسلی و تشفی دینے والی باتوں کی آواز بھی سنی لیکن جب اس نے گلے ملنے کے لئے ہاتھ پھیلائے تو وہ جا چکی تھی۔ تاہم طوِیل ثانیوں کے بعد وہ احمد خلیل کے چچا زاد بھائی اور اس کے پیارے متبنیٰ عبدالرزاق کو ساتھ لے کر دوبارہ آئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ سب لوگ اسی کمرے میں موجود ہیں اور وہ ان کی تسلی دینے والی باتوں کا شور سن رہا ہے۔

جب نرس اس کے کمرے میں کھانے کی ٹرے لے کر داخل ہوئی تو یہ تمام

Marfat.com

ہیولے غائب ہو گئے...... اس نے اپنے چہرے سمیت تمام جسم کو چادر سے اچھی طرح ڈھانپتے ہوئے چھپا لیا۔ کھانے کو اس نے ہاتھ تک نہ لگایا اور یہ اس کے چھوئے بغیر وہیں پڑا رہا۔

اس کی یادیں اسے ماضی میں لئے پھرتی رہیں۔ انہی یادوں میں اس نے خود کو اپنے گاؤں عراق المنشیا کی تنگ اور گرد آلود گلیوں میں پھرتے ہوئے محسوس کیا۔ گندم کی لہلہاتی فصلیں ٹھنڈی ہوا کے نرم جھونکوں سے جھوم رہی ہیں۔ کھیتوں سے ہو کر آنے والی یہ ہوائیں پکے ہوئے اناج کی خوشبوئیں لے کر گاؤں کی گلیوں میں آتی ہیں اور اس کے چہرے کا پیار کرتے ہوئے اسے چھوتے ہوئے گزر جاتی ہیں۔ اسے یقین ہو گیا کہ ہل چلے ہوئے کھیتوں میں اس ریزہ ریزہ زرخیز مٹی والی زمین پر چلنے پھرنے سے ہی اس کی تاثیر انگلیوں میں سرایت کرتے ہوئے تمام جسم کو صحت یاب کر دے گی۔ پھر اس نے دیکھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی ایک پرشکوہ انداز میں' اپنے عقب میں ہزاروں عمامہ پوش جانباز مجاہدوں کے جلو میں چمکتے ہوئے ہتھیار سجائے' یروشلم کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔ مجاہدوں کے لشکر گروہ در گروہ گزر رہے ہیں اور انہیں افواج کے عین درمیان اس کا بیٹا اسمٰعیل بھی فتح و نصرت کے نعرے بلند کرتا ہوا دکھائی دے رہا ہے ''بیت المقدس کی سرزمین ہمیشہ سے ہماری تھی اور ہماری ہی رہے گی''!

پھر اس نے ایک منظر میں حضور اکرم ﷺ کو ایک ایسے نوجوان آدمی سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا جو ایک سفید براق اور لمبا چوغا زیب تن کیے ہوئے تھا اور اس کے خوبصورت منور چہرے سے شفقت اور مہربانی عیاں تھی۔ جونہی احمد خلیل اس کے قریب ہوا تو اس کے مشفقانہ ہاتھوں کے ہاتھوں چھوتے ہی اس کے جسم میں صحت اور شگفتگی کی لہر دوڑ گئی۔

احمد خلیل نے پوچھا ''آپ کون ہیں؟''

نوجوان آدمی نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں ہے؟ میں عیسیٰ (علیہ السلام) ہوں۔''

اسی اثنا میں اس نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں عیسیٰؑ ابن مریمؑ کے نزدیک تر ہوں۔ کیونکہ ہم دونوں کا پیغام ایک ہی ہے اور ہم دونوں کے درمیانی عرصہ میں کوئی پیغمبر نہیں گزرا۔''

Marfat.com

اسی عالم میں ایک اور منظر اس نے دیکھا کہ اس کے سرہانے تین پیغمبر' حضرت ابرہیمؑ' حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کھڑے ہیں اور ان کی آوازیں اس طرح سنائی دے رہی ہیں جیسے دور کہیں بہت گہرائی سے آرہی ہوں۔

''اب بہتر یہی ہے کہ تم اسے اناتھیسیا ANATHESIA دے دو۔

جونہی وہ اس کے زیر اثر آجائے تو ہم آپریشن روم میں لے جا کر اس کا متاثرہ پھیپھڑا کاٹ دیں گے''

احمد خلیل گویا اُچھل کر اُٹھ بیٹھا۔ وہ سیدھا تیر کی طرح بستر سے اُٹھا اور اس نے اپنی سیاہ عقابی آرپار ہونے والی آنکھوں سے ڈاکٹروں کو اس غضبناک انداز سے گھور کر دیکھا کہ وہ تمام کے تمام دبک کر باہر بھاگ گئے۔ اب اس نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰؑ کا یہاں نام ونشان تک نہ تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کی قوت مسیحائی اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم کی جانب سے عطا کردہ تھی۔ اُس نے میز پر چمکتے ہوئے ظالمانہ آلات کو دیکھا...... نہیں نہیں حضرتِ عیسیٰؑ علیہ السلام کا یہ مقام نہیں۔ وہ ابھی یہاں تشریف لائے ہی تھے کہ انہیں باہر نکال دیا گیا......

ڈاکٹر نے کہا ''اس کے چہرے پر نقاب اوڑھا دو''۔

اب اُسے برداشت کی تاب نہ رہی اور احمد خلیل نے تمام جراثیم کش آلات میز پر سے نیچے گرا دیئے۔ جونہی ٹائلوں کے فرش پر آلات کے گرنے کی کھڑکھڑاہٹ کا شور بلند ہوا' وہ چارپائی سے اتر کر نچلی منزل میں واقع ہال کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ ڈاکٹروں کا پورا ٹولہ اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ جب اُنہوں اسے پکڑنے کی کوشش کی تو وہ انہیں لاتیں مارتا ہوا ہاتھاپائی پر اُتر آیا۔ وہ ایک زخمی شیر کی مانند اُن سب پر بھاری تھا۔ لیکن نصف درجن کے قریب ہٹے کٹے نوکر اور کمپاؤنڈر ڈاکٹروں کی کمک کو آن پہنچے اور اُنہوں نے اسے قابو کر لیا۔

ایک نرس جو کہ کسی دوسرے مریض کے لئے کھانے کی ٹرے لے کر وہاں سے گزر رہی تھی جب اس نے یہ منظر دیکھا تو وہ دوڑتی ہوئی بڑے ڈاکٹر کے پاس پہنچی اور ہانپتی ہوئی بولی ''خدا کے لئے جلدی کیجئے! دیکھیے اُدھر کیا سے کیا ہو گیا ہے!

''اُسے بہت اُونچے درجے کا بخار ہے اور وہ ہذیانی کیفیت میں بدحواس ہو گیا ہے......''

Marfat.com

اگلے دن صبح کے وقت اسمٰعیل جب اپنے والد سے ملنے کے لئے آیا تو ڈاکٹر نے اُسے اپنے پاس طلب کیا۔ اور کہا۔

''ہم تمہیں چند دوائیوں کا نسخہ دے رہے ہیں۔ جسے تمہارا والد گھر پر بھی استعمال کرسکتا ہے۔ یہ بیماری کی بڑھتی ہوئی شدت اور حملوں کو روکے گا۔ اور یہ کچھ گولیاں ہیں اگر مریض نے انہیں ہماری ہدایات کے مطابق استعمال کیا تو تمہارا باپ خود کو مزید صحت مند محسوس کرے گا......''

اسمٰعیل کا چہرہ زرد پڑ گیا ''لیکن! لیکن'' اس نے ہکلاتے ہوئے کہا ''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ میرا باپ تو چند دن پہلے ہی ہسپتال میں داخل ہوا اور آپ ہی نے تو کہا تھا کہ اسے طویل علاج کی ضرورت ہے''

ڈاکٹر نے انکار میں سر ہلایا۔ ''تمہیں یہ بتائے ہوئے مجھے کوفت ہو رہی ہے لیکن بہتر ہے کہ میں تم پر حقیقت واضح کر دوں۔ ہم نے اس کے علاج کی حتی الامکان کوشش کی اور مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس سے زیادہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ ہم تو صرف اُسی مریض کو بستر مہیا کرنے کے لئے روادار ہیں جس کے صحت یاب ہونے کی اُمید ہو۔''

یہ سن کر اسمٰعیل کو جھرجھری سی آ گئی اور اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا ''لیکن، لیکن'' آپ نے ہی تو کہا تھا کہ نئی ادویات اور جدید ترین فن جراحت کے ساتھ ہم بیماری پر ضرور قابو پالیں گے......''

ڈاکٹر نے جواباً کہا ''جو مریض ہمارے ساتھ تعاون نہ کرے ہم اس کے لئے قطعی طور پر کچھ بھی نہیں کر سکتے...... اور تعاون کرنا' تمہارے والد کے لئے ناممکنات میں سے ہے...... اور تم اسے یہاں اتنی تاخیر سے لائے ہو جب کہ بیماری پہلے ہی اپنی آخری حدوں کو پہنچ چکی تھی...... انتہائی نگہداشت اور بھرپور علاج کے بغیر وہ یہاں دو تین ماہ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا......''

اسمٰعیل سیڑھیاں چڑھنے کے بعد بالائی منزل میں اپنے باپ کے پہنچا تو احمد خلیل دیوار کی طرف منہ کیے ہوئے بستر پر پڑا تھا۔

اسمٰعیل نے آواز دی ''ابا جان''

احمد خلیل کروٹ بدل کر اپنے بیٹے کی جانب متوجہ ہوا۔ لیکن آج اس کے چہرے

Marfat.com

پر ایسے تاثرات خصوصی طور پر نمایاں تھے جن سے عیاں تھا کہ آج وہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر خوش نہیں ہے۔''

''ابّا جان! ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اب آپ یہاں مزید عرصہ نہیں رہ سکتے۔ میں آپ کو گھر لے جانے کے لئے آیا ہوں''

''نرس! کیا آپ انہیں لباس پہنا کر جانے کے لئے تیار کر دیں گی؟''

یہ سن کر احمد خلیل کا چہرہ ایک بھرپور اور روشن مسکراہٹ کی تابانی سے جگمگا اُٹھا۔ اُس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہہ نکلے۔ وہ بچوں کی طرح خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا...... اسماء، رشید اور عبدالرزاق اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اُسے یقین تھا کہ اپنے پیاروں کی محض ایک جھلک دیکھ کر ہی وہ پھر صحت یاب ہو جائے گا۔

☆......☆......☆

Marfat.com

اکتیسواں باب

انوکھا شاعر

کئی مہینے گزر گئے لیکن ہسپتال کے ہولناک تجربات اُس کے ذہن سے محو نہ ہوئے۔ کئی بار آدھی رات کے وقت احمد خلیل اس قسم کے ڈراؤنے خواب دیکھتے ہوئے ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھتا کہ وہ ابھی ابھی ہسپتال کی تنگ چارپائی سے نیچے گر پڑا ہے اور نرسیں اُس کے سر پر کھڑے ہو کر چیختی چلاتی ہوئی شور مچا رہی ہیں۔ اندھیرے میں انتہائی گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں چلتا ہوا وہ اسماء تک جا پہنچتا۔ وہ فوی طور پر بیدار ہو کر اس کے قریب آنے سے پہلے اس کے رخساروں پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرتی۔ اور جب وہ اسے بالکل اپنے بالمقابل ساتھ پاتا تو اُسے یقین ہو جاتا کہ مصیبت کا پچھلا زمانہ گزر چکا اور اب وہ دوبارہ اپنے گھر میں ہے۔

اگرچہ احمد خلیل ہسپتال کے ڈاکٹروں کی تجویز کردہ ادویات کھاتا رہا لیکن پھر بھی اُس پر کھانسی کا غلبہ شدید ہوتا گیا اور جسم مسلسل بخار کی حالت میں رہتا۔ کمزوری کے سبب وہ کوئی کام نہیں کر سکتا تھا اور اُکتا دینے والے طویل ایام اُسے گھر پر ہی گزارنے پڑ رہے تھے۔ خانہ داری کے کام کاج میں مصروف گھر کی چار دیواری میں خاموشی سے چلتی پھرتی اسماء کو دیکھتا رہتا۔ صرف اُس کی موجودگی کا احساس ہی اُس کے لئے وجہ تسکین تھا۔ سردیوں کے موسم میں اس کی حالت قدرے بہتر ہو گئی۔ وہ باہر صحن میں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتا اور چمکدار روشن گرم دھوم سے لطف اندوز ہوتا۔ سوئی دھاگہ لئے کپڑوں کو سینے اور مرمت کرنے میں مشغول رہتا۔ اگرچہ اس کے کپڑے سینے کا کام اسماء بھی کر سکتی تھی لیکن چونکہ احمد خلیل کو کوئی اور کام تو تھا نہیں' اس لئے وہ اپنا کام اپنے ہاتھ کرنے کو بہتر

Marfat.com

سمجھتا تھا۔

انہی دنوں اسے اپنے بیٹے کی طرف سے ایک خط موصول ہوا۔

''...... ابا جان آج سے تین ماہ قبل، رفیق اور میں نے کوکا کولا فیکٹری چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ فیکٹری کا کام یکسانیت کے باعث ہمارے لئے ناقابل برداشت حد تک اُکتا دینے والا بن گیا تھا۔ اب ہم دہران میں ایک امریکن تیل کمپنی میں کام کر رہے ہیں۔ کوکا کولا فیکٹری میں ترقی کے مواقع بھی نہ ہونے کے برابر تھے لیکن یہاں آئل کمپنی میں ہمارے سامنے ترقی کرنے کے بڑے شاندار مواقع موجود ہیں......''

اس کے بعد اسمٰعیل کے خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ ان خطوں میں اُن چمکتی دمکتی خوشیوں کا تفصیلی ذکر ہوتا جو اسمٰعیل کو دہران میں دفعتاً حاصل ہوگئی تھیں۔ زندہ دل جوانی کے مزے، باافراط اور ذائقہ دار لذیذ کھانوں کا ذکر، خوبصورت عورتوں سے ملاقاتوں سے متعلق، سہ پہر کی طویل فراغتوں میں ساحل سمندر پر نہانے، گراموفون پر نئے سے نئے گانے سننے کے بارے میں، اپنے کیمرے سے دوستوں کی تصاویر کھینچنے اور ٹیلی ویژن کی خوش کن تفریحات کا ذکر ہوتا۔ انہی خطوں میں اسمٰعیل کی طرف سے ایک خط میں رفیق کے ساتھ ایک شدید لڑائی کا ذکر تھا۔ اس لڑائی کا سبب یہ تھا کہ رفیق نے اسمٰعیل کی جمع کی ہوئی اداکاراؤں کی تصاویر کے پلندے کو دیکھ کر غصے میں انہیں پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا......''

اگرچہ عبدالرحمٰن مہنگے تعیشات کی خریداری کا متحمل نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی اُسے اپنے بال بچوں کے لئے ایک ٹیلی ویژن خریدنا ہی پڑا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کے بچے آئے دن اسی مطالبہ کی تکرار سے اس کا جینا دوبھر کر دیتے۔ وہ بہت عرصہ سے اپنے دیگر دوستوں اور ہمسایوں کی محفل میں احمد خلیل کے سامنے مسلسل اس کا امر کا شکوہ کیا کرتا کہ جب سے عرب میں ٹیلی ویژن آیا ہے، عربوں کے بچے پردۂ سکرین پر نت نئے فیشن، نئی وضع، طور طریقوں اور عادات کی نقل اتارنے کی دُھن میں ہمارے ہاتھوں سے نکلتے جا رہے ہیں۔ جو کچھ وہ ٹیلی ویژن پر دیکھتے ہیں اُسی کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ احمد خلیل اسلام دُشمن قوتوں کی اس سازش کو بخوبی سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کے دُشمنوں کے پاس ہمیں عاجز و لاچار اور نہتا و بے بس کرنے کے لئے جتنے بھی جدید قسم کے تکنیکی ہتھیار موجود ہیں، ٹیلی ویژن اُن میں سب سے زیادہ بُرے اثرات رکھنے والا اور تباہ کن ہتھیار ہے۔ جو

Marfat.com

ہمارے گھروں کی انتہائی تقدس پر مبنی چار دیواری میں موجود اعلیٰ اسلامی قدروں کو پامال کرنے کے لئے ایک خطرناک اندرونی حملہ آور کی صورت میں ہر گھر میں گھسیڑ دیا گیا ہے۔

اس سے قبل بیرونی ذرائع سے جو تغیر و تبدل بہت آہستہ آہستہ اور سرایت کرنے کے انداز میں رونما ہوتا تھا' اب وہی منفی تغیرات ٹیلی ویژن کے متعارف ہونے سے انتہائی سریع انداز میں نہایت جلدی سے وقوع پذیر ہو رہے تھے۔ حکمران طبقہ کے زعماء ماضی سے متعلق اپنے قدیم ورثہ پر ندامت کی حد تک احساس کمتری کا شکار تھے اور وہ ملک کو نئے قالب میں ڈھالنے پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ ایک ایسا ملک جو قابلِ دید ہو' اس کے بارے میں یہ بتانے کی گنجائش نہیں کہ کتنے زیادہ منصوبے زیرِ غور تھے۔ مثلاً مدینہ منورّہ میں کھیل کود کے لئے ایک وسیع و عریض اور کشادہ سٹیڈیم کیا جائے تاکہ نوجوانوں میں ورزش اور کھیل کود کے رجحان کا فروغ اور حوصلہ افزائی ہو۔ اسی نوع کے منصوبوں کی دُھن میں قدیم عمارتوں کو ڈھانے گرانے کا ایک جوش ان کے سروں میں سمایا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ وہ عمارتیں جو ابھی اچھی اور مضبوط حالت میں تھیں' انہیں بھی گلیوں کو کشادہ اور سیدھا کرنے اور فیشن ایبل انداز کی سڑکیں تعمیر کرنے کے جنوں میں مسمار کر دیا گیا۔ دکانوں میں ہر قسم کی درآمد شدہ بیرونی غیر ملکی مصنوعات کی بھرمار سے زیادہ سے زیادہ اشیائے سہولیات' آسائشات اور تعیشات کے حصول سے بہرہ یاب ہونے کی ہوس لوگوں میں تیز تر ہو گئی تھی۔

اور پھر قدیم آبادی کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لئے ایک ایسا منصوبہ تیار کیا گیا جو قدیم شہر کے باسیوں کے لئے شہ مات کی حیثیت رکھتا تھا۔ شہر کو جدید اور خوبصورت بنانے کے لئے ایک ماسٹر پلان کے گوشوارے میں طے کیا گیا کہ پرانے رہائشی محلے مسمار کر دیئے جائیں۔ مہاجرین کا محلہ اس تجدید شہر کا پہلا نشانہ بننے والا تھا۔ شہر کی تمام آبادیوں اور محلّوں کی نسبت اس محلّے کی فرسودہ اور شکستہ حالت حکومت کے لئے باعث ننگ تھی۔ یہ محلہ اربابِ اقتدار کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ گزشتہ پچیس سالوں سے بھی زیادہ عرصہ سے یہ محلہ احمد خلیل کے لئے دوسرے گھر کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں رہائش پذیر قریبی دوستوں اور ہمسایوں سے بچھڑنا اب مقدر ہو چکا تھا۔ اس کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ یہ تمام محلہ اگلے سال کے اندر اندر گرا دیا جائے گا۔ شہر میں موجود

Marfat.com

بے حد و حساب کاروں اور ٹرکوں وغیرہ کو ٹھہرانے کا پارک بنانے کے لئے اس کی گلی میں واقع تمام عمارتیں بحق سرکار ضبط کر لی گئی تھیں۔ اور احمد خلیل کے لئے تو یہ سراسر خسارے بلکہ زیاں کا سودا تھا کیونکہ وہ تو شروع سے ہی اس کمرے میں کرائے پر رہائش پذیر تھا اور مکان کو گرانے کے بعد اس کے معاوضے کی رقم اس کے مالک کی جیب میں جانے والی تھی۔ آئندہ کے لئے کھلے آسمان کے نیچے خود کو تہی دست محسوس کر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے اور کہاں جائے؟؟

رمضان المبارک کا مہینہ آن پہنچا اور جب اُس کا متبنّیٰ بیٹا چھٹیوں پر گھر آیا تو احمد خلیل کے لئے اسمٰعیل ایک بھولی بسری چیز بن گیا۔ عبدالرزاق کو دیکھ کر احمد خلیل کے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اب وہ بیسویں سال میں تھا اور انتہائی باوقار اور شائستہ عادات رکھنے والا ایک لمبے قد کا نوجوان تھا۔ اس کی طرف سے احمد خلیل کے نام جو خطوط آتے تھے ان میں پروفیسروں کی جانب سے کلاس کے سب سے محنتی طالب علم ہونے کی حیثیت سے اس کی تعریف و تحسین کا تذکرہ ہوتا تھا۔ لیکن قاہرہ میں قیام کے ابتدائی ایام میں لڑکپن کی عمر میں وہ جس خوشی اور ولولہ سے دوچار ہوا تھا اب وہ باقی نہیں رہا تھا۔ اس کا چہرہ اُداس اور غمگین تھا۔

اس نے بتایا کہ ''ابا جان! آپ اس خوف و ہراس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جو جمال عبدالناصر سے ڈرتے ہوئے قاہرہ میں پایا جاتا ہے۔ وہاں تو یہ عالم ہے کہ کوئی آدمی بھی سرکاری جاسوسوں اور خفیہ پولیس کی کارستانیوں سے محفوظ نہیں ہے۔ روز افزوں خوف و ہراس بدترین دہشت کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اس کا تذکرہ میں اپنے خطوط میں نہیں کر سکتا تھا کیونکہ قاہرہ اور مصر سے بیرون ملک جانے والے تمام خطوط سنسر کیے جاتے ہیں۔ میرے اکثر دوست اخوان المسلمون سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیں جب بھی وقت ملتا تو ہم قرب و جوار کے غریب بچوں کو جمع کر کے قرآن مجید پڑھاتے اور انہیں کھانا کھلاتے...... میرے دوست مجھے اتنے عزیز ہیں کہ اُن کے نصب العین کی عظمت کی وجہ سے میں نے اُن کی تنظیم میں شمولیت کا ارادہ کر لیا۔ میں نے اُن سے عہد کیا کہ مجھے تمہارے دکھ سکھ میں شریک رہ کر خوشی ہو گی۔ لیکن اُنھوں نے بڑی ملائمت سے مجھ سے درخواست کی کہ میں اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالوں اور واپس گھر چلا جاؤں اور آئندہ اُن سے ملنے کی ہرگز کوشش نہ کروں۔ اس کے چند دن بعد ہی پولیس نے اُن سب کو

Marfat.com

گرفتار کر لیا' اُن پر تشدد کیا اور جرم بے گناہی میں انہیں اذیتیں دینے کے لئے جیل میں ڈال دیا۔ اے میرے پیارے ابا جان! اب آپ مجھے واپس جانے پر مجبور نہ کیجئے گا۔"

لیکن احمد خلیل نے اُس کی بات نہیں مانی اور کہا۔ "میرے بیٹے! تمہیں اُن سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ "الازہر" کو چھیڑنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ تمہیں اسی یونیورسٹی میں اپنی تعلیم مکمل کرنی چاہیے۔"

ابھی عبدالرزاق کو یونیورسٹی میں واپس گئے ہوئے ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اس نے اپنے ایک دوست کے ذریعے ایک خط لکھوا کر اپنے باپ کو بھیجا جس میں لکھا تھا:

"...... یونیورسٹی کے نئے وائس چانسلر نے ایک قانون پاس کیا ہے جس میں طلباء کے لئے عبا پہننا اور عمامہ اوڑھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اور ہم سب کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنی داڑھیاں منڈوا دیں۔ ہمیں انتباہ کیا گیا ہے کہ جس طالب علم نے فرنگی لباس پہننے کے قواعد کی خلاف ورزی کی اُسے یونیورسٹی سے نکال دیا جائے گا۔ میرے علاوہ یونیورسٹی کے دیگر تمام طلباء اس نئے حکم پر عمل پیرا ہو کر بہت خوش ہیں۔ صرف میں نے ہی انکار کیا ہے' جس کے نتیجے میں' میں ان کے تمسخر کا نشانہ بن گیا ہوں۔ میرے تمام ہم جماعت مجھے تنگ کرتے ہیں اور مجھے کٹر رجعت پسند کہتے ہیں۔ میرے لئے یہاں رہنا دوبھر ہو گیا ہے۔ صرف چند اساتذہ مجھ سے ہمدردی رکھتے ہیں لیکن وہ بھی حکومت کے احکامات کے سامنے بے بس ہیں۔ الازہر کی ہیئت میں اتنی زبردست تبدیلی آ چکی ہے کہ بعض اوقات جب کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ کیا یہ وہی مسجد سے ملحقہ یونیورسٹی ہے جس میں' میں آج سے سات سال پہلے داخل ہوا تھا' تو میرا ذہن اس کا جواب نفی میں دیتا ہے۔ یونیورسٹی کا کوئی شعبہ بھی ایسا نہیں جو "تغیر و تبدل" کی زد میں نہ آیا ہو لیکن یہ نام نہاد "تغیر و تبدل" صرف اور صرف برائی اور بدی کی طرف لے جانے والا ہے۔ اس صورتِ حال میں' میں نے حتی المقدور صبر کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اب میرے لئے مزید ثابت قدم رہنا مشکل نظر آ رہا ہے......"

احمد خلیل کا چہرہ ذہنی کرب سے متغیر ہو گیا۔ اس نے آہستگی اور احتیاط سے خط کو تہہ کرتے ہوئے ایک طرف رکھ دیا۔ کچھ عرصہ قبل اُسے معلوم ہوا تھا کہ ابھی حالیہ ایام میں سعودی عرب کے شاہ کی مدد اور کچھ اعلیٰ شہرت حامل علماء اور دانشوروں کے فکری تعاون سے مدینہ منورہ میں ہی ایک نئی یونیورسٹی قائم کی گئی ہے۔ اس یونیورسٹی کی اعلیٰ علمی و اسلامی

Marfat.com

فضا کی ہر طرف دھوم تھی۔ اگر عبدالرزاق اس نئی یونیورسٹی میں منتقل ہو جائے تو آئندہ اسے تعلیم کے لئے گھر سے اتنی دور قیام نہیں کرنا پڑے گا۔ اس نے انتہائی دل جمعی کے ساتھ اس بات کا فیصلہ کیا کہ میں شیخ عبدالعزیز بن باز کے پاس جا کر اپنے متبنّی بیٹے کی قابلِ رحم ذہنی کیفیت کے بارے میں بات کروں' جس کے نشیب و فراز میں وہ اب مبتلا تھا۔ پہلے میں بیٹے کی طرف سے شیخ کی خدمت میں درخواست کروں اور پھر اس کے بعد عبدالرزاق کو خط لکھوں۔

احمد خلیل مدینہ منوّرہ کی اسلامی یونیورسٹی کو دیکھ کر اُمید افزاء انداز میں اس سے متاثر ہوا۔ جب اس نے شیخ عبدالعزیز بن باز سے ملاقات کی تو وہ اس کی روداد سن کر بہت ملول و متاثر ہوئے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ میں عبدالرزاق کے معاملے میں خصوصی اور ذاتی طور پر توجہ دیتے ہوئے اس مسئلہ کو حل کروں گا۔ اس سے قبل ایک دفعہ انہیں الازہر سے عبدالرزاق کے شاندار نتائج کے بارے میں اُس کا تعلیمی ریکارڈ موصول ہو چکا تھا۔

احمد خلیل خط کوحوالہء ڈاک کرنے کے بعد بڑی بے تابی سے اس کے فوری جواب کے انتظار میں لگ گیا۔ اس کا چہرہ اُمیدوں کی تابانی سے جگمگا اُٹھا۔

اب اس کے دنوں کا سب سے بڑا حاصل اپنے دوستوں عبدالرحمٰن اور انعام اللہ سے ہونے والی روزانہ کی ملاقاتیں تھیں۔ ان سے مل کر اسے اتنی خوشی ہوتی کہ وہ اپنی بیماری تک بھول گیا۔ اس نے کبھی بھول کر بھی ان کے سامنے اپنی بیماری کا رونا نہیں رویا۔ کیونکہ ان روزمرہ باتوں کے بجائے اس کے سامنے ایک اعلیٰ نصب العین کے بارے میں گفتگو کا موضوع پیش نظر رہتا۔ وہ اپنے دوستوں سے عبدالرزاق' مدینہ کی اسلامی یونیورسٹی کے چشم دید حالات اور شیخ عبدالعزیز بن باز کے بارے میں باتیں کرتا...... شیخ عبدالعزیز جو نابینا ہونے کے باوجود ایک ممتاز اہل علم اور دانشور ہونے کے علاوہ انتہائی درجے کے رحمدل اور نیک انسان ہیں۔

اور اس کے بعد ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ انعام اللہ نے اسے سیاہ حاشیہ میں جلی سرخی والا اخبار لا کر دکھایا ''اچانک دل کا دورہ پڑنے سے صدر جمال عبدالناصر کا انتقال ہو گیا'' ظالم حکمران جس کے ہاتھ بے شمار معصوم اور بے گناہ لوگوں کے خون سے رنگے ہوئے تھے' آخرکار مر گیا۔ شاید مصر کا نیا حکمران اس سے قدرے کم سنگ

Marfat.com

دل اور کم سخت ہو۔ اور مصر اور اہل مصر اور اخوان المسلمون کی نشاۃ ثانیہ کی کوئی اُمید بر آئے۔

اخبارات میں اب آئے دن اچھی خبریں پڑھنے میں آتیں' جس سے اس کی ہمت بندھ گئی۔ مہاجرین کے گھروں کو مسمار کرنے کا منصوبہ فی الحال اچانک کھٹائی میں ڈال دیا گیا تھا اور مجوزہ پارک کے لئے زمین مہیا کرنے کا کام اگلے سال تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا تھا۔ اسی اثناء میں احمد خلیل اوراس کے مکان میں رہائش پذیر دیگر ہمسایوں کواس مکان میں مُدّتِ قیام کے لئے مزید توسیع کا اجازت نامہ مل گیا۔

عبدالرحمٰن اور انعام اللہ کا روزانہ آ کر اس سے ملنے اور پاس بیٹھنے کا معمول جاری تھا۔

ایک دن عبدالرحمٰن نے کہا کہ ''میں آپ کو دکھانے کے لئے ایک خصوصی چیز لایا ہوں۔ اس نے احمد خلیل کی زبانی تعریف وتحسین سننے کے لئے ایک چھوٹی سی خوبصورت کتاب نکالی جو سبز رنگ کی چرمی جلد سے مزین تھی۔ اس کے فوراً بعد اس نے کہا ''اوہ! یہ بات میرے ذہن سے بالکل نکل ہی گئی کہ آپ اُردُو و فارسی سے آگاہ نہیں ہیں...... لیکن میری نظر میں تو یہ ایک رُوح پھونک دینے والی شاعری ہے' جس سے میں پہلی بار آشنا ہوا ہوں۔ یہ پاکستان میں قیام پذیر میرے سب سے بڑے بیٹے نے مجھے تحفتہً بھیجی ہے۔ لیجئے! اس کے مندرجات سے آپ کو آگاہ کرنے کے لئے اب میں مزید انتظار نہیں کر سکتا...... عبدالرحمٰن نے ''اسرار خودی'' سے کچھ حصے بلند آواز میں پڑھنے شروع کر دیئے۔ اگرچہ احمد خلیل فارسی کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا تھا لیکن زبان کے آہنگ اور الحان نے اس پر افسوں طاری کر دیا۔

دفعتاً عبدالرحمٰن نے پڑھنا بند کر دیا اور ایک دفعہ پھر اپنے دوست کی طرف متوجہ ہوا۔ ''اب میں آپ کو اس نظم کا ترجمہ و مطلب سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ اپنی روایتی عربی شاعری کے رموز و علائم سے ایک بالکل جدا اور منفرد طرزِ سخن سے آشنا ہوں گے۔ لیکن پیغام بالکل واضح ہے۔ میں اس بارے میں آپ سے پیشگی معذرت خواہ ہوں کہ میں طبع زاد اور بنیادی شاعرانہ حسن اور زورِ بیان کا حق ادا نہیں کر سکتا......''

احمد خلیل نے بڑے اشتیاق سے اصرار کرتے ہوئے کہا ''کوئی بات نہیں' ازراہِ کرم سناتے جایئے''

Marfat.com

عبدالرحمٰن نے فارسی کلام ''اسرارِ خودی'' سے جستہ جستہ اشعار سنائے۔ جن کا مفہوم یہ ہے۔

(''...... اسلام کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان ہر اس شے سے بے تعلّق ہو جائے جو ڈوب جانے والی اور زائل ہو جانے والی ہے۔ یاد رکھ! مسلمان کا علم دل کے سوز سے درجہء کمال پر پہنچتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس وقت ڈوبنے والوں اور زائل ہو جانے والوں کی بندش سے آزاد ہوئے تو بے تکلف بھڑکتی آگ میں بیٹھ گئے اور شعلے اُنہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

دانش حاضر اور موجودہ دور کے بے خدا علوم سے تجھے ایمان کی تڑپ اور سوزِ عشق نہیں مل سکتے۔ یہ علوم ایسے کافر ہیں کہ شراب کا جو پیالہ لئے بیٹھے ہیں اس میں حق کا سرور اور عشق کا نشہ ہو ہی نہیں سکتا اور چونکہ اسلام کے عشق کے بغیر مسلمان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے مسلمان کو دانش حاضر یا تہذیب حاضر سے کلی طور پر اجتناب کرنا لازم ہے۔

میں نے مدّتوں مغربی فلسفہ اور دوسرے مغربی علوم کا مطالعہ کیا ہے اور یورپ میں رہ کر خود مغربی حکماء سے استفادہ کیا ہے۔ میں اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ تہذیب مغرب سراپا دھوکہ اور فریب نظر ہے یہ اس پھول سے مشابہ ہے جس میں رنگ تو ہو لیکن خوشبو نہ ہو۔

میں نے جب سے اس باغ کے ساتھ تعلق کا رشتہ توڑ لیا ہے اور آزاد ہو چکا ہوں، اپنا گھونسلا طوبیٰ کی شاخ پر بنا لیا ہے جہاں قسم قسم کے پاکیزہ پھل کھاتا ہوں اور پاکیزہ خوشبوؤں سے میرا دماغ معطر رہتا ہے۔

موجودہ زمانے کے علوم ذہن و دماغ اور قلب و رُوح کے لئے بہت بڑا پردہ ہیں۔ یہ پردہ ہر روشنی کو روک لیتا ہے اور انسان کے تمام خداداد جوہر زنگ خوردہ ہو جاتے ہیں۔ دانشِ مغرب انسان کو خدا پرستی کے

Marfat.com

بجائے بُت پرستی، بت فروشی و بت گری سکھاتی ہے......

چونکہ دانشِ حاضر کی فطرت، سوزِ عشق (ایمان) سے بیگانہ ہے۔ اس لئے وہ کبھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔ یعنی تہذیبِ مغرب بنی آدم کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتی۔

دورِ حاضر کے علوم کی صراحی میں عشق کی شراب موجود نہیں۔ راتیں وہی خوشگوار ہیں جن میں یادِ الٰہی ہوتی رہی اور ''یا رب'' کی صدائیں اُٹھتی رہیں۔ دورِ حاضر کے علوم کی اندھیری راتیں ''یا رب'' کے شور سے بالکل بے نصیب ہیں۔ دانشِ حاضر کی بوتل میں سوزِ ایمان اور عشقِ الٰہی کی پرانی شراب موجود نہیں اس لئے مسلمانوں کو اس سے احتراز کرنا واجب ہے۔

دانشِ حاضر انسان کو مظاہر پرست بنا دیتی ہے کیونکہ موجودہ دانش کے علمبردار اپنے پاؤں جکڑ کر مادیّت کے قید خانے میں بیٹھ گئے اور محسوسات کی حدوں سے باہر جا ہی نہیں سکتے۔

......موجودہ بے خدا علوم زندگی کے راستے پر چلنے سے محروم ہو گئے اور اُنہوں نے اپنی تلوار اپنی گردن پر رکھ لی

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

......اے مسلمان! تو چونکہ اپنے شمشاد کی قدر و قیمت سے بالکل ناآشنا ہے۔ اس لئے دوسروں کے سرو کی توصیف میں رطب اللّسان ہے۔ یعنی تو چونکہ قرآن حکیم اور ارشادات نبویؐ سے بیگانہ ہے اس لئے مغربی حکماء کے دسترخوان سے ریزہ چینی کر رہا ہے۔ حالانکہ تیرے پاس وہ خزانہ موجود ہے کہ اگر تو اس کا دروازہ کھول لے تو ساری دنیا کو مالا مال کر سکتا ہے۔

تو نے بانسری کی طرح اپنی ذات کو اپنے آپ سے خالی کر دیا یعنی خودی

Marfat.com

سے محروم ہو گیا اور دوسروں کے ترانے پر دل جما دیا۔

آہ! تو دوسروں کے دسترخوان سے ٹکڑوں کی بھیک مانگتا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی افسوس کا کوئی مقام ہو سکتا ہے کہ اپنی جنس غیروں کا دکان سے خریدنے کا آرزومند ہے؟

کیا کبھی اس پر غور کیا کہ ہمارا مقام اور منصب کیا ہے؟ ہم مِلّت کے قلعے کے لئے محافظ و پاسبان مقرر ہوئے تھے۔ ہم نے قومی شعار اور شیوہ ترک کر دیا۔ اس لئے ایمان سے محروم ہو گئے تو ملت کی پاسبانی کا فریضہ کیونکر ادا کر سکتے ہیں؟ یعنی جب مسلمانوں نے اپنے دینی علوم سے بیگانگی اختیار کر لی تو کافروں کے علوم نے ان کے دماغوں کو مسموم کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفر و الحاد میں گرفتار ہو گئے!

...... قدیم ساقی کا پیالہ ٹوٹ گیا اور شرابِ حجاز کے مستوں کی محفل درہم برہم ہو گئی۔

ہم نے قسم قسم کے جو بُت بنائے تھے ان سے کعبے کو بھر دیا۔ ہمارے اسلام کی حالت اِتنی خراب ہے کہ کفر بھی اس کی ہنسی اُڑا رہا ہے۔ آج ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہم صرف نام کے مسلمان باقی رہ گئے ہیں اور ترکِ قرآن کی وجہ سے اس قدر ذلیل و خوار ہیں کہ کفر بھی ہمارے اسلام کی حالت پہ خندہ زن ہے۔

اے مسلمان! تیری زندگی اور ترقی کی صورت صرف یہ ہے کہ تو جو کہ قرآن حکیم کی حکمت کا امین ہے۔ دوبارہ اس مقدس کتاب کو اپنا ہادی بنائے۔ اور جب تک ساری دُنیا کے مسلمان اس کتاب پر مجتمع نہیں ہوں گے' ان کے اندر وحدتِ فکر پیدا نہیں ہو سکتی اور وحدتِ فکر کے بغیر وحدتِ کردار جلوہ گر نہیں ہو سکتی اور وحدت کردار کے بغیر مِلّت اسلامیہ دُنیا میں سربلندی حاصل نہیں کر سکتی۔

ہماری عزت و آبرو لا الہٰ سے ہے اور دونوں جہانوں یعنی دنیا و عقبیٰ کے

Marfat.com

ہم نگہبان ہیں اور دونوں کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ آج ہم محکومی کی زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن ہم دنیا میں توحید الٰہی کے علمبردار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ساری کائنات پر حکمرانی کے لئے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

دنیا کو ہم نے تکبیر سکھائی۔ ہماری مٹی سے جابجا کعبے تعمیر ہوئے۔

ہم وہ راز ہیں جو حق تعالیٰ کے قلب میں پوشیدہ تھا۔ یعنی یہ کائنات اللہ تعالیٰ نے اس لئے بنائی ہے کہ ہم مسلمان اس میں اپنے آقا و مولاؐ کا نام بلند کریں۔ ہم موسیٰؑ اور ہارونؑ کے وارث ہیں۔

اے مسلمان! اپنے مرتبہ اور مقام کو پہچان۔ تیری ذات آئینۂ ذاتِ حق ہے۔ اور تیری ہستی حق تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک زبردست نشانی ہے۔ یعنی اے مسلمان! تجھے اللہ نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ تو دنیا کو قرآن حکیم کے نور سے منور کر دے اور دنیا والوں کو خدائے برحق کا پرستار بنا دے۔

مسلمان کا دل رسول اللہ ﷺ کی قیام گا ہے۔ حضورؐ کا اسم گرامی ہمارے لئے عزت و آبرو کا سرمایہ ہے۔ حضورؐ انور کی شان یہ ہے کہ آپؐ کے دولت کدہ کا غبار طور سے زیادہ قیمتی ہے' کیوں؟ اس لئے کہ طور پر تو صرف ایک دفعہ تجلّی ہوئی تھی' لیکن حضور انورؐ کا دولت کدہ تو ہر لحظہ مہبط تجلیات الٰہیہ ہے۔ نیز آپؐ کے کاشانہ کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ کعبۃُ اللہ کے لئے بیت الحرام کا درجہ رکھتا ہے۔

حضورؐ کی رحمت نے ہمیں وطنیت کی اُس زنجیر سے آزاد کر دیا ہے جس میں اہل یورپ یا اُن کی پیروی کرنے والی دوسری قومیں جکڑی ہوئی ہیں۔ ہماری حالت نگاہ کی ہے کہ اگرچہ ہم دونوں آنکھوں کا نور ہیں لیکن ایک ہیں۔ حضور انورؐ نے قوم کی بنیاد وطن اور نسل پر نہیں رکھی بلکہ کلمۂ توحید پر رکھی ہے۔

Marfat.com

ہم حجاز کے رہنے والے ہوں یا ہمارا تعلق چین و ایران سے ہو لیکن ہم سب ایک ہی نورانی اور خنداں صبح کی شبنم ہیں۔ صبح خنداں رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ یعنی پاکستان، افغانستان، ہندوستان اور ترکستان ساری دنیا کے مسلمان ایک قوم ہیں بے شک وطن کی نسبت سے ہم حجازی چینی یا ایرانی کہلاتے ہیں لیکن ہم سب ایک شبنم کے قطرے ہیں۔ ایک ہی مِلّت کے افراد ہیں۔ ہم سب مسلمان ایک ہی محبوب کے چاہنے والے ہیں۔

ہم ساقی بطحاؐ کے کیفِ چشم سے سرشار ہیں اور ہماری مثال دنیا میں شراب اور صراحی کی ہے، جو ایک دوسری سے الگ نہیں ہوسکتیں۔ سارے مسلمانوں میں آپس میں وہی رشتہ ہے۔ جو شراب اور شراب کی بوتل میں پایا جاتا ہے۔

حضورؐ نے اصل ونسل کا امتیاز یکسر جلا کر خاک کر دیا ہے۔ ان چیزوں کی حیثیت باغ میں خس و خاشاک کی سی تھی لہٰذا انہیں پھونک ڈالا۔ حضورؐ نے حسب ونسب کے تمام امتیازات کو فنا کر دیا۔

......مسلمان کا وجود حضور ﷺ کی تجلیات کا کرشمہ ہے۔ حضورؐ کی گرد راہ کو یہ رُتبہ حاصل ہے کہ اُس کے قدم قدم پر طور جلوہ افروز ہوتے ہیں۔

میں نے محبت کے کھیت میں اپنی آنکھ بوئی اور اس سے نظارہ و دید کا سرمایہ حاصل کیا۔ یعنی آپؐ کی محبت کا ثمرہ یہ ہے کہ مجھے بصیرت حاصل ہوگئی اور میں ضمیر کائنات سے آگاہ ہوگیا۔

میرے لئے یثرب کی خاک دونوں جہان سے زیادہ قیمتی اور محبوب ہے۔ وہ شہر کتنا رُوح افزار اور دل میں جاودانی ٹھنڈک پیدا کرنے والا ہے۔ جہاں ہمارا "دلبرؐ" سکونت پذیر ہے۔

حضورؐ کی شانِ رحمت نے دنیا کو نوازشوں سے سرفرازی بخشی میری آرزو ہے کہ مجھے مدینہ میں موت آئے۔

Marfat.com

ع میں موت ڈھونڈھتا ہوں زمینِ حجاز میں

بات یہ ہے کہ مسلمان جو اللہ کے سوا ہر شے سے بیگانہ ہوتا ہے' کب تک بُت خانے میں زُنّاری بنا بیٹھا رہے؟ کیا بات ہے افسوس ناک نہیں کہ مرنے کے بعد اس کا جسم بُتخانہ (کفرستان) میں مدفون ہو۔

اگر میری خاک کے اجزا قیامت کے دن حضورؐ کے دروازے سے اُٹھیں تو میرا موجودہ دَور کتنا ہی باعثِ افسوس ہولیکن آئندہ دَور تو انتہائی خوش نصیبی کا ہوگا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میری مٹی مدینہ کی مٹی میں مل جائے تاکہ قیامت کے دن میں آپؐ کے دروازہ سے اُٹھایا جاؤں......")

کلام اقبال سن کر احمد خلیل پر ایسا سحر طاری ہوا کہ وہ بے ساختہ پکار اُٹھا۔ "اس معجز نما کلام کا خالق کون ہے؟ میں یقین واثق سے کہتا ہوں کہ میں نے اس شاعر سے بہتر کسی شاعر کا کلام اس سے پہلے آج تک نہیں سنا۔ وہ آج سے عرصہء دراز پہلے موجودہ دور کی باتیں کہہ گیا ہے اور ایسا کلام شاذ و نادر ہی سننے کو ملتا ہے......"

"نہیں بھائی احمد خلیل صاحب' یہ بات نہیں...... یہی تو معجزہ ہے...... اور آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یہ شاعر ہمارے ہی دور میں گزرا ہے۔ ان کا نام علاّمہ محمد اقبال ہے اور ان کی زندگی کا زیادہ عرصہ لاہور میں ہی بسر ہوا اور وہ آج سے پینتیس سال قبل اللہ کو پیارے ہوگئے۔"

"اچھا' پھر تو میں ان کے بارے میں لاعلم ہی رہا۔ آپ کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں' میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اقبال برصغیر پاکستان و ہند کے رہنے والے تھے اور عرب نہیں تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی سرزمین سے بہت دور دراز علاقے میں جنم لیا...... وہ عربی بول سکتے تھے نہ لکھ سکتے تھے...... لیکن اس کے باوجود میری معلومات کی حد تک وہ آج کل کے عربوں سے کہیں زیادہ اسلام کے شیدائی تھے اور اسلام کا اعلیٰ اور گہرا شعور رکھتے تھے...... وہ حالیہ دور کے ایک عرب شاعر کی نسبت کہیں بہتر اور اعلیٰ انداز میں ایک بیرونی زبانی میں اپنے مافی الضمیر کو ادا کر سکتے ہیں۔ اس دور کے وہ تمام مسلمان شعراء جنہوں نے اپنی شاعری کو خدمتِ اسلام کا ذریعہ بنایا ہے اقبال کا مقام ان میں سب سے بلند ہے......"

Marfat.com

اس کے بعد احمد خلیل اپنے دوسرے دوست انعام اللہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا' کیا آپ چہل قدمی کے لئے میرے ہمراہ باہر جانا پسند کریں گے؟''

جواباً اس نے ہمدردی کے انداز میں چہل قدمی کے خیال کی مخالفت پر اصرار کرتے ہوئے کہا ''لیکن آپ کی تو طبیعت کچھ ٹھیک نہیں''

''میں پہلے کی نسبت اب اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کرتا ہوں اور پھر یہ بات بھی ہے کہ میں طویل عرصہ سے گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں''

عبدالرحمٰن نے انعام اللہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''ہاں ہم اکٹھے سیر کے لئے باہر چلتے ہیں تازہ ہوا ان کی صحت کے لئے بہت بہتر ہو گی''

ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے وہ انتہائی تنگ گلیوں میں چلتے گئے اور تھکنے کے بجائے احمد خلیل نے ہر قدم پر خود کو پہلے سے زیادہ توانا محسوس کیا۔ وہ ہر گلی اور ہر گھر سے بہت اچھی طرح مانوس تھا۔ ان گلیوں اور گھروں کو آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے اُن جاں نثار صحابہؓ کی قدم بوسی کا شرف حاصل تھا جنہوں نے ہجرت میں آپؐ کی دوستی اور جاں نثاری کا حق ادا کر دیا تھا۔ اب حکومت کی طرف سے ان تمام آبادیوں کو بہت جلد مسمار کر دینے کا منصوبہ طے پا چکا تھا۔ ان گلیوں میں پھرتے ہوئے احمد خلیل کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ اپنی محبوب گلیوں کو آخری بار دیکھ رہا ہو۔

تینوں دوست خاموشی سے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گھومتے پھرتے آخرکار جنت البقیع پہنچ گئے۔ جہاں آنحضرت ﷺ کے سرفروش اور جاں نثار صحابہؓ آسودۂ خاک ہیں' جنہوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے ابتدائی جنگوں میں اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں نچھاور کر دیں تھیں۔ آج سے ایک صدی قبل وہابی مصلحین نے ان قبروں پر زائرین کی عقیدت کے اظہار میں غلو کے مظاہرے دیکھے کہ عقیدت مندوں نے ان قبروں کو نقش و نگار اور آرائش کے ذریعے بہت زیادہ سنوارنا اور سجانا شروع کر دیا تھا اور اندیشہ ہو چلا تھا کہ لوگ ان قبروں کو کہیں عبادت گاہیں نہ بنالیں۔ وہابی مصلحین نے قبور کے قبوں کو گرا دیا۔ اب قبے کھنڈرات کی صورت میں بکھرے پڑے تھے اور اب تو سارا قبرستان ہی بکھرے ہوئے روڑوں اور کنکروں کا ویران بیابان میدان دکھائی دیتا تھا۔ لیکن تمام قبریں واضح طور پر اپنے مکینوں کی نشان دہی کر رہی تھیں۔ احمد خلیل کے لئے یہ اُداسی اور غم کا مقام نہیں تھا بلکہ وہ تو اپنی اُن پیاری ہستیوں کو سلام کہنے آیا تھا۔ جن کے ناموں اور

Marfat.com

کارناموں سے اس کے کان آغازِ بچپن ہی سے آشنا تھے۔ اور اب تو وہ ان ہستیوں سے اپنائیت کی حد تک مانوس ہو چلا تھا۔ یہ احساس اُس کے لئے تسکین دِہ تھا کہ میں بھی عنقریب اُن سے جاملوں گا اور دائمی طور پر ان کے ہمراہ رہوں گا۔ اور پھر دفعتاً اس نے آنحضرت ﷺ کی آخری علالت کا تصور کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سہارا لئے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ آپؐ کے سرِ مبارک پر بخار کی شدت کو کم کرنے کے لئے کپڑا بندھا ہوا ہے اور آپؐ جنت البقیع میں تمام اہلِ قبور کو سلام کہہ رہے ہیں۔

(''اے اس دیار کے رہنے والے مومن اور مسلمان باسیو! تم پر سلام ہو' انشاء اللہ ہم تم سے عنقریب آملیں گے۔ ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لئے آسائش کا سوال کرتے ہیں۔'')

☆......☆......☆

Marfat.com

بتیسواں باب

فریب خوردہ شاہیں

جب احمد خلیل نے لفافے کے باہر اپنے بیٹے کے ہاتھ کی لکھائی دیکھی جو کہ ڈاکیہ ابھی ابھی اُسے دے کر گیا تھا تو اُس نے کانپتی ہوئی اُنگلیوں سے لفافے کو چیر کر کھولا۔ کافی دیر تک اُس نے خط کو اپنے سینے سے لگائے رکھا' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اسے پڑھنے سے خوفزدہ ہو۔ اُس کا منہ بولا بیٹا' چچا زاد بھائی' چچا اور اس کے دونوں گہرے دوست تشویش سے اس کے گرد جمع ہو گئے۔ مزید صبر اور برداشت کی تاب نہ لاتے ہوئے رشید نے اپنا توانا اور سیاہ رنگ کا ہاتھ اپنے چچا زاد بھائی کے کندھے پر دکھ دیا اور اُسے بڑی نرمی اور محبت سے ہلاتے ہوئے بولا۔

''احمد خلیل تمہارا بیٹا خط میں کیا لکھتا ہے؟''

احمد خلیل نے خط پڑھنا شروع کیا ''...... ابا جان تھوڑا عرصہ پہلے مجھے آرامکو آئل کمپنی میں چیف اکاؤنٹنٹ کے نائب کی حیثیت سے اعلیٰ تنخواہ کے ساتھ ترقی دے دی گئی ہے اور مجھے امریکی طرزِ تعمیر کے کوارٹر میں رہائش کا خصوصی اجازت نامہ بھی مل گیا ہے...... اب چونکہ رمضان کا مہینہ ہے اور میں چھٹی پر ہوں۔ میں آپ کو ایک حیران کن خبر سنانے کے لئے جلد ہی گھر آ رہا ہوں' یہ خبر آپ کی زندگی کو یکسر بدل ڈالے گی۔ اس لفافے کے آپ کے ہاتھوں میں پہنچنے کے فوراً بعد میں بھی آپ کے پاس پہنچنے ہی والا ہوں......''

خط سننے کے بعد منصور حواس باختہ انداز میں اپنے بھتیجے کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہوئے بولا ''لیکن، لیکن نہیں' نہیں مجھے اس کا یقین نہیں ہے! اسمٰعیل تو ان تمام سالوں میں

Marfat.com

ایک بار بھی گھر پر نہیں آیا۔ لیکن شاید اسی میں بہتری ہو کیونکہ وہ ہمارے پاس آ کر بھی ہمیں بے گھر ہی پائے گا کہ اب شہر کے حکام نے نوٹس دے دیا ہے کہ ہمارے کوارٹروں کا انہدام جلد ہی عمل میں آ جائے گا اور اُنہوں نے ہمیں صرف تین دن کے اندر اندر یہاں سے نکلنے کا حکم دے دیا ہے......''

احمد خلیل نے انتہائی دہشت پر مبنی اپنے خوف' اندیشوں اور اداسی کو چھپاتے ہوئے اپنے چچا کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ''آپ کو گھبرانا نہیں چاہیے'' حالانکہ احمد خلیل کا اپنا یہ عالم تھا کہ وہ اندر سے ڈھے گیا تھا...... اُس نے مزید کہا ''انعام اللہ اور اس کے بیٹے کریم نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ جب تک ہم اپنی رہائش کیلئے دوسری جگہ نہ تلاش کر لیں ہم اُن کے ساتھ رہ سکتے ہیں......''

اس کے بعد کھانسی کی ایک لہر نے اُسے آ لیا۔ وہ عبدالرزاق سے لپٹ گیا اور عبدالرزاق نے اُسے بڑی مضبوطی سے اپنے سینے کے ساتھ بھینچ لیا۔ ''پیارے ابا جان! گھبرانے کی کوئی بات نہیں' آخر ہوا کیا ہے؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آئندہ آپ کے پاس ہی رہوں گا اور آپ سے جدائی اختیار نہیں کروں گا۔ میں قاہرہ کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ چکا ہوں...... قاہرہ بدی اور فساد سے بھر چکا ہے اور نام نہاد ''ترقی پسندوں'' نے اپنی ''ترقی'' کے جوش میں الازہر کے اسلامی تشخص کو ناقابلِ تلافی حد تک تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اور اب تو لڑکیاں بھی یونیورسٹی میں داخل کر لی گئی ہیں جو ننگے سر' اپنے چہروں کو بے پناہ میک اپ سے سجائے ہوئے' ننگے بازوؤں اور اپنے گھٹنوں سے اُونچے لہنگے پہنے ہوئے وہاں گھومتی پھرتی ہیں۔ اور اب الازہر کی سابقہ بین الاقوامی ساکھ اور شہرت ختم ہو چکی ہے......!

''ہاں میرے بیٹے! مجھے اس بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ میں نے تمہارے تمام خطوط کا انتہائی حزم و احتیاط سے مطالعہ کیا ہے۔ اس کے بعد مصر میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں مجھے اُن پر قطعاً کوئی حیرت نہیں ہوئی۔

''لیکن ابا جان! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہاں مدینہ کی اسلامی یونیورسٹی میں میری درخواست پہلے ہی منظور ہو چکی ہے اور مجھے وظیفہ یاب طالب علم کی حیثیت سے داخلہ بھی مل گیا ہے! اس ماہِ رمضان کے بعد کلاسیں شروع ہو جائیں گی۔ کریم مجھے روزانہ مدینہ یونیورسٹی کے اساتذہ اور مشرق و مغرب کے ہر ملک سے آئے ہوئے طلباء سے

Marfat.com

ملانے کے لئے لے جاتا ہے۔ ہم لائبریری بھی جاتے ہیں جہاں میرے دوست مجھے کتب پڑھ کر سنایا کریں گے۔ اور یہ الازہر یونیورسٹی کے حالیہ دگرگوں ماحول سے کئی درجہ بہتر ہے۔''

''تم بھلا کس وثوق سے یہ بات کہہ سکتے ہو کہ یہ بہتر رہے گا؟ فرض کرو کہ اگر مدینہ یونیورسٹی کا بھی یہی حشر مقدر ہو چکا ہو پھر؟''

''یقین سے نہیں کہا جا سکتا ابا جان! اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یونیورسٹی کا حشر کیا ہوگا' کیونکہ اُستاد شیخ عبدالعزیز کو معزول کرنے کے بعد اُن سے انتہائی ادنیٰ درجے کے ایک دوسرے آدمی کو وائس چانسلر بنا دیا گیا ہے۔ لیکن ان حالات میں' میں تو صرف تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ اور کوئی اختیار نہیں رکھتا......''

عبدالرزاق نے آہستگی سے احمد خلیل کو فرش پر بچھی ہوئی چٹائی پر لٹانے میں اُس کی مدد کی اور اُسے لحاف اوڑھانے کے لئے ٹامک ٹوئیے مارنے لگا۔ جب سورج ڈھلنے لگا تو وہ خاموشی سے روزہ کھلنے کی نوبت بجنے کا انتظار کرنے لگے۔

احمد خلیل نے عبدالرزاق کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا ''آج رمضان المبارک کی ستائیسویں رات ہے۔ سال کی سب سے مقدس ترین رات......! اس رات کے بارے میں سورۃ کی تلاوت کرو۔ وہ رات جس میں سب سے پہلے قرآن پاک نازل کیا گیا''

''لیکن''! اُس نے تامل کے انداز میں کہا ''ابا جان آپ کو خود بھی تو یہ سورت زبانی یاد ہے''

''مجھے تمہاری زبان سے اس کی تلاوت سن کر زیادہ خوشی ہوگی' کیونکہ تم اسے بہتر انداز میں تلاوت کر سکتے ہو''

تمام اہل خانہ پورے انہماک کے ساتھ سننے کے لئے بیٹھ گئے تو عبدالرزاق نے اپنی گہری گونج دار آواز میں تلاوت کرنا شروع کر دی:

(''...... ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ شبِ قدر کیا ہے؟ شبِ قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ فرشتے اور رُوح اُس میں اپنے رب کے اِذن سے ہر حکم لے کر اُترتے ہیں۔ وہ رات سلامتی ہے طلوعِ فجر تک......'')

جونہی سورۃ ختم ہوئی عین اسی لمحے کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور تمام اہل خانہ

Marfat.com

چونک کر رہ گئے۔ رشید فوراً دروازہ کھولنے کے لئے تقریباً اچھلنے کے انداز سے اُٹھا اور اُس نے دیکھا کہ اسمٰعیل جدید وضع میں سلا ہوا خاکستری رنگ کا سوٹ پہنے اور اس سے ملتی ہوئی ٹائی باندھے' اپنے ہاتھ میں ایک بھورے رنگ کا قیمتی چمڑے کا سوٹ کیس اُٹھائے کھڑا ہے۔

اُس نے پھولے ہوئے سانسوں کے ساتھ ہانپتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ کو میرا خط ملا؟ مجھے افسوس ہے کہ مجھے اتنی زیادہ دیر ہو گئی۔ میرا جہاز کئی گھنٹے کی تاخیر سے پہنچا اور اب تک مجھے ٹیکسی کا انتظار کرنا پڑا...... ایک عجیب تکلیف دہ خاموشی اور سکوت کے کئی لمحات تک اسمٰعیل اور رشید کھلے منہ کے ساتھ ایک دوسرے کو اجنبیوں کی طرح دیکھتے رہے۔ آخرکار اسمٰعیل نے پوچھا۔ ''میرے ابا کہاں ہیں؟''

رشید نے تحکمانہ اور سخت لہجے میں زور دے کر کہا ''مہربانی کر کے اندر آ جاؤ'' اور اسمٰعیل اُس کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔ کمرے میں موجود تمام افراد نے افسوس اور تاسف کی نگاہوں سے اسمٰعیل کو دیکھا' کیونکہ اُس نے کمرے میں داخل ہوتے وقت جوتے اتارنے کے معروف آداب کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا تھا...... اپنے دوستوں کا سہارا لے کر احمد خلیل عصا کی مدد سے بڑی مشکل اور تکلیف سے اپنے پاؤں پر متوازن ہو کر اُٹھا۔ اس وقت اسمٰعیل کو اپنے باپ کے ساتھ خونی رشتے کے علاوہ سب کچھ بھول گیا اور وہ آنکھوں میں آنسو لئے ہوئے تیزی سے ہانپتے ہوئے ''ابا!'' کہہ کر احمد خلیل کی طرف لپکا۔ کھانسی کے حملے نے احمد خلیل کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ لیکن جونہی اس نے کھانسی پر غلبہ پایا تو اس نے اپنے دونوں بازو اپنے بیٹے کو گلے لگانے کے لئے پھیلا دیئے۔ اسمٰعیل یوں کسمسانے کے انداز میں پیچھے ہٹا جیسے اُس کے باپ کو کوڑھ کی بیماری ہو۔ احمد خلیل کے چہرے پر گہرے دُکھی تاثرات دیکھ کر اسمٰعیل نے بے چینی کے انداز میں اپنی طرف سے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''ابا جان! براہِ کرم آپ صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ آپ سے پیچھے ہٹنے کی احتیاط میں نے اس لئے اختیار کی ہے کہ تپ دق ایک چھوت کی بیماری ہے''۔ اسمٰعیل نے محسوس کیا کہ اُس کا باپ اُس کی بات کو بالکل نہیں سمجھا۔ یہ سخت اذیت ناک خموشی اُس وقت ٹوٹی جب اُس نے کہا ''امّی کدھر ہیں؟ مجھے اُن سے ملنا چاہیے!''

رشید نے محض اشارے سے اُسے بتایا اور اسمٰعیل فوری طور پر بھاگتا ہوا پردے

Marfat.com

کی دوسری طرف چلا گیا جس نے کمرے کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کی والدہ میمونہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی شام کا کھانا پکا رہی ہے۔ اُسے یہ دیکھ کر دھچکا لگا کہ وہ اس تھوڑے سے عرصے میں ہی کس قدر معمر لگ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر جھریاں پڑ چکی تھیں اور اُس کے لمبے سیاہ بال اب خاکستری رنگ کے ہو چلے تھے۔ وہ اپنی ماں سے گلے ملا اور اسے پیار کیا لیکن اسماء کے لئے وہ بالکل اجنبی تھا اور اس کی محبت کے مظاہرے کی یہ حرکات اس کے نزدیک سچے پیار اور خلوص کی حرارت سے بالکل عاری تھیں۔

عین اسی وقت توپ کے گرجنے کی آواز سنائی دی اور اسماء نے کہا ''یہ روزہ کھلنے کا وقت ہے۔ دہران سے مدینہ تک کا سفر بہت طویل اور کٹھن ہے اور تمہیں بھوک لگ رہی ہو گی......''

اسماء اسمٰعیل کے کندھے کے گرد بڑے پیار سے اپنا ہاتھ حمائل کرے ہوئے یوں باتیں کرنے لگی' جیسے وہ اسے ننھا مُنا اور چھوٹا سا بچہ سمجھ کر اُس سے باتیں کر رہی ہو ''دیکھو اسمٰعیل! آج رات ہم نے خاص دعوت کے لئے بھیڑ کے میمنے کا گوشت اور چاول پکائے ہیں اور میں نے اسے محض تمہارے لئے گھی میں تیار کیا ہے کیونکہ تم اسے بہت چاہ سے کھاتے ہو......''

اس کے بعد اسماء اور میمونہ نے تیل کے چولہے سے اُبلتے ہوئے برتن کو اُتارا اور اسے آدمیوں کے سامنے رکھ دیا۔ جو بڑے اشتیاق کے ساتھ کھانے کے انتظار میں تھے۔ ایک تکلف پر مبنی احساس اور شرمیلے انداز میں اسمٰعیل بھی اُن کے ساتھ کھانے میں شامل تو ہو گیا' لیکن وہ مبینہ طور پر ایک بھونڈے انداز میں' تکلیف دِہ ڈھنگ سے بے آرامی کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا۔ دسترخوان پر موجود دیگر حاضرین اس تکلیف دہ صورتِ حال سے نکلنے کے لئے اُس کی مدد تو نہیں کر سکتے تھے البتہ وہ تمام اُسے ٹکر ٹکر دیکھتے رہے کیونکہ اسمٰعیل اُن کے سے انداز میں آلتی پالتی مار کر فرش پر بیٹھنے سے قاصر تھا۔

منصور نے اپنے ٹیڑھے میڑھے جھریوں بھرے پُرشکن سیاہ ہاتھ دُعا کے لئے اُٹھائے۔

(اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا' پلایا اور مسلمان بنایا۔'')

اسمٰعیل کو نظر انداز کرتے ہوئے کمرے میں موجود تمام افراد نے اپنے ہاتھ

Marfat.com

کھانے کی مشترکہ قاب میں ڈال دیئے۔ اور وہ تمام بھیڑ کے برّے کے گوشت کے بڑے بڑے پارچے اور گھی میں پکائے ہوئے چاول بڑی رغبت اور شوق سے بے تحاشا انداز میں کھانے لگ گئے۔

لیکن اسماء بڑی فکرمندی سے اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی، ''اسمٰعیل! تم کھانا کیوں نہیں کھاتے آج رات تو ہم نے تمہارے گھر آنے کی خوشی میں گوشت کھانے کا اہتمام کیا ہے''۔

اسمٰعیل نے انکار میں اپنے سر کو ہلاتے ہوئے کہا ''امّی جان! کوئی بات نہیں، آپ اس کو محسوس نہ کریں، مجھے کوئی خاص بھوک نہیں ہے''

اسماء نے بڑے پیار سے التجا کے انداز میں کہا کہ ''اگر تمہیں بھوک نہ بھی ہو تو پھر بھی تمہیں کچھ نہ کچھ تو کھانا چاہیے۔''

اسمٰعیل اتنا بدحواس ہوا کہ اب وہ اپنے اضطراب پر مزید قابو نہ پا سکا۔ وہ غیر اختیاری طور پر اپنے اندرونی تلاطم کو ہلکا کرنے کے لئے اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے پھٹ پڑا 'امّی جان! میں اس کراہت آمیز طریقے سے کھانے کو برداشت نہیں کر سکتا'' کمرے میں گھٹن اور اُلجھن اتنی تکلیف دہ تھی کہ اسمٰعیل سے اضطراری طور پر جو حرکت سب سے پہلے سرزد ہوئی وہ یہ تھی کہ وہ اُچھل کر اُٹھا اور چھلانگ لگاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ اس امر پر پچھتاتے ہوئے حیران ہو رہا تھا کہ میں اس مختصر سی مُدّت کے لئے بھی گھر کیوں آ گیا ہوں۔ وہ گھر جس سے اب اُس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ وہ متوحش نگاہوں سے اس چھوٹے سے کمرے کو ہر طرف سے گھورتا رہا، جس کے ننگے فرش پر صرف پیال کے تنکوں کی بنی ہوئی چٹائیاں بکھری پڑی تھیں۔ کچھ تہہ شدہ لحاف اور پانی بھرنے کے بہت سے برتن دیوار کے ساتھ ترتیب سے لگے ہوئے تھے۔

جب اسماء نے دیکھا کہ آدمیوں نے جی بھر کر کھانا کھا لیا ہے تو اُس نے کھانے کا برتن اُٹھایا اور پردے کے پیچھے غائب ہو گئی جہاں اُس نے میمونہ کے ساتھ مل کر اسی برتن سے بچا ہوا کھانا کھایا۔

اسمٰعیل اب پھر واپس کمرے میں آ گیا۔ احمد خلیل نے اُس سے کہا ''بیٹے! اپنے خط میں، تم نے مجھے لکھا تھا کہ تم شبینہ سکول میں جاتے رہے ہو اور تم نے وہاں مراسلہ نگاری کا کورس بھی کیا ہے۔ اب تک تو تم نے کافی علم حاصل کر لی ہو گا۔ تم نے

Marfat.com

اپنے اسلاف کے شعروادب کے کے بارے میں کافی مطالعہ کیا ہوگا۔ اکابر شعراء اور ان کی اعلیٰ درجے کی شاعری سے تمہیں آگاہی ہونی چاہیے...... کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے حضور ﷺ نے فرمایا ''بے شک شاعری میں بعض باتیں حکمت کی بھی ہوتی ہیں اور شعراء میں اگر کسی شاعر نے سب سے زیادہ سچی بات کی ہے تو وہ لبید ہے جس نے کہا ہے:

بلی کلّ ذی لبّ الی اللّٰہ واسل
الا کلّ شئی ما خلا اللہ باطل
وکلّ امری یومًا سیعلم غیبہ
اذا حصلت عند الالہ الحصائل......

(''ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر ذی عقل اللہ سے لو لگاتا ہے۔ یاد رکھو! اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ باطل ہے۔

اور ہر شخص ایک دن...... جب اللہ کے حضور اعمال کے نتائج جمع ہوں گے...... اپنی پوشیدہ زندگی کو معلوم کرے گا۔

اور اُس روز گناہوں سے پراگندہ زندگیوں کو بچانے والی نمازیں اور استغفار کی دُعائیں ہوں گی اور دُعائیں ہی رحم کا باعث بنیں گی۔

اور جو اچھے اعمال انسان نے کمائے ہوں گے وہ انسان کے سامنے آجائیں گے

اور اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم ہی جائے پناہ ہوگا کیونکہ وہی رحیم وکریم ہے۔

ہاں! اس روز اللہ کے سائے میں ہی پناہ مل سکے گی' ایک ثابت قدم مومن جو دُنیا میں صراطِ مستقیم پر چلتا ہوا ایک ایماندارانہ زندگی گزار کر آیا ہوگا......'')

''بقیہ نظم میں زبانی یاد نہیں کر سکا۔ تم نے یہ سکول میں ضرور یاد کی ہوگی...... مجھے یہ نظم سناؤ......''

Marfat.com

اسمٰعیل ایک عجیب وغریب انداز میں اپنے والد کو گھور گھور کر دیکھتا رہا۔ اور ایک انتہائی سرد مہری کے انداز میں، حتیٰ کہ اس کی آواز بھی احساسات سے قطعی طور پر عاری تھی۔ اس نے جواب دیا ''اپنی کلاسوں میں ہم شاعری وغیرہ نہیں پڑھتے''

''تب تو تم نے قرآنِ حکیم اور اس کی تفاسیر کا علم خوب حاصل کیا ہوگا''

''میں قرآن حکیم سیکھنے کے لئے شبینہ سکول نہیں جاتا رہا''

''میرے بیٹے! تو پھر اس کے علاوہ تم وہاں کیا کچھ پڑھتے رہے''

''ہر چیز پڑھی ہے! میں نے وہاں انگلش، مکینکس، کیمسٹری، الیکٹرانکس، اکاؤنٹنگ اور کاروباری امور (بزنس ایڈمنسٹریشن) کا علم حاصل کیا ہے.....'' اسمٰعیل نے ایک نظر اپنے والد کے چہرے پر ڈالی اور کہا ''میرا خیال ہے، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں آپ اسے سمجھ نہیں پائے؟''

''کیوں نہیں اسمٰعیل! میں سب کچھ اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ تم نماز نہیں پڑھتے اور تم رمضان کے روزے نہیں رکھتے!''

یہ سنتے ہی اسمٰعیل مشتعل ہوگیا اور اس نے اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ''ماضی مر چکا ہے ابا جان! آخر آپ کو اس بات کی کب سمجھ آئے گی کہ ماضی مردہ ہو چکا ہے؟ آج سے ہزاروں سال پہلے مرے ہوئے لوگوں کی لکھی ہوئی کتابیں آخر ہمارے کس کام کی؟ آپ اُن سخت پابندیوں میں زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ آج سے صدیوں پہلے کے دقیانوسی لوگوں پر ہی لاگو ہوسکتی تھیں۔ جن مسائل کا ہمیں آج کے دور میں سامنا ہے ان کے حل کے لئے ہم ماضی کی جانب نہیں دیکھ سکتے۔ اور کیا آپ ابھی تک اس معاملے میں فریب خوردگی کا شکار ہیں کہ شاہ فیصل انہیں حل کر سکتا ہے؟ شاہوں کا زمانہ لد گیا! آج کے مسائل کا واحد حل سوشلزم ہے! یہ ملک انقلاب کے دھانے پر کھڑا ہے! اب اسمٰعیل تن کر سیدھا کھڑا ہوگیا اور تکبر بھری آواز میں بولتا چلا گیا۔ آپ مجھ سے عقیدے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ اسلام، ہم پر ابتدائی دور میں سعودی لوگوں کے ذریعے زبردستی ٹھونسا گیا۔ بار بار ایک ہی بات کی گردانیں رٹنے سے ہمارا یہ حال ہوگیا ہے کہ ہم اپنے سوا ہر ایک سے نفرت کرنا سیکھ گئے ہیں! حکام ہم پر مذہب زبردستی ٹھونستے ہیں جبکہ وہ خود اس پر عمل پیرا نہیں ہیں۔ اس پر اگر ہمارے دل میں اُن کے خلاف بغاوت کا لاوا پکتا ہے تو آپ کو اس پر تعجب کیوں ہے؟ مخالفانہ پروپیگنڈے

Marfat.com

کے باوجود یہاں ماڈرن طرزِ زندگی کس سرعت سے پھیل رہا ہے۔ بیرون ممالک کے وہ لوگ جو اس خطہ زمین پر اس سے پہلے کبھی وارد نہیں ہوئے تھے اُن کے نظریہ کے مطابق زندگی کی بہت سی جہتوں میں یہ ابھی تک ایک قدیم اور فرسودہ ملک ہے اور یہ انتہائی خوابیدہ اور غافل ملک ہے کہ جس کے باشندوں میں ترقی کی آرزو بھی ناپید ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم ترقی کے لئے بیدار ہو جائیں۔ ہاں تو ابا جان! ابھی آپ عقائد کی بات کر رہے تھے۔ تو سن لیں! میں بھی کچھ عقائد رکھتا ہوں! میرا عقیدہ ہے کہ انسانوں کو خود اپنی محنت سے اپنے معیارات زندگی کو انتہائی بلند سے بلند تر کرنا چاہیے! لیکن جہاں ہمارے عوام کو جابر حکمران فرسودہ روایات' غربت' جہالت' اور افلاس کے پھندوں میں اُلجھا کر غلام بنا لیں۔ جہاں چھوٹے چھوٹے بچے بیماریوں اور فاقہ کشی سے دم توڑ رہے ہوں تو اس صورتِ حال میں ہمیں علماء شاعروں اور فلسفیوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں تو ضرورت ہے بڑے بڑے ڈیموں کی' کارخانوں کی' بڑی بڑی صنعتوں اور ہر قسم کی مشینوں کی۔ ہمیں ضرورت ہے زیادہ سے زیادہ سکولوں اور ہسپتالوں کی......''

''اسمٰعیل! میں نے یہ تم سے کب کہا ہے کہ ہمیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں؟ سارا علم ہی اچھا ہے بشرطیکہ اس کا استعمال غلط طور پر نہ کیا جائے۔ اگر سائنس دان ڈاکٹر' اساتذہ اور دیگر عمرانی ادارے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہماری مدد کریں تو یہ کتنی بڑی نعمت بن جائیں! لیکن یہ تمام منافقوں کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔ یہ تمام لوگ ہمارے دشمن ہیں یا ہمارے دشمنوں کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ لوگ ہماری بھلائی کے لئے کام نہیں کرتے۔ بلکہ یہ تو ہمارے عقیدہ و ایمان کو خراب کرنے میں لگے ہوئے ہیں تاکہ ہم لوگ بھی اپنی تہذیب و معاشرت کو چھوڑ کر وضع قطع میں ان غیر ملکیوں جیسے بن جائیں۔ ان لوگوں کے دل میں غریبوں کے لئے محبت اور ہمدردی نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف ہمارے حال کو دیکھ کر شرم محسوس کرتے ہیں۔ وہ ایسے تمام لوگوں کو دیکھ کر شرمندگی محسوس کرتے ہیں جو ماڈرن طور طریقے اختیار نہیں کرتے۔ یہ غیر ملکی لوگ اپنی نام نہاد تہذیب کو عام کرنے کے لئے اگر لوگوں کو ترغیب دینے میں ناکامی دیکھتے ہیں تو پھر یہ طاقت اور دھونس کے ذریعے اپنے طرزِ زندگی کو ہم پر ٹھونسنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ادویات' مشینیں اور کتابیں ان لوگوں کے اسلحہ و ہتھیار ہیں۔ اگر ہم اسی طرح جہالت اور غفلت میں پڑے رہے تو ہم کمزور سے کمزور تر ہوتے جائیں گے۔ اور اگر تعالیٰ نے کوئی خاص مدد نہ کی تو یہ لوگ

Marfat.com

ہماری طرف سے کسی مدافعت اور مقابلہ کے بغیر ہی ہمیں اپنا غلام بنالیں گے! کاش! جوانی کے ایام میں مجھے اس حقیقت کی سمجھ اور شعور نصیب ہو جاتا! کاش! جب میرے ابا نے مجھے سکول بھیجنے کا موقع فراہم کیا تھا اُس وقت میں نصابی علم حاصل کرنے کے علاوہ مختلف نئے علوم اور سائنس کا مطالعہ بھی کر لیتا! تو پھر مجھے اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب دونوں کے بارے میں ایک ماہرانہ آگاہی حاصل ہو جاتی...... اگر میں اُس وقت علم اور شعور سے بہرہ ور ہو جاتا تو میں اس بات میں امتیاز کرنے کا بھی اہل ہو جاتا کہ کس طرح ہم اپنے بدترین دُشمنوں سے نقصان اُٹھائے بغیر علم حاصل کرتے ہوئے بدی اور شیطنت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بجائے میں نے ماڈرن تہذیب سے بچنے کے لئے فرار کا رستہ اختیار کر لیا جبکہ اس کے شر کے پھیلاؤ کا یہ عالم ہے کہ آج کا مسلمان مدینہ منوّرہ جیسے مقدس شہر میں بھی اس کے فتنے سے محفوظ نہیں ہے......! اپنے لڑکپن کے ایام میں میں نے اپنے دل کو یہ سمجھا لیا تھا کہ میں کوئی عالم اور دانشور تو ہوں نہیں بلکہ میں تو صرف ایک کسان ہوں' لڑکپن کے دنوں میں جب میں گاؤں میں زندگی بسر کر رہا تھا تو زمین سے میری محبت بہت گہری تھی لیکن وہ گاؤں بھی ہمارے پاس نہ رہا' ہماری زمینیں ہم سے چھین کر دُشمنوں کے حوالے کر دی گئیں۔ دُشمن آج انہی لوٹی ہوئی جائیدادوں پر انتہائی بے شرمی اور ڈھٹائی سے براجمان ہیں۔ آج روئے زمین کے کسی کوشے میں حتیٰ کہ تحت الثریٰ میں بھی ایک سادہ اور عام کسان کے لئے زندگی کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں......! اور میں نے تو کبھی اس بارے میں سوچا بھی نہیں تھا کہ مجھے اس ہوشربا مقابلہ پذیر دنیا میں رہنے کے لئے تیاری کرنا ہوگی......! اب تو اس کا وقت گزر چکا! یہ میری بہت بڑی اور سنگین غلطی تھی۔! یہ میری کم فہمی اور ناپختگی تھی کہ میں اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہی رہا کہ دُشمن سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کے لئے اس کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا چاہیے۔ سنو اسمٰعیل! جب ہم دوبارہ دُنیا پر حکمران ہو جائیں گے' جس طرح اس سے پہلے ہم ماضی میں تھے تو ہم یقین طور پر یورپ کے تمام علوم' دولت' وسائل اور قوت پر مکمل قبضہ کر لیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور نعمتوں کی کوئی انتہا نہیں ہے......''

لیکن پرانی دُنیا تو مر چکی ابّا جان' اور اپنے سے برتر اور طاقتور لوگوں اور طریقوں سے شکست خوردگی کا شکار ہو کر مفلوج ہو چکی۔ اب تو صرف جدید روش ہی بہتر طرزِ زندگی اور روشن مستقبل کی طرف رہنمائی کرتی ہے! اب میرے پاس سعودی عرب کی

Marfat.com

شہریت ہے۔ نہ جانے آپ ابھی تک کس بھروسے پر بیٹھے ہوئے ہیں کہ آپ کبھی فلسطین واپس لوٹ جائیں گے؟ گاؤں ختم ہو چکا اور زندگی کے پرانے طور طریقے ملیامیٹ ہو گئے...... اب مسئلہ فلسطین کا واحد حل اسرائیل کے ساتھ پرامن تعلقات ہیں جو جلد یا بدیر اُستوار ہو کر رہیں گے...... اور رہا مستقبل کا سوال؟ جونہی میرے پاس کچھ رقم جمع ہوئی تو میں بھی دیگر ہزاروں سعودی باشندوں کی طرح جلد ہی یورپ اور امریکہ چلا جاؤں گا جو پہلے ہی رُوم' پیرس' لندن اور نیویارک جا چکے ہیں اور وہاں کے بہترین ہوٹلوں...... ہلٹن اور انٹر کانٹی نینٹل...... میں ٹھہر کر زندگی کی ایسی رعنائیوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں جن کا یہاں ابھی تک خواب بھی نہیں دیکھا جا سکتا''

''اسلام نہیں مر سکتا اسمٰعیل' اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ باقی رہنے والی ہے! وہ صاحب ایمان کے لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ غیر ملکی اور بیرونی طرزِ زندگی زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گا...... یہ ماڈرن ازم جلد ہی اپنی بدعنوانیوں' تنزل پذیریوں' فسق و فجور اور بداعمالیوں کی بنا پر دھڑام سے گر جائے گا۔ صاحب ایمان لوگوں کو چاہیے کہ متحد ہو کر دُشمن کا مقابلہ کریں' حتیٰ کہ بدی کا قلع قمع ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہی سب سے بالا ہے۔''

اسمٰعیل نے بے صبرے پن اور جھنجلاہٹ کے انداز میں اصرار کرتے ہوئے کہا

''آپ میری باتوں کو نہیں سمجھ سکتے''۔

''اسمٰعیل! میں تم سے بھی زیادہ بہتر انداز میں جدید دنیا کو سمجھتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ امیر آدمی دن بدن زیادہ لالچی اور حریص ہوتے جا رہے ہیں اور اسی لئے بازار میں آئے دن روٹی' آٹے' مسور' خوردنی تیل اور مٹی کے تیل کی قیمتیں چڑھتی جا رہی ہیں۔ خیر اس بات کو چھوڑو' مجھے اپنی بیوی کے بارے میں مزید بتاؤ۔ تم نے اپنے خط میں ذکر کیا تھا کہ وہ عیسائی ہے۔ تم نے اپنی ہم مذہب بیوی کا انتخاب کیوں نہیں کیا؟''

''اس میں کوئی مضائقہ نہیں ابا جان! کیونکہ وہ تو صرف نام کی حد تک عیسائی ہے۔ معاشرتی پابندیوں اور اخلاقی بندشوں سے ہر فرد کی مکمل آزادی ہمارا مشترکہ نظریہ ہے۔ وہ بھی میری طرح ان پابندیوں سے اتنی ہی باغی ہے جتنا کہ میں ہوں...... اور اسی نظریہ نے ہمیں ہم خیال بنا دیا۔ اس کا والد ایک دقیانوسی آدمی اور کٹر پادری تھا۔ اگر وہ اب بھی زندہ ہوتا تو وہ ہمارے ملاپ پر کبھی رضامند نہ ہوتا اور نہ اس کی اجازت دیتا' لیکن

Marfat.com

میری ساس بوڑھی کمزور اور جاہل ہے۔ اگرچہ وہ ہماری شادی سے خوش تو نہیں لیکن اس کے لئے ہمارے راستے میں رکاوٹ بننے کی بھی قدرت نہیں...... میں پرانے خیالات کی ایسی عورت سے شادی کا روادار نہیں تھا جو بالکل مسکین' اطاعت گزار اور اپنے حقوق سے بالکل بے بہرہ ہو۔ سعودی عرب میں آج کل نئی نسل کی عورتیں صرف حکومت کے ڈر اور حکم سے نقاب اوڑھتی ہیں۔ جب ہو دوسرے ممالک میں جاتی ہیں تو وہ نقاب اوڑھتی ہیں نہ لمبی اور طویل چادروں سے خود کو ڈھانپتی ہیں۔ میں اپنی بیوی کو اپنی زندگی میں برابر کا ساتھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں ایسی بیوی کا روادار نہیں ہوں جو ایک گھریلو نوکرانی کی طرح ہو اور ہر سال ایک نیا بچہ پیدا کرتی جائے۔ آج کے دور میں عورت کُلّی طور پر آزادانہ زندگی بسر کرتے ہوئے عوامی زندگی میں بھرپور انداز میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ میری بیوی نے بیروت کی امریکن یونیورسٹی سے اعزاز کے ساتھ گریجویشن کا امتحان پاس کیا ہے۔ اُس نے معاشیات میں ماسٹر ڈگری حاصل کی ہے۔ اور میرے دل میں اس کی محبت ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ وہ دنیا کی انتہائی خوبصورت اور انوکھی عورت ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اس سے ملیں...... وہ ایک بچے کی ماں بننے والی ہے اور میں جلد ہی اُسے ہسپتال میں داخل کرانے کا بندوبست کر رہا ہوں......''

احمد خلیل کی آنکھیں غُصّہ کے مارے سُرخ ہو گئیں' ''تم نے میری اجازت کے بغیر اُس سے شادی کی ہے' حتیٰ کہ تم نے مجھے اس کی اطلاع بھی نہیں دی' میں تو اس کی شکل دیکھنے کا بھی روادار نہیں ہوں۔ میں اُسے اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت بھی نہیں دوں گا اور تم اُسے ہسپتال میں کیوں بھیج رہے ہو؟ کیا وہ زیادہ بیمار ہے؟''

اسمٰعیل نے اپنے باپ پر ایک گستاخانہ نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''میرے بچے میری طرح فرسودہ اور آلودہ ماحول میں ولادت پذیر نہیں ہوں گے۔ میں تو اُنہیں ہر طرح کی طبی سہولیات مہیا کروں گا۔ میں بڑی حزم و احتیاط کے ساتھ اپنے خاندان کی خاندانی منصوبہ بندی اس طرح کروں گا کہ اُن کی تعداد دو یا تین سے زیادہ نہ ہونے پائے' تاکہ میں اُن کی خوراک وغیرہ کا بہتر انتظام کر سکوں۔ وہ ماڈرن انداز سے پرورش پائیں گے۔ میں آپ کی طرح اپنے آٹھ بچوں میں سے سات کو شیر خوارگی اور پرورش کے دوران ہی ضائع نہیں کروں گا''۔

فرطِ غضب سے احمد خلیل کی آواز بلند ہوئی' ''یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو تمہیں

Marfat.com

بچے عطا کرے گا اور وہی انہیں واپس بھی لے سکتا ہے اور ایک تم ہو کہ کس ڈھٹائی کے ساتھ مجھ پر اپنے ہی بچوں کو قتل کرنے کا الزام لگا رہے ہو؟"

"اب سیدھی اور صاف بات میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ آپ اچھی بات کو سمجھنے کے سلسلے میں کس قدر جاہل اور ضدی واقع ہوئے ہیں۔ میرے بچوں کا ماحول آپ سے یکسر مختلف ہو گا۔ آیئے ابا جان! میرے ساتھ دہران چلئے! یہاں سے تو آپ کو بہرصورت زبردستی نکال دیا جائے گا۔ حکومت نے آپ کو صرف تین دن کی مزید مہلت دی ہے۔ اور یہ بڑی اچھی بات ہے کہ شہر سے اس آبادی کو مسمار کیا جا رہا ہے...... اتنی بدترین' تنگ و تاریک اور گندی آبادی میں نے آج تک کہیں نہیں دیکھی! یہاں سے نکلنے کے بعد آپ کو حقیقت کا سامنا کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ اور اپنے تخیل میں بسی ہوئی موہوم دنیا کے بجائے آج کے دور کو اس کی حقیقتوں سمیت تسلیم کرنا ہو گا۔ سینکڑوں میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد یہاں آ کر آپ سے میرے ملنے کا سب سے بڑا اور اصلی مقصد آپ کو اور امّی کو اس بات پر قائل کرنا ہے کہ آپ میرے ساتھ دہران چلیں اور زندگی کے باقی ماندہ دن آرام اور سکون سے بسر کریں۔ آپ رشید اور اس کے بوڑھے باپ کا خیال نہ کریں۔ اُن کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ وہ اپنی کفالت خود کر سکتے ہیں۔ ابا جان! آیئے میرے ساتھ دہران چلئے' جہاں ایک شاندار مستقبل ہمارا منتظر ہے!

احمد خلیل کی نظروں میں دہران' قیام کے لئے سب سے بری جگہ تھی۔ وہ ایسے مقام پر اسمٰعیل کے ساتھ ایک دن کے لئے بھی قیام کرنا بدترین خیال کرتا تھا' اتنا بدترین کہ اسمٰعیل کے ہمراہ وہاں جانے کے بجائے وہ اس بات کو ترجیح دیتا تھا کہ اسے گلی میں بے یارو مددگار پھینک دیا جائے۔ لیکن وہ اسمٰعیل کے سامنے اپنے تاثرات کیسے بیان کرتا؟ ابھی وہ اس بات کا موزوں جواب دینے نہ پایا تھا کہ معاً ایک اور خیال اس کے ذہن میں بجلی کی طرح کوندا اور اس نے کہا "اسمٰعیل" تمہارے ساتھ رفیق گھر پر کیوں نہیں آیا"۔

اسمٰعیل پر ایک لمحے کے لئے جھرجھری طاری ہو گئی اور اس نے اپنی نگاہیں زمین پر گاڑتے ہوئے جھوٹ بولا "وہ اپنے کام میں بہت زیادہ مصروف ہے۔ اتنا مصروف کہ اُسے تو ٹیلی ویژن پر میرے ساتھ انگریزی فلمیں دیکھنے کی بھی فرصت نہیں ملتی"

"اسمٰعیل! تم مجھے سچی بات نہیں بتا رہے ہو! تین مہینے گزر گئے مجھے رفیق کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی حالانکہ اس سے پہلے وہ مجھے ہر ہفتے خط لکھتا رہا ہے......

Marfat.com

اُس کے سر پر باپ کا سایہ ہے نہ ماں کی شفقت نصیب ہے اور میں تو اس کی شیرخوارگی کے زمانے سے ہی اس کے بارے میں سخت فکرمند رہتا ہوں۔ وہ اپنے بچپن کے زمانے سے ہی بہت ڈرپوک اور خوفزدہ واقع ہوا تھا۔ اپنے آخری خط میں اس نے مجھے لکھا تھا کہ میں بہت پریشان ہوں اور میں نے اس سے بڑے پیار سے التجا کی تھی کہ وہ گھر آئے اور مجھے ساری صورتِ حال سے آگاہ کرے اور میں ایک تایا ہونے کی حیثیت سے اس کی ہر ممکنہ مدد کروں گا۔''

ایک دفعہ پھر اسمٰعیل نے نظریں نیچی کیے فرش کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا شروع کر دیا لیکن اس مرتبہ وہ اپنے دل کی بات چھپانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کا پورا جسم کانپ رہا تھا اور اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا ''کیا آپ کو معلوم نہیں کہ وہ مر چکا ہے؟''

یہ سنتے ہی احمد خلیل کا چہرہ زرد ہو گیا اور کھانسی کی ایک شدید لہر کے دوران وہ دِیوار کے ساتھ دھڑام سے گر پڑا۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا ''رفیق مر گیا؟ تم نے اس بارے میں مجھے کیوں نہ لکھا؟''

''ابا جان! اُس نے اپنی کلائیاں ایک اُسترے سے خود ہی کاٹ ڈالیں تھیں۔ جب میں پہنچا تو میں نے اُسے خون میں لت پت پایا۔ میں نے فوراً ڈاکٹر کو بلایا لیکن ہم اُسے ہسپتال لے جا رہے تھے کہ وہ راستے میں ہی دم توڑ گیا۔ ابا جان! آپ مجھے اس طرح گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہیں؟ آپ یقین کریں کہ اس وقوعہ میں میرا کوئی قصور نہیں ہے!''

''اسمٰعیل! ادھر میری طرف دیکھو! اور مجھے پوری بات سچ سچ بتا دو''

''ابا جان آپ یقین کریں کہ اس سارے افسوسناک واقعہ میں میرا کوئی قصور نہیں ہے! کمپنی نے ہم دونوں کو ایک بہت پرکشش اور حیرت انگیز اسامی کی پیش کش کی۔ یہ اسامی ایک جدید طرز کے ایئرکنڈیشنڈ دفتر میں چیف اکاؤنٹنٹ کے اسسٹنٹ کی تھی۔ جس کے ساتھ دہران میں امریکی طرزِ تعمیر کے کوارٹر میں رہائش کی مراعات بھی شامل تھیں۔ لیکن یہ اسامی صرف ایک تھی۔ یعنی مجھے یا رفیق دونوں میں سے ایک کو ہی ملنا تھی! مجھے بخوبی معلوم تھا کہ وہ اس اسامی کو نہیں نبھا سکتا۔ وہ کبھی اس عہدہ کا اہل نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ آخر وہ بیٹا بھی تو ایسے باپ کا تھا جو ناقابلِ علاج پاگل تھا۔ وہ کراہت آمیز منظر

Marfat.com

میں کیسے بھول سکتا ہوں جب وہ سارا سارا دن غلاظت میں لتھڑا ہوا فرش پر برہنہ حالت میں پڑا رہتا تھا حتیٰ کہ وہ اپنے آپ خود کھانا بھی نہیں کھا سکتا تھا۔ میرے مشاہدے کی حد تک وہ سب سے زیادہ قابلِ نفرت مخلوق تھا۔ جب کبھی مجھے وہ یاد آتا ہے تو مجھے کراہت سے اتنی گھن آتی ہے کہ جی متلانے لگتا ہے......''

''میرے مرحوم بھائی کے بارے میں اس انداز سے باتیں نہ کرو اسمٰعیل!''

اسمٰعیل بولتا چلا گیا ''رفیق نے بھی اسی طرح کے طور اطوار اپنانے شروع کر دیئے تھے۔ وہ اتنا پژمردہ دل تھا کہ کوئی چیز اُسے خوش نہیں کر سکتی تھی۔ بعض اوقات تو وہ بلاوجہ کئی کئی گھنٹے روتا رہتا۔ لہٰذا میں نے اپنے آجر اور آفیسر کو رفیق اور اس کے والد کے بارے میں سب کچھ بتا دیا کہ وہ اس ملازمت کو نبھانے کا اہل نہیں ہے۔ یہ تھی اصل حقیقت کیا میں اس میں حق بجانب نہیں تھا؟

احمد خلیل اسمٰعیل کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے چلایا ''تم نے اپنے سگے چچازاد بھائی سے فریب کیا' اپنے ہی گوشت اور خون سے غداری کی! تم کتنے سنگدل اور ظالم ہو؟''

''براہ کرم سمجھنے کی کوشش کیجئے ابا جان! میں نے وہی کچھ کیا' جو مجھے کرنا چاہیے تھا!

''تم اس سے کوئی مختلف قسم کا کام بھی تلاش کر سکتے تھے۔ میری بات غور سے سنو اسمٰعیل! تم نے جو قصور کیا ہے تمہیں اس کا اعتراف کر لینا چاہیے۔ جہاں تک ہو سکے تمہیں اس کی تلافی کرنا چاہیے۔ تمہیں دن رات اللہ تعالیٰ کے حضور نمازیں پڑھتے ہوئے معافی اور استغفار کی دُعائیں مانگنی چاہئیں۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرماتے ہوئے تمہیں معاف کر دے''

''یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا ابا جان! میں لوگوں کو اس بارے میں جاننے کی اجازت دینے کا روادار نہیں۔ میں اپنی ملازمت' اپنی ساکھ اور شہرت اپنے نئے گھر اپنی بیوی اور ہونے والے بچے سے محروم ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اور نہ ہی اپنے خوابوں اور اُمیدوں بھرے مستقبل کو تباہ و برباد کر سکتا ہوں۔ کیا آپ یہ توقع لگائے بیٹھے ہیں کہ جو کچھ عمر بھر آپ کرتے رہے ہیں میں بھی وہی کچھ کروں...... کہ ایک حقیر معاوضے پر مسجد کے باغ میں کیچڑ بھری زمین پر نلائی کرتے ہوئے آپ کی طرح تمام زندگی گزار دوں؟

Marfat.com

آپ نے تو ساری عمر یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ عمدہ اور مہذب رہن سہن کیا ہوتا ہے؟ آپ تو اپنے بچوں کو خوراک بھی مہیا نہیں کر سکتے تھے۔ آپ نے تو اُنہیں بالکل فاقہ کشی کے رحم و کرم پر چھوڑے رکھا۔ مجھے وہ وقت کبھی نہیں بھولے گا' کہ میں کئی کئی راتیں بھوک کے سبب روتا چلاتا رہتا تھا۔ اُس وقت میری عمر چار پانچ سال سے زیادہ نہیں تھی لیکن وہ سب کچھ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ آپ تو مجھے روٹی بھی مہیا نہیں کر سکتے تھے۔ آپ تو بالکل کنگال اور فاقہ مست تھے لیکن میں اس فاقہ مستی کو ختم کرتے ہوئے ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ چکا ہوں......''

''اسمٰعیل! کیا تم میں تقدیر کے لکھے ہوئے کو برداشت کرنے کا صبر اور حوصلہ نہیں ہے؟ میرے بس میں جو کچھ تھا وہ میں نے تمہیں مہیا کیا۔ ایک باپ کی حیثیت سے میں تمہارے لئے اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتا تھا؟ کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ تم ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہو...... اللہ تعالیٰ اور اس کے قانون سے بھی آزاد......! کیا اپنے زعم میں ذاتی خوشی کے لئے جائز و ناجائز تم ہر قدم اُٹھانے کے لئے آزاد ہو؟ اور تم پر اس سلسلے میں کوئی پابندی اور ذمہ داری نہیں؟ کیا اپنی دانست میں تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی مدد اور ہدایت کے بغیر زندگی گزار سکتے ہو؟ ہر سانس جو تم لیتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مہربانی سے ہی ممکن ہے۔ وہ کسی لمحے بھی تمہارے جسم سے جان واپس لے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے اور قیامت کے روز اُسی کے سامنے تمہیں اپنے تمام اعمال کی جواب دہی کرنا ہو گی۔''

اسمٰعیل نے گھبراہٹ کے انداز میں کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ ''مجھے اس کی کوئی فکر نہیں' میں جوان ہوں اور ابھی میرے سامنے طویل زندگی بسر کرنے کے لئے پڑی ہے'' اسمٰعیل نے غور سے اپنے باپ کے دُبلے اور لاغر چہرے کی طرف دیکھا' جو بھاری لمبے اور گھنے سیاہ بالوں والی داڑھی کے چوکھٹے میں جڑا ہوا تھا اور اس پر بخار سے چمکتی ہوئی اپنے مخاطب کے دل میں سرایت کر جانے والی سیاہ آنکھیں نمایاں تھیں۔ اسمٰعیل تقریباً مایوسی کے عالم میں چلاتے ہوئے بولا'' کیا آپ کو موت سے خوف نہیں آتا ابا جان!''؟

احمد خلیل کی آواز میں ایک ٹھہراؤ لیکن مضبوط پن تھا' اُس نے کہا ''میں ایک مسلمان ہوں اور مسلمان صرف بدی اور گناہ سے ڈرتا ہے۔ اسمٰعیل! اب بھی وقت ہے کہ تم اپنے کئے ہوئے پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے استغفار اور بخشش طلب کرو'

Marfat.com

ورنہ تمہیں موت سے بھی بدتر حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔''

اسمٰعیل نے گھبراہٹ کے انداز میں اپنی نکٹائی درست کرتے ہوئے کہا ''ابا جان! میں تو بس ابھی جا رہا ہوں۔ اگر میں اب روانہ نہ ہوا تو بس نکل جائے گی۔ یہ بس مدینہ سے جدّہ تک ہر دو گھنٹے بعد چلتی ہیں......''

احمد خلیل نے ایک حیرت انگیز قوت سے اُسے کندھوں سے پکڑتے ہوئے جکڑ لیا۔

''ابا جان! مجھے جانے دیجئے! مجھے بہت جلدی ہے! اُس نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے خود کو چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن اُس کے والد کی گرفت کہیں زیادہ مضبوط تھی۔

''اسمٰعیل! میری طرف دیکھو! ادھر میری آنکھوں میں جھانکو۔''

اسمٰعیل نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

سنو اسمٰعیل! یہ میرے الفاظ نہیں ہیں۔ یہ تو ابدی سچائی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر حضور نبی اکرم ﷺ پر براہِ راست نازل فرمائی ہے۔

اسمٰعیل پر ایک لرزہ طاری ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے والد کی سیاہ آنکھیں اس کی روح کو چیرتے ہوئے گزرتی جا رہی ہوں۔

''سنو اسمٰعیل''۔

(''تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دُھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔

یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لبِ گور تک پہنچ جاتے ہو۔

ہرگز نہیں عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔

پھر (سن لو کہ) ہرگز نہیں عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔

ہرگز نہیں۔ اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے (اس روش کے انجام کو) جانتے ہوتے (تو تمہارا یہ طرزِ عمل نہ ہوتا)

تم دوزخ کو دیکھ کر رہو گے

پھر (سن لو کہ) تم بالکل یقین کے ساتھ اُسے دیکھ لو گے......'')

(التکاثر......۱۔۷)

Marfat.com

اسمٰعیل بولا ''مجھے جانے دیجئے ابا جان! مجھے بہت جلدی ہے''!

یہ کہتے ہوئے اس نے جھٹکا دے کر اپنے آپ کو باپ کی گرفت سے چھڑایا' سوٹ کیس اُٹھا کر کوئی لفظ کہے بغیر دروازے سے باہر نکل گیا۔ احمد خلیل دروازے تک اس کے پیچھے پیچھے گیا اور اسے گلی میں تیز تیز جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اسمٰعیل نے ایک بار بھی مڑ کر نہ دیکھا۔ حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

احمد خلیل کو کھانسی کی ایک شدید اور طویل لہر نے آلیا اور وہ سہارا لینے کے لئے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اسماء اس کے پاس آ کر بولی ''آپ کو لیٹ جانا چاہیے۔ آپ بہت زیادہ تھک گئے ہیں اور آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔''

رشید اس کے پاس آیا اور احمد خلیل اپنی بیوی اور چچازاد بھائی کا سہارا لے کر بڑی مشکل سے چلتے ہوئے اپنی چٹائی تک پہنچا اور لیٹ گیا...... بخار کے شدید حملوں کی وجہ سے اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ اسماء اور رشید نے بڑی ملائمت سے اُسے لحاف اوڑھا دیا۔ رشید اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اور اس نے احمد خلیل کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ پیشانی گویا بخار سے جل رہی ہو' اس کا منہ خشک تھا اور ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے تھے۔ رشید نے اُسے سہارا دے کر اُٹھاتے ہوئے تھوڑا سا پانی پلایا اور اس کے بعد وہ پھر فرش پر پڑی ہوئی چٹائی پر لیٹ گیا۔ نقاہت کے مارے اس کا یہ عالم تھا کہ وہ حرکت کر سکتا تھا اور نہ بڑی تگ و دو کے باوجود اس کے منہ سے کوئی بات ہی نکلتی تھی۔

نقاہت کے مارے اس پر ایسی غنودگی طاری ہو گئی کہ اسے اسماء اور عبدالرزاق کی موجودگی کا احساس تک نہ رہا اور اس نے خود کو عالمِ رُویا میں ایک اور ہی دنیا میں پایا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بار وہ پھر لڑکپن کی عمر میں عراق المنشیا کے کھیتوں میں کام کر رہا ہے۔ کھیتوں کے پاس ہی اس کا نانا جان' نوجوان کے ایک گروہ سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں جو کہ نانا جان سے صلاح و مشورہ اور رہنمائی کے خواہاں ہیں۔ اس کا ماموں یوسف ملک کمر کے بل جھکا ہوا کھیتوں میں کام میں منہمک ہے...... اس کا گھر بالکل صاف ستھرا اور مرمت یافتہ نظر آ رہا ہے جس میں ابھی ابھی سفیدی کی گئی ہے۔ گھر کے عین سامنے خلیفہ اور عبدالعزیز ہنسی خوشی کھیلنے کودنے میں مصروف ہیں۔ وہ گھر کے اندر جا کر دیکھتا ہے کہ اس کی امّی جان ایک لمبے سیاہ لباس اور نقاب میں ملبوس اپنے کرگھے پر انتہائی خوش نما نقش و نگار اور دل کش رنگوں والا کپڑا بننے میں محو ہیں۔ جب وہ اپنی نظریں اُوپر اُٹھا

Marfat.com

کر احمد خلیل کو دیکھتی ہیں تو ایک شفقت آمیز انداز میں مسکراتی ہیں۔ احمد خلیل دیکھتا ہے کہ امّی جان پر ایک ایسا ملکوتی حسن نظر آ رہا ہے کہ اس کی آب و تاب بالکل عروسی دن کے جمال کی مانند نظر آ رہی ہے۔ باہر گندم کی پکی ہوئی فصل کٹائی کے لئے بالکل تیار کھڑی ہے اور دُور حدّ نظر کے اُفق تک پھیلے ہوئے گندم کے چمکدار سنہری خوشے لہر در لہر جھومتے لہراتے نظر آ رہے ہیں......

پھر اچانک کسی کی موجودگی نے اسے چونکا دیا اور اس کے سامنے موجود مناظر اور اس کے تاثرات کا سلسلہ یکا یک ٹوٹ گیا اور وہ چلا اُٹھا: آہ میری آنکھوں کی روشنی چلی گئی! عبدالرزاق تم کہاں ہو؟ مجھے تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا! ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے......''

ابا جان! میں یہاں بالکل آپ کے پاس موجود ہوں...... آپ مجھے حکم دیجئے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''مجھے قرآن پاک کی آخری دو سورتیں تلاوت کر کے سناؤ جن میں اللہ تعالیٰ سے پناہ اور حفظ و امان طلب کی گئی ہے۔ کیا اس وقت تمہارا ابھرواں لفظوں والا بریل قرآن مجید تمہارے پاس موجود ہے؟''

''نہیں ابا جان! میں اسے الازہر میں ہی چھوڑ آیا ہوں کیونکہ وہ میرا نہیں تھا بلکہ میں نے اسے ایک دوست سے مستعار لیا تھا...... لیکن اس وقت مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے...... کیونکہ یہ مجھے تمام زبانی حفظ ہو چکا ہے۔

سنیئے!

(''...... کہوٗ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی'
ہر اس چیز کے شر سے جو اُس نے پیدا کی ہے
اور رات کی تاریکی کے شر سے جب کہ وہ چھا جائے
اور گرہوں میں پھونکنے والوں (یا والیوں) کے شر سے
اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے......'') (الفلق ۱۔۵)

احمد خلیل بولا ''پڑھتے جاؤ میرے بیٹے! اور مجھے آخری سورہ کی تلاوت کر کے سناؤ کیونکہ میں خوفزدہ ہوں اور انجانے وسوسوں اور خوف سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور تحفظ کا طالب ہوں۔ اُس دہشت ناک شر اور وسوسوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کا خواہاں ہوں جو

Marfat.com

انسان کے اپنے دل میں ہوں یا دیگر انسانوں کے دلوں میں ہوں......''

(''کہو کہ میں لوگوں کے پروردِگار کی پناہ مانگتا ہوں۔

(یعنی) لوگوں کے حقیقی بادشاہ کی۔

لوگوں کے معبود برحق کی۔

(شیطان) وسوسہ انداز کی برائی سے (جو اللہ کا نام سن کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

(خواہ وہ) جنّات سے (ہو) یا انسانوں میں سے۔'') (الناس ۱۔۶)

☆......☆......☆

Marfat.com

ذخیرہ

اختتام

دمِ واپسیں

احمد خلیل کی موت بھی اس کے دوستوں کے لئے انتہائی قابلِ رشک تھی کہ مرحوم کے مرنے کے بعد بھی انتہائی سعادت اور خوش نصیبی اس کی ساتھی رہی...... وہ یوں کہ نمازِ جنازہ مسجد نبویؐ جیسی مبارک جگہ میں ادا کی گئی اور اس کی تدفین مدینہ منورّہ جیسے مقدس و محترم مقام میں ہوئی۔

ع...... یہ نصیب اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے

اب رہا اس کا بیٹا اسمٰعیل تو اس کا حال بھی سن لیجئے کہ وہ اپنی بیوی لیلیٰ کے ساتھ اپنی دانست میں انتہائی خوشگوار اور مرغوب ترین زندگی بسر کر رہا تھا...... اسمٰعیل کا یہ رویہ اور طرزِ بود و باش مرحوم احمد خلیل کے احباب اور اعزہ و اقارب کے لئے ذہنی اذیت کی حد تک حیرت انگیز تھا......! لیکن اسمٰعیل تو اپنی ہی دنیا میں مگن اور مست تھا...... اس کا گھر ہر قسم کی جدید ترین سہولیات اور آسائشات کے سامان سے بھرا پڑا تھا...... ہر طرح کی تعلیمی اور طبی سہولیات کے ساتھ ساتھ یہ خاندان ہمہ نوع کی تفریحات سے بھی بہرہ ور تھا...... مشرقی ممالک کے نو دولتیئے لوگوں میں مغربی تہذیب و اطوار کے دلدادہ افراد میں سے شاید ہی کوئی اتنا کوئی سرگرم اور نادیدہ عاشق ہوگا جتنا کہ اسمٰعیل تھا اب یہ الگ بات ہے کہ مغرب اور یورپ کی اصلیت کے بارے میں اسمٰعیل کا مبلغ علم انتہائی سطحی بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا......! جبکہ اس کے والد مرحوم احمد خلیل نے اپنی ساری زندگی آخرت کی تیاری کے احساس کے تحت بسر کی...... اور اُدھر اسمٰعیل کا یہ عالم تھا کہ اس کی ساری دلچسپیوں اور تمناؤں کا مرکز و محور یہی مادی دنیا تھی۔

Marfat.com

اسمٰعیل کی بیوی لیلیٰ کے ہاں تین بچے پیدا ہوئے۔ جن میں سے دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا...... لڑکیوں کے نام عصمت اور نادیہ رکھے گئے اور لڑکے کا نام حماد رکھا گیا......! پہلے پہل تو وہ دہران میں ہی امریکیوں کے تعمیر کردہ کوارٹر میں ہی رہائش پذیر رہے...... لیکن بعد میں دارالحکومت ریاض میں ایک فلک بوس وسیع وعریض اور کشادہ فلیٹ میں منتقل ہو گئے...... اسمٰعیل اور اس کا پورا خاندان نہ صرف مغربی لباس زیب تن کرتا بلکہ اس کے گھر کے افراد یورپ سے درآمد شدہ ڈبوں میں بند خوراک برگر وغیرہ کے علاوہ کوئی دوسری خوراک کھانے کے روادار نہ ہوتے' سوائے اس کے کہ وہ ایک مسلمان خاندان میں پیدا ہوئے تھے' وہ دینِ اسلام کے بارے میں تقریباً کچھ بھی نہیں جانتے تھے...... اور اسمٰعیل اسلام کے بارے میں ایمان وعمل کی جو تھوڑی بہت واقفیت رکھتا تھا' اس نے اپنے بچوں کو اس نے اس سے بھی روشناس نہیں کیا......

صرف ایک نسل کا عرصہ گزرتے ہی اس خاندان سے عربوں کا ماضی اور اس کے آثار اور باقیات بالکل ہی ختم ہو گئے۔ اسمٰعیل نے اپنے بچپن کی یادوں سے صرف اتنا ہی تعلق رکھا تھا کہ وہ اس پر محض شرمندگی محسوس کرتا اور اس کی پوری کوشش اس بات پر مرکوز رہتی کہ اپنے ماضی کو مکمل طور پر بھلا دے...... اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے بچوں کو اپنے ماضی کی بھنک بھی نہیں پڑنے دے گا...... اسی سبب سے اس نے اپنے بچوں کو ان کے دادا جان کے بارے میں بالکل آگاہ نہ کیا۔ حتیٰ کہ اس نے انہیں دادا کا نام تک بھی نہیں بتایا...... ان بچوں کو بالکل پتہ نہیں تھا کہ عراق المنشیا نامی کوئی گاؤں بھی روئے زمین پر موجود تھا...... اور موجودہ نسل کے بچوں کو نہ صرف یہ کہ 1948ء سے قبل کے فلسطین کی کوئی خبر نہ تھی۔ بلکہ آئندہ اس بارے میں کچھ جاننے کی اُمید بھی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ حالانکہ انہی بچوں کا عظیم المرتبت دادا ملک وہاب ان کے آبائی وطن فلسطین کے بارے میں تاریخ ومعلومات کا وسیع سمندر تھا......

اور اب اس کے برعکس اسمٰعیل اور اس کے بچوں کا یہ حال تھا کہ وہ اپنی دنیاوی کامیابیوں اور عیش وعشرت پر ہی نازاں تھے...... لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسمٰعیل کبھی کبھی اس بات سے بھی ہول کھاتا کہ وہ خود ہی نہیں بلکہ اس کا خاندان بھی اسلام کو تقریباً چھوڑ چکا تھا۔

اور مستقبل میں کیا ہو! شاید ایک ایسا دن بھی آئے کہ احمد خلیل کے پوتے

Marfat.com

پوتیاں اپنی مادی زندگی کے کھوکھلے پن اور ظاہری چمک دمک سے اُکتا جائیں اور پھر مذہبی کتابوں' آرٹ کے نمونوں سے بھرپور عجائب گھروں میں اپنی جڑوں کی تلاش میں پھرنا شروع کر دیں اور اگر خوش قسمتی نے ساتھ دیا تو مالک حقیقی کے فضل و کرم سے اسلام کی نعمت کو دوبارہ دریافت کرتے ہوئے اب یا کبھی نہ کبھی پا ہی لیں گے...... لیکن اسلامی زندگی کی روایات کی وہ اعلیٰ معاشرتی' تمدنی اور ثقافتی سچائیاں جو عراق المنشیا جیسے چھوٹے چھوٹے دیہات میں بسنے والے غریب اور منکسر المزاج لوگوں کی روزمرہ زندگیوں میں پائی جاتی تھیں...... اب وہ ہمیشہ کے لئے متاع گم گشتہ ہو چکی تھیں۔

☆......☆......☆

Marfat.com

فرہنگ

(ناول میں مذکور چند عربی الفاظ کے علاوہ نامور شخصیات کا تعارف)

آفندی...... جاگیردار

فلاحین...... عرب، کسان مزارعین

ابن تیمیہؒ...... (۶۶۱ھ.......... ۷۲۸ھ) نامور مسلم مفکر

امام احمد بن حنبلؒ.......... (۱۶۴ھ...... ۲۴۱ھ) نامور مسلم مفکر اور فقہ حنبلی کے بانی

کافیہ...... عربوں کا سر پر باندھنے والا ڈوری دار رومال

نیفود...... شمالی عرب کا صحرائی علاقہ

نجبا...... جنوبی فلسطین کا صحرائی علاقہ

سید قطب شہید...... (۱۹۰۶ء...... ۱۹۶۶ء) اسلامی نظریہ حیات پر متعدد کتب لکھنے والے نامور مصری مصنف

شیخ محمد عبدہٗ...... (۱۸۴۹ء...... ۱۹۰۵ء) عرب دنیا میں تحریک تجدد کے بانی

شیخ رشید رضا...... (۱۸۶۵ء...... ۱۹۳۵ء) محمد عبدہ کے سب سے نامور شاگرد

لبید...... (م ۴۱ھ) قدیم عربی شاعر

مالکی...... امام مالکؒ (۹۵ھ...... ۱۷۰ھ) سے منسوب

Marfat.com

صیہونیت، مسلمانوں کو دینی، تہذیبی، سیاسی غرضیکہ لحاظ سے ملیامیٹ کرنے کے لئے یورپ کی تمام سامراجی اور نوآبادیاتی طاقتوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کیے ہوئے ہے۔ ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے یہ لوگ دن رات اپنے مذموم مقاصد میں مصروف ہیں۔ زیرِ نظر کہانی، میں نے اپنے بچپن میں لکھنا شروع کی تھی ہوسکتا ہے کہ میری یہ کاوش عرب دُنیا اور عالمِ اسلام کو جگانے، قبلۂ اوّل بیت المقدس کو آزاد کرانے۔ ایک آزاد مسلمان فلسطینی ریاست کے قیام اور ایک بڑی تباہی کو روکنے کے لئے ہمیں اپنے مشترکہ دُشمن کے خلاف جہاد پر آمادہ کرنے کا باعث بن جائے۔ دُشمنانِ اسلام اپنے مذمومہ مقاصد کے ساتھ ہمارے گرد گھیرا تنگ کیے جا رہے ہیں۔ یہ وقت مسلمانوں کے خوابِ غفلت سے بیدار ہونے کا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ پانی سر سے اُونچا ہو جائے!

ذخیرہ

Marfat.com

Marfat.com

ہماری دیگر کتب

Marfat.com